جدید ایڈیشن ترجمہ، شرح، اضافات جدیدہ کے ساتھ معروضی سوالات وغیرہ

شرح اردو

تیسیر مصطلح الحدیث

تالیف

دکتور محمود الطحان



مترجم وشارح
مولانا آصف نسیم

اضافات جدیدہ
مولانا شکیل عاصم

نظر ثانی وتصحیح
ابوسفیان عباس

جدید ایڈیشن ترجمہ، شرح، اضافات جدیدہ کے ساتھ معروضی سوالات وغیرہ

تیسیر مصطلح الحدیث



دار الحمد

سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار، لاہور

دار الحمد

نام کتاب

شرح اردو
تیسیر مصطلح الحدیث

تالیف: دکتور محمود الطحان

مترجم و شارح: مولانا آصف نسیم

اضافات جدیدہ: مولانا شکیل عاصم

نظرثانی و تصحیح: ابوسفیان عباس

باہتمام: ھناد شاکر

ناشر: دار الحمد

+92 42 373 61 505, +92 372 44 404
+92 333 43 34 804, +92 324 43 36 123

سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

dk.salafiyyah@gmail.com

فہرست

❀❀❀❀

حرفِ اوّل

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ، اَمَّا بَعْدُ!

احادیث رسول ﷺ کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، اس سلسلے میں ائمہ محدثین سے خوب کام لیا، انھوں نے اس کی حفاظت کے لیے اُصول بنائے اور قواعد وضوابط وضع کیے پھر انھی اصول وضوابط کو کتب میں مدون کیا گیا اور آج تک ہزاروں کتب اسی موضوع کے متعلق لکھی گئیں اور لکھی جائیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

اسی سلسلے کی ایک کڑی ''تیسیر مصطلح الحدیث'' بھی ہے، یہ مختصر ہونے کے باوجود طویل مباحث کا احاطہ کیے ہوئی ہے۔ تاہم مدارس اسلامیہ میں شامل نصاب ہے اور دیگر کتب کی نسبت اسے ایک خاص شہرت بھی حاصل ہے۔ عربی میں ہونے کی وجہ سے اُردو طبقہ کے لیے اس سے مستفید ہونا ناممکن تھا تو اب اس کا ترجمہ فوائد وتوضیحات کے ساتھ قارئین کے لیے ایک عظیم تحفہ کی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

ترجمہ، توضیح اور جہت سے علمی حواشی کی سعادت محترم مولانا آصف نسیم مدنی حفظہ اللہ نے حاصل کی ہے، اللہ تعالیٰ انھیں ان کے علم وعمل، قول وفعل اور دینی ودنیاوی ہر کام میں برکت سے نوازے۔ طلباء کے لیے مشقی سوالات کا اہتمام مولانا محمد شکیل عاصم حفظہ اللہ نے کیا ہے، اللہ تعالیٰ انھیں بھی برکتوں، خوش نصیبیوں اور سعادتوں سے مالا مال کرے اور کتاب کی تسہیل ونظر ثانی کا کام بندہ عاجز راقم سے اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرفِ قبولیت سے نوازے۔

اگر میں اس سارے کام کا اہتمام والتزام اور سعی وکوشش کرنے والے برادر کبیر قابل احترام شخصیت کا ذکر خیر نہ کروں تو ناسپاسی ہوگی، وہ ہیں حافظ ھناد شاکر حفظہ اللہ، اللہ تعالیٰ ان کی محنتوں، کوششوں اور منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچائے جن کی ہر وقت یہی کوشش رہی ہے کہ درسی وغیر درسی کتب کو ایسے آسان فہم انداز میں طبع کیا جائے کہ ہر عام و خاص مستفید ہو سکے اور آپ اس کتاب میں دورانِ مطالعہ اس چیز کو محسوس کریں گے۔

اب اس کتاب کے متعلق چند باتیں قارئین کی نذر کرتے ہیں تاکہ کتاب کی اہمیت وافادیت کا اندازہ ہو سکے۔

فاضل مترجم نے اس کتاب میں جن امور کو ملحوظ رکھا ہے، وہ یہ ہیں:

- بے حد آسان اور عام فہم لفظی و با محاورہ ترجمہ
- بریکٹوں کی صورت میں عبارت میں تسلسل پیدا کرنے کے لیے وضاحت
- مختلف جگہوں پر نقشوں کی صورت میں توضیح
- مغلق اور قابلِ وضاحت عبارتوں کی حواشی کی صورت میں تشریح

❀ لغوی، صرفی، نحوی، منطقی اور بلاغتی توضیحات کا اہتمام

❀ موضوع سے متعلق دیگر کتب سے بھرپور فائدہ اُٹھایا گیا ہے

❀ جبکہ مولانا محمد شکیل عاصم نے طلباء کے لیے بے حد مفید مشقی سوالات کا التزام کیا ہے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے مؤلف، مترجم، ناشر، کمپوزر اور جملہ معاونین کی محنت کو قبول کرتے ہوئے ان سب کے لیے توشہ آخرت بنائے اور اس کتاب کو ہر عام و خاص کے لیے فائدہ مند بنائے۔ آمین یا رب العالمین

خادم العلم والعلماء

حافظ ابوسفیان عباس میر محمدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ طبع دہم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَ عَلٰى آلِهٖ وَ صَحْبِهٖ وَمَنْ وَالَاهُ...... اَمَّا بَعْدُ!

رب تعالیٰ کی ذات کا بے حد شکر اور اس کا بے پناہ احسان ہے جس نے اس کتاب کو طالبانِ علوم دینیہ اور خصوصاً طالبانِ علوم حدیث میں شرفِ قبولیت بخشا اور انھوں نے اس کتاب کی پذیرائی کی۔ متعدد مدارس عربیہ نے اس کتاب کو اپنے نصاب میں شامل کیا، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ گزشتہ ستائیس (۲۷) برسوں میں اس کتاب کے متعدد ایڈیشن دیکھتے دیکھتے ہی ختم ہو گئے۔

برادرم محترم الشیخ سعد الراشد، حفظہ اللہ، مالک "مکتبۃ المعارف" (ریاض) جن کے پاس اس کتاب کی طباعت و اشاعت کے جملہ حقوق ہیں، نے جب اس کتاب کا دسواں ایڈیشن چھاپنا چاہا تو مجھ سے نظرِ ثانی کی درخواست کی، تاکہ جہاں کسی عبارت کی درستی کی ضرورت ہو، اسے درست کر دیا جائے اور جہاں مناسب ہو کتاب کے معانی میں مزید وضاحت کرنے کے لیے اضافہ کر دیا جائے۔ میں نے برادرم سعد الراشد کی درخواست منظور کی اور کتاب کا ازسرنو جائزہ لیا، اس کے مضامین کو منقح کیا اور جہاں ضرورت محسوس ہوئی عبارات میں مفید اضافے کیے اور جہاں تک میری رائے ہے اب یہ کتاب رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان شاء اللہ بے حد مناسب اور مفید ثابت ہوگی۔

ساری خوبیاں اور کمالات اسی پروردگارِ یکتا کے لیے ہیں، اسی کی جناب میں دستِ سوال دراز کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے طلبائے علوم دینیہ کو ہمیشہ نفع بخشے کہ رب تعالیٰ کی ذات ہی سب سے بہتر ہے، جس سے مانگا جائے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

الکویت ۲۱/۸/۱۴۲۳ھ
بمطابق ۲۷/۱۰/۲۰۰۲ء

العارض
بندہ عاجز امیدوارِ بخششِ ربِ منان
ابو حفص محمود بن احمد الطحان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ طبع اوّل

سب تعریفیں اس ذات کی ہیں جس نے قرآن کریم جیسی معجزانہ کتاب نازل فرما کر مسلمانوں پر بے حد کرم و احسان فرمایا اور قیامت تک اس کی حفاظت کا خود ذمہ اٹھایا اور اہلِ اسلام کے سینے اس کے گنجینے اور صحیفے بنا دیے اور اس کی حفاظت کی تکمیل نبی کریم خاتم الانبیاء و المرسلین ﷺ کی سنت کی حفاظت کے ذریعے کی اور درود وسلام ہو ہمارے آقا ہمارے پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر کہ رب تعالیٰ نے اپنی تنزیل حکیم کو بیان کرنا جن کے سپرد کیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ٥ ﴾ (النحل: ٤٤)

"اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔"

اور رب تعالیٰ راضی ہو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ان ہستیوں سے جنھوں نے جنابِ رسول اللہ کی "سنت" کو لیا اور اسے اپنے سینوں میں محفوظ رکھا اور اسے ہر قسم کی تحریف اور تغیر و تبدیل کے شائبہ سے پاک، مسلمانوں تک اسی طرح پہنچا دیا جس طرح سنا تھا۔

اور رب تعالیٰ کی رحمت و مغفرت ہو ان سلف صالحین پر جنھوں نے "سنتِ مطہرہ" کے اس گنجینہ کو ایک نسل سے دوسری نسل منتقل کیا اور "سنت نبویہ" کے اس ذخیرہ کو اہلِ باطل کی محرفانہ دست برد سے بچانے کے لیے اور سنتِ نبویہ کی نقل و روایت کی حفاظت کے لیے نہایت دقیق قواعد وضوابط وضع کیے۔

اور اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اکابر اسلاف کے ان سعادت مند اخلاف علمائے اسلام کو جنھوں نے سلف صالحین کے وضع کردہ روایتِ سنت کے ان قواعد وضوابط کو لیا، انھیں مہذب و مرتب کیا اور مستقل تصانیف میں ان کو جمع کیا اور سنتِ نبویہ کی روایت کے انھی قواعد وضوابط کو بعد میں "عِلْمُ مُصْطَلَحِ الْحَدِيْثِ" ❶ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

امابعد!

گزشتہ چند برسوں سے "كلية الشريعة" جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں علم "مصطلح الحديث" کی تدریس بندہ عاجز کے ذمہ تھی، جامعہ کے تعلیمی نصاب میں پہلے علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کی "علوم الحديث" شامل تھی پھر بعد

❶ (اس علم کو "علم الحديث دراية"، "علوم الحديث" اور "اصول الحديث" بھی کہتے ہیں۔

میں علامہ نووی رحمہ اللہ کی مختصر کتاب "التـقـریـب" کو بھی نصاب میں داخل کر لیا۔ ان دونوں کتابوں کی علمی جلالت اور ان کے بے پناہ علمی فوائد وثمرات کے باوجود ان کتابوں کے پڑھنے میں طلباء کو بعض انتظامی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا مثلاً:

بعض ابحاث کا بے جا طویل ہونا خصوصاً ابن صلاح رحمہ اللہ کی کتاب ❶ کے بعض طول طویل مضامین (جن کا سمجھنا اور انھیں ضبط میں لانا طلباء کے لیے بے حد مشکل اور کٹھن تھا)

جب کہ بعض دوسرے مضامین میں بے حد اختصار تھا۔ جیسے: امام نووی رحمہ اللہ کی کتاب کے ❷ بعض مقامات (جن کا حد سے زیادہ ایجاز بے حد اغلاق کا باعث بنا)۔

بعض عبارات کی مشکل تعبیر اور ان کا پیچیدہ اسلوب۔

بعض مباحث کا نامکمل ہونا ❸ (جس سے کسی نتیجہ خیز بات اور حتمی نکتہ تک پہنچنا خاصا دشوار ہوتا تھا) مثلاً کسی مقام پر (کسی بحث کی) بنیادی تعریف مفقود تھی، کسی کی مثال پیش نہیں کی گئی، کہیں کسی بحث کا ثمرہ اور نتیجہ مذکور نہیں اور کہیں (اس فن اور بحث سے متعلقہ) مشہور تصنیفات کے ذکر سے اعراض برتا گیا تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اور اس فن سے متعلقہ متقدمین کی کتب کا حال بھی اس سے چنداں مختلف نہیں تھا بلکہ بعض کتابوں میں تو علومِ حدیث کی جملہ مباحث کو لیا ہی نہیں گیا تھا اور بعض کتب کے مضامین تہذیب وترتیب کی خوبی سے یکسر خالی تھے اور اس کی وجہ شاید یا تو یہ تھی کہ یہ مذکورہ امور ان کے سامنے مثل آفتاب نصف النہار کے عیاں مثلِ بیاں تھے۔

اسی لیے ان حضرات نے ان امور کو ضبط تحریر میں لانا گوارا نہ کیا، یا ان کے زمانہ میں کچھ مباحث کو بے حد طویل اور مفصّل ومفسّر مذکور کرنا اس وقت کی ضرورت تھی وغیرہ وغیرہ۔ غرض ہمیں ان وجوہات کا ادراک ہو یا نہ ہو بہرحال ان امور سے اغماض برتا گیا تھا۔ ان جملہ مشکلات اور دشواریوں کو دیکھتے ہوئے میں نے "كـلـيـة الشـريـعة" کے طلباء کے سامنے "مـصـطـلـح الحديث و علومه" کے فن پر طلباء کے سامنے ایک ایسی سہل اور آسان کتاب پیش کرنے کا فیصلہ کیا جو ان کے لیے اس فن کے قواعد ومصطلحات کو سمجھنا (اور انھیں ضبط میں لانا) آسان کر دے اور اس مقصد کے حصول کے لیے میں نے ہر بحث کو چند نمبروار اور مسلسل فقروں میں تقسیم کیا، جس کی ابتداء اس بحث کی تعریف سے کی، پھر اس کی مثال پیش کی، پھر اگر اس کی اقسام تھیں تو ان کو شمار کروا دیا اور آخر میں اس فن کی مشہور تصنیفات کا تعارف

❶ جیسے "معرفة كيفية سماع الحديث و تحمله و صفة ضبطه" کی بحث جو ۴۶ صفحات پر محیط ہے۔

❷ جیسے مثلاً "الضعيف" کی بحث جو تیرہ کلمات سے بھی متجاوز نہیں۔

❸ اس کی مثال کے لیے ملاحظہ کیجیے علامہ نووی رحمہ اللہ کی "مقلوب" کی بحث، وہ لکھتے ہیں، "مقلوب جیسے سالم سے مروی کوئی مشہور حدیث جسے ترغیب وتحصیص کی غرض سے "نافع" سے مروی ٹھہرا دیا گیا ہو، اسی طرح اہل بغداد کا امتحان کی غرض سے سو احادیث کی اسناد کو امام بخاری رحمہ اللہ کے سامنے مقلوب کر کے پیش کرنا اور امام ممدوح رحمہ اللہ کا ان احادیث کو اپنی اصل صورت پر ان لوگوں پر پیش کرنا جس سے انھیں امام موصوف رحمہ اللہ کی علمی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ (کہ یہاں مقلوب کی تعریف پیش نہیں کی گئی اور نہ اس بحث کے دیگر متعلقات کو ہی پیش کیا گیا ہے بس مثال پیش کر کے بحث کو سمیٹ دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم)

کرا کے اس بحث کو ختم کر دیا اور ان سب باتوں کو آسان عبارت اور ہر قسم کی پیچیدگی اور ابہام کے بغیر واضح علمی اسلوب میں پیش کیا اور "كليات الشريعة" اور "كليات الدراسات الاسلاميه" میں "علم مصطلح الحديث و علومه" کے لیے مقرر کیے گئے مختصر تعلیمی دورانیے کی رعایت کرتے ہوئے میں نے اپنی اس کتاب میں نہ تو کثرت کے ساتھ اختلافات کو پیش کیا، نہ اقوال کا انبار لگایا اور نہ مسائل و مباحث کے دائرے کو حد ضرورت سے زیادہ ہی پھیلایا۔

میں نے اس کتاب کا نام "تيسير مصطلح الحديث" رکھا ہے۔ اس کتاب کو لکھ کر میرا یہ خیال ہرگز نہیں کہ میری یہ ادنیٰ کاوش طالبانِ علومِ حدیث کو اس فن میں لکھی اسلاف متقدمین کی بیش بہا قیمتی کتب اور ان کے علمی گنج گراں مایہ سے بے نیاز کر دے گی، بلکہ میرا ارادہ تو فقط اس حد تک ہے کہ میری یہ کتاب ''اس قیمتی علمی خزانے'' کے لیے چابی، ان کے بلند پایہ مضامین کو یاد دلانے والی اور ان کے اعلیٰ معانی تک پہچانے کو آسان بنانے والی ثابت ہو جبکہ ائمہ عظام اور علماء متقدمین کی کتب اسی شان کے ساتھ علماء اور اس فن کے فضلاء و ماہرین کے لیے بنیادی ماخذ اور چشمۂ فیض بن کر تاحیات باقی ہیں۔ جس سے وہ اپنی علمی پیاس بجھاتے اور سیراب ہوتے رہیں۔

اور اس بات کا ذکر بھی ناگزیر ہے کہ اخیر زمانہ میں بعض محققین کی کتب سامنے آئی ہیں جو بے شمار علمی فوائد پر مشتمل ہیں۔ خصوصاً ان میں مستشرقین اور دین بیزار لوگوں کے واہی تباہی اعتراضات کے شافی جوابات ہیں، البتہ ان میں سے بعض کتب اگر بے حد طوالت کی حامل ہیں تو بعض میں حد درجہ کا اختصار ہے، جب کہ بعض کتب میں جملہ مباحث کا استیعاب نہیں۔ اسی لیے میں نے اس بات کا عزم کیا کہ میری یہ کتاب تطویل و اختصار کے درمیان ایک معتدل اور جملہ مباحث پر مشتمل کتاب ہو، اپنی اس کتاب میں میری جدید کاوشوں کا خلاصہ یہ ہے:

ا۔ التقسیم:

میں نے ہر بحث کو چند نمبروار جملوں میں تقسیم کیا ہے۔ جس سے طالب علم کو اس بحث کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ ❶

۲۔ ہر بحث کو مکمل ذکر کرنا:

یعنی کسی بحث کے بنیادی اور عمومی ڈھانچہ کو مکمل ذکر کرنے کے اعتبار سے پہلے میں نے اس کی تعریف بیان کی۔

---

❶ کسی بحث کو چند فقروں اور جملوں میں تقسیم کر کے پیش کرنے کی بابت میں نے اپنے اکابر اساتذہ سے خوب استفادہ کیا ہے، جیسے استاذ الشیخ مصطفیٰ الزرقاء کی کتاب "الفقه الاسلامی فی ثوبه الجديد" اور الاستاذ الدكتور معروف الدواليبی " کی کتاب "اصول الفقه" اور "كلية الشريعة" جامعہ دمشق میں زمانہ طالب علمی کے دوران الاستاذ الدکتور محمد ذکی عبدالبر نے علامہ مرغینانی رحمہ اللہ کی شہرۂ آفاق کتاب "الهدايه" پر ہمارے لیے جو یادداشت مرتب کی تھی، ان سب سے میں نے خوب استفادہ کیا۔ ان علوم کے سہولت اور آسانی کے ساتھ سمجھنے میں اس جدید علمی تقسیم کا بے حد اثر تھا۔ جب کہ اس سے قبل ان علوم کو سمجھنے میں اور ان کا استیعاب کرنے میں ہمیں بے حد دشواری اور دقت اٹھانی پڑتی تھی۔

۳۔ استیعاب:

امکانی حد تک اختصار کے ساتھ "مصطلح الحدیث" کی جملہ مباحث کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے۔

رہ گیا تبویب اور ترتیب کے اعتبار سے مباحث کو ذکر کرنا، تو اس کے لیے میں نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے طریقہ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ جوانھوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "نخبة الفكر" اور اس کی شرح میں اختیار کیا ہے، بے شک یہ نہایت عمدہ طریقہ ہے جو آپ رحمہ اللہ نے اختیار کیا (اور اس تک پہنچے)۔

اپنی کتاب کے علمی مواد کے لیے میں نے سب سے زیادہ جن کتب پر اعتماد کیا ہے، وہ حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ کی "علوم الحدیث"، علامہ نووی رحمہ اللہ کی مختصر "التقریب" اور امام سیوطی رحمہ اللہ کی "التدریب" شرح "التقریب" ہے۔

میں نے اس کتاب کو ایک مقدمہ اور چار ابواب میں تقسیم کیا ہے:

بابِ اوّل:...... "خبر" ❶ کے بارے میں

بابِ دوم:......جرح و تعدیل کے بارے میں

بابِ سوم:......روایت اور اصولِ روایت کے بارے میں اور

بابِ چہارم:......اسناد اور معرفتِ رواۃ کے بارے میں ہے۔

طالبانِ علوم دینیہ کے سامنے اپنی اس عاجزانہ کاوش کو پیش کرتے ہوئے میں اپنے اس عجز و تقصیر کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اس علم (کی تحقیق و تفصیل بیان کرنے میں اس علم) کا حق ادا نہیں کیا، اور میں خطاؤں اور لغزشوں کے سرزد ہونے میں اپنی پاکی بیان نہیں کرتا اور اگر قارئین کرام میری اس حقیر علمی کاوش میں کوئی کمی، کوتاہی اور خطا دیکھیں تو (اسے اپنے دامن عفو میں چھپائیں اور بندہ عاجز کو) اس پر مطلع کر کے شکریہ کا موقع دیں، تاکہ میں ان لغزشوں کا تدارک اور ازالہ کر سکوں اور رب ذوالجلال سے امید کرتا ہوں کہ وہ اس کتاب سے طلبہ اور علم حدیث میں مشغول رہنے والوں کو نفع بخشے اور اس کتاب کو خالص اپنی کریم ذات کے لیے بنا لے، بے شک وہ ذات سننے والی اور (دعاؤں کو) قبول کرنے والی ہے۔

---

❶ "خبر" سے میری مراد وہ ہے جو حدیث اور غیر حدیث دونوں کو عام ہے۔

المقدمة العلمية

علم المصطلح کی ایجاد (اور اس کی ابتداء و آغاز) اور اس فن میں لکھی جانے والی مشہور تصنیفات کا بیان:

یہ مقدمہ مندرجہ ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

۱۔ "علم مصطلح الحدیث" کی ایجاد اور اس پر گزرنے والے مختلف احوال کا مختصر تاریخی جائزہ

۲۔ اس فن میں لکھی جانے والی مشہور تصانیف کا تعارف

۳۔ بنیادی تعریفات

علمِ مصطلح الحدیث کی ایجاد اور اس پر گزرنے والے مختلف احوال کا مختصر تاریخی جائزہ

ایک محقق اور مدقق کے سامنے یہ بات ملحوظ رہتی ہے کہ علم روایت اور نقلِ اخبار کی بنیادیں اور اس کے بنیادی ارکان رب تعالیٰ کی ''کتاب عزیز'' اور ''سنت نبویہ'' میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾ (الحجرات:٦)

''مومنو! اگر کوئی بدکردار تمھارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو۔''

اور نبی کریم کا ارشاد مبارک ہے:

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاد و مسرور رکھے جو ہم سے کچھ سنے اور جیسا سنے ویسا ہی دوسروں تک پہنچا دے اس لیے کہ بہت سے وہ لوگ جن تک کوئی بات پہنچائی جائے وہ سننے والے سے زیادہ اس کو محفوظ رکھتے ہیں۔'' [1]

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

''اس لیے کہ بہت سے علم کے حاملین ان لوگوں تک علم کی بات پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ علم اور سمجھ رکھنے والے ہوتے ہیں اور بعض علم و فقاہت کی بات جاننے والے خود فقیہ نہیں ہوتے۔'' [2]

اس آیتِ کریمہ اور حدیثِ شریف میں اخبار و احادیث کو لینے میں خوب غور و فکر سے کام لینے، خوب بیدار مغزی کے ساتھ ان کے ضبط کرنے اور یاد کرنے کی کیفیت اور دوسروں تک ان کو پہنچانے میں بڑی باریک بینی سے کام لینے کی بنیاد اور اصولی قواعد مذکور ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری اور نبی کریم ﷺ کے ارشادِ مبارک کی تعمیل میں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اخبار و احادیث کے نقل و قبول میں بڑی تحقیق سے کام لیتے تھے، خصوصاً جب انھیں ناقل کی صداقت میں شک ہو جاتا تھا۔ اس بنا پر اخبار و حدیث کے ردّ و قبول میں ''اسناد'' اور اس کی اہمیت پر بے حد توجہ دی گئی۔

''صحیح مسلم'' کے مقدمہ میں علامہ ابن سیرین کا قول مذکور ہے، وہ فرماتے ہیں:

''پہلے حضرات صحابہ و تابعین اسناد کے بارے میں کچھ نہ پوچھتے تھے (اور اس سے مطلق تعرض نہ کرتے

---

[1] الترمذی۔ کتاب العلم۔ ۱۳۵ حدیث رقم ۲۶۵۷ وقال عنه، ''حَسَنٌ صحيح''۔

[2] الترمذی۔ کتاب العلم۔ ۱۳۵ حدیث رقم ۲۶۵۶۔ البتہ اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی یہ فرماتے ہیں ''یہ حدیث حسن ہے۔'' اس کو ابوداود، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کیا ہے۔

تھے) لیکن جب فتنوں نے سر اٹھایا (اور نفس پرستی کا دور دورہ ہونے لگا) تو (اب اگر کوئی شخص کوئی حدیث یا خبر سناتا تو) یہ حضرات کہتے (پہلے) ہمیں (اپنی خبر کے) رجال کے نام بتلاؤ۔ پس دیکھا جاتا کہ اگر تو اس کے ناقل معتمد علیہ اہل سنت اور اہل علم ہوتے تو اس روایت اور خبر کو لے لیا جاتا اور اگر وہ اہل بدعت ہوتے تو ان کی خبر کو چھوڑ دیا جاتا۔" ❶

جب یہ بات طے پا گئی کہ کسی خبر کو اس کی سند کی معرفت (اور اس کے رجال کے احوال کی معرفت) کے بغیر قبول نہ کیا جائے گا تو اس بناء پر جرح و تعدیل ناقلین حدیث (کے کردار، حالاتِ زندگی، ان کے علمی معیار و مرتبہ اور اخلاق و کردار) پر بحث و کلام، اسانیدِ اخبار کے متصل یا منقطع ہونے کی معرفت اور علل خفیہ کی معرفت کا علم معرضِ وجود میں آیا اور رزوایانِ حدیث پر کلام کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا مگر کم، کیوں کہ (ابھی زمانہ خیر کا تھا اور لوگوں پر خیر غالب تھی، اسی لیے) مجروح راویوں کی تعداد (بھی) کم تھی۔

پھر علماء نے اس علم و فن میں مزید وسعت سے کام لیا (اور اس کے علمی دائرہ کو مزید پھیلایا) جس کے نتیجہ میں حدیث سے متعلقہ بے شمار علمی مباحث وجود میں آئیں۔ چناں چہ اب حدیث کے ضبط، اس کے تحمل وادا کی کیفیت، ناسخ و منسوخ کی معرفت اور حدیث کی غرابت وغیرہ کی علمی مباحث کا آغاز ہوا۔ لیکن یاد رہے کہ ابھی تک علمائے کرام میں نقل حدیث کا رواج یادداشت کے بل بوتے پر اور زبانی تھا (نا کہ تحریری)۔

پھر حالات نے نئی کروٹ لی اور زمانہ نے نیا رنگ بدلا اور لوگوں کے بدلتے اخلاق و کردار نے حفاظتِ حدیث کی ایک نئی ضرورت کا شدت کے ساتھ احساس دلایا (اور وہ تھا احادیث کو ضبط تحریر میں لانا اور انھیں مسطور کرنا) چناں چہ اب ان علوم کو لکھا جانے لگا۔ (اور انھیں ضبط تحریر میں لانے کی نوبت آئی) مگر (مستقل کتابوں میں نہیں بلکہ) متفرق و مختلف کتابوں میں جن (میں صرف ایک ہی نوع کے علم کے متعلقہ مباحث اور علمی مواد نہ ہوتا تھا بلکہ ان) میں دوسرے علوم بھی مذکور ہوتے تھے مثلاً علم الاصول، علم الفقہ اور علم الحدیث وغیرہ (غرض علوم احادیث اور ان کی متعلقہ مباحث کو مستقل کتابوں میں نہیں، بلکہ متفرق دوسرے علوم کی کتابوں میں لکھا جانے لگا) جیسے امام شافعی رحمہ اللہ کی دو کتب "الرسالہ" اور "الام"

اور اخیر زمانہ میں جب علوم پختہ اور مستحکم ہو گئے اور (ہر فن کی) اصطلاحات مقرر (اور وضع) ہو گئیں اور ہر فن ایک جداگانہ حیثیت اختیار کر گیا، یہ چوتھی صدی ہجری (کی علمی ہیئت) کا قصہ ہے، تو علمائے حدیث نے "علم المصطلح" کو بھی ایک مستقل کتاب میں جگہ دی اور اس فن میں سب سے پہلے "قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاد رَامَھُرمُزی" متوفی ۳۶۰ھ نے "المحدث الفاصِلُ بین الراوی و الواعی" کے نام سے ایک مستقل کتاب تصنیف کی۔

ان شاء اللہ عنقریب میں قاضی موصوف رحمہ اللہ کی پہلی مستقل تصنیف سے لے کر ہمارے آج کے اس زمانہ تک اس فن میں لکھی جانے والی مشہور تصنیفات کا ذکر کروں گا۔

---

❶ مقدمة صحيح مسلم، ص ۱۵

علم المصطلح میں لکھی جانے والی مشہور تصانیف کا تعارف

۱۔ اَلْمُحَدِّثُ الْفَاصِلُ بَیْنَ الرَّاوِیْ وَ الْوَاعِی:

یہ "قاضی ابو محمد حسن بن عبدالرحمٰن بن خلاّد رامَھُرمُزِی" متوفی ۳۶۰ھ کی تصنیف لطیف ہے۔ مگر یہ کتاب "علم المصطلح" کی جملہ ابحاث کی جامع نہیں اور (یہ بات بدیہی بھی ہے کیوں کہ) کسی بھی علم میں کسی ابتدائی کتاب کو تصنیف کرنے والے ہر مصنف کا اکثر یہی حال ہوتا ہے۔

۲۔ مَعْرِفَةُ عُلُوْمِ الْحَدِیْثِ:

اس کے مصنف "ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم نیشاپوری رحمہ اللہ متوفی ۴۰۵ھ ہیں، لیکن انھوں نے اس کتاب کی نہ تو ابحاث کو مہذب کیا ہے اور نہ ان ابحاث کو مناسب فنی ترتیب کے سانچے میں ہی ڈھالا ہے (اس لیے اس کتاب کی ترتیب وتہذیب قدرے غیر مناسب اور غیر مفید ہے)۔

۳۔ اَلْمُسْتَخْرَجُ عَلَی مَعْرِفَةِ عُلُوْمِ الْحَدِیْثِ:

اسے "ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی" متوفی ۴۳۰ھ نے زیور تصنیف سے آراستہ کیا ہے۔ مصنف موصوف نے دراصل اس کتاب میں اُن مباحث وعلوم کا اور اس فن کے اُن قواعد و اصول کا استدراک اور اضافہ کیا ہے جو حاکم رحمہ اللہ اپنی کتاب "معرفة علوم الحدیث" میں ذکر نہ کر سکے تھے۔ البتہ فاضل مصنف بھی اپنی اس کتاب میں ایسی متعدد باتیں ترک کر گئے جن کا استدراک ایک ناقد کے لیے ممکن ہوتا ہے۔

۴۔ اَلکِفَایَةُ فِیْ عِلْمِ الرِّاوَایَةِ:

یہ مشہور مؤرخ، نقاد، محقق اور مبصر "ابوبکر احمد بن علی بن ثابت المعروف بہ "الخطیب البغدادی" متوفی ۴۶۳ھ کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ یہ کتاب اس فن کے جملہ مسائل اور روایت کے قواعد کے بیان کو جامع ہے۔ اس کتاب کو اس فن کا سب سے جلیل القدر ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے۔

۵۔ اَلْجَامِعُ لِاَخْلَاقِ الرَّاوِیْ وَ آدَابِ السَّامِعِ:

یہ بھی "خطیب بغدادی" کی ہی تصنیف لطیف ہے۔ اس کتاب میں آدابِ روایت پر بحث کی گئی ہے۔ جیسا کہ خود کتاب کے نام سے عیاں ہے، یہ کتاب اپنے موضوع میں بے مثل اور یکتائے روزگار ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت قیمتی

مباحث اور مضامین کی حامل ہے۔

علوم الحدیث کا شاید ہی کوئی ایسا فن ہو جس پر خطیب بغدادی نے اپنے رشحات قلم نہ برسائے ہوں اور اس موضوع پر ایک مستقل کتاب نوکِ قلم نہ کی ہو اور خطیب بغدادی کی علمی جلالتِ قدر اور شان کے بارے میں ''حافظ ابوبکر بن نقطہ'' کا یہ قول بس ہے: ''ہر منصف مزاج یہ جانتا (اور مانتا) ہے کہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کے بعد سب محدثین ان کی کتابوں کے محتاج اور دست نگر ہیں۔''

٦۔ اَلْإِلْمَاعُ إِلٰی مَعْرِفَةِ أُصُوْلِ الرِّوَايَةِ وَ تَقْيِيْدِ السَّمَاعِ:

یہ ''قاضی عیاض بن موسیٰ یَحْصُبِیؒ'' متوفی ۵۴۴ھ کی نہایت نفیس اور مرتّب تصنیف ہے۔ قاضی موصوف کی یہ گراں قدر کتاب اگرچہ ''علم المصطلح'' کی جملہ ابحاث کو شامل نہیں بلکہ اس میں فقط حدیث کے تحمل و ادا کی کیفیت اور ان کے فروعی مسائل کی کیفیت سے ہی بحث کی گئی ہے۔ لیکن اس فن اور مذکورہ باب میں یہ کتاب نہایت عمدہ اور نسق و ترتیب میں بہت خوب ہے۔

٧۔ مَالَا يَسَعُ الْمُحَدِّثَ جَهْلُهٗ:

یہ ''ابوحفص عمر بن عبدالمجید اَلْمَيَانِجِیؒ'' متوفی ۵۸۰ھ کی علمی کاوش ہے۔ یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جو کسی بڑے علمی فوائد پر مشتمل نہیں۔

٨۔ عُلُوْمُ الْحَدِيْثِ:

یہ ''ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن اَلشَّهْرَزُوْرِی المعروف بہ ''ابن الصلاح'' متوفی ۶۴۳ھ کے علمی موتیوں کی نہایت عمدہ اور قیمتی لڑی ہے جو لوگوں میں ''مقدمة ابن الصَّلاح'' کے نام سے مشہور اور زبان زد خلائق ہے۔ یہ ''علم المصطلح'' کی نہایت عمدہ کتاب ہے جس میں مصنف موصوف نے گزشتہ سب مصنفین و مولفین، جیسے خطیب بغدادی اور ان سے متقدمین علماء کی کتب میں بکھرے موتیوں کو جمع کر دیا ہے۔ اس لیے یہ کتاب بے شمار فوائد پر مشتمل ہے۔ البتہ ترتیب مضامین میں مؤلف موصوف کتاب کی عمدگی کو برقرار نہیں رکھ سکے کیوں کہ مولف موصوف نے اس کتاب کو تھوڑا تھوڑا کر کے املا کروایا ہے۔ مگر اس سب کے باوجود یہ کتاب بعد کے سب علماء کے لیے ماخذ و مدار کی حیثیت رکھتی ہے۔ چناں چہ کتنے ہی لوگوں نے اس کا اختصار کیا اور اسے مرتب و منظم کیا، اور کتنوں نے اس کا معارضہ کیا اور اس پر رد و قدح کی۔

٩۔ اَلتَّقْرِيْبُ وَ التَّيْسِيْرُ لِمَعْرِفَةِ سُنَنِ الْبَشِيْرِ وَ النَّذِيْرِ:

یہ ''امام محی الدین یحییٰ بن شرف النَّوَوِی'' متوفی ۶۷۶ھ کی تصنیف ہے اور دراصل یہ کتاب علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ کی کتاب ''علوم الحدیث'' کا اختصار اور اس کی تلخیص ہے۔ اگرچہ یہ کتاب نہایت عمدہ ہے لیکن کہیں کہیں مغلق عبارات بھی ہیں۔

۱۰۔ تَدْرِيْبُ الرَّاوِيْ فِيْ شَرْحِ تَقْرِيْبِ النَّوَاوِيْ:

اس کے مصنف ''جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابو بکر السیوطی رحمہ اللہ '' متوفی ۹۱۱ ھ ہیں اور یہ کتاب علامہ نووی کی "التقریب" کی شرح ہے۔ جیسا کہ خود کتاب کے نام سے عیاں ہے۔ مؤلف موصوف نے اس کتاب میں بے شمار عمدہ اور نفیس فوائد جمع کر دیئے ہیں (اس لحاظ سے یہ کتاب نہایت پراز معلومات ہے)۔

۱۱۔ نَظْمُ الدُّرَرِ فِيْ عِلْمِ الْاَثَرِ:

یہ ''زین الدین عبدالرحیم بن حسین عراقی رحمہ اللہ '' متوفی ۸۰۶ھ کا علمی شاہکار ہے جو "اَلْـفِيَّةُ الْـعِرَاقِيِّ" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ مولف موصوف نے اپنی اس اچھوتی کاوش میں علامہ ابن صلاح کی کتاب کو نظم کے قالب میں ڈھال کر بیان کیا ہے اور اس میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ یہ بے پناہ فوائد پر مشتمل نہایت عمدہ کتاب ہے۔ اس کی متعدد شروحات لکھی گئیں جن میں سے دو تو خود موصوف نے لکھی ہیں۔

۱۲۔ فَتْحُ الْمُغِيْثِ فِيْ شَرْحِ اَلْفِيَّةِ الْحَدِيْثِ:

یہ ''علامہ محمد بن عبدالرحمٰن سخاوی رحمہ اللہ '' متوفی ۹۰۲ھ کا علمی شہ پارہ ہے جو دراصل "اَلْـفِيَّةُ الْـعَـرَاقِيِّ" کی شرح ہے۔ یقیناً یہ "الفیّہ عراقی" کی سب سے عمدہ اور مبسوط شرح ہے۔

۱۳۔ نُخْبَةُ الْفِكْرِ فِيْ مُصْطَلَحِ اَهْلِ الْاَثَرِ:

یہ ''حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ '' متوفی ۸۵۲ھ کا علمی درِّ نایاب ہے۔ اگرچہ یہ نہایت مختصر رسالہ ہے مگر اپنی افادیت اور عمدگی میں سب پر فائق اور باترتیب ہے۔ اس کتاب میں مولف موصوف نے (مضامین بیان کرنے اور مباحث و مسائل کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے) ترتیب و تقسیم کا وہ طریقہ اختیار کیا ہے جس کی طرف ان سے پہلے کوئی سبقت نہیں کر سکا۔ اگرچہ اس کتاب کی دوسرے علماء نے بھی متعدد شروحات لکھیں مگر "نـزهة الـنظر" کے نام سے خود مولف رحمہ اللہ نے بھی اس کی ایک شرح لکھی (جس نے خود نفس متن کی طرح شہرت کے آسمان کو چھوا اور کتاب اور شرح دونوں کو عوام و خواص میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی)۔

۱۴۔ اَلْمَنْظُوْمَةُ الْبَيْقُوْنِيَّةُ:

یہ ''عمر بن محمد بیقونی رحمہ اللہ '' متوفی ۱۰۸۰ھ کی تصنیف ہے۔ یہ ایک مختصر منظوم رسالہ ہے۔ کیوں کہ یہ چونتیس اشعار سے متجاوز نہیں۔ اسے مشہور مختصر رسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی متعدد شروحات بھی لکھی گئی ہیں۔

۱۵۔ قَوَاعِدُ التَّحْدِيْثِ:

یہ ''محمد جمال الدین قاسمی رحمہ اللہ '' متوفی ۱۳۳۲ھ کی تصنیف ہے اور بے حد مفید کتاب ہے۔

اس فن پر بے شمار کتابیں لکھی گئی ہیں۔ جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں (اور ہمارا یہ مختصر رسالہ ان سب کتب کے تعارف کو متحمل نہیں ہو سکتا) اس لیے میں نے اس فن سے متعلقہ فقط چند مشہور و معروف کتب کے تعارف پر ہی اکتفا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سب (مذکورہ و غیر مذکورہ) کتب کے مصنّفین کو ہم سب کی طرف سے اور سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطاء فرمائے۔ [1]

---

[1] آخر میں خود علامہ محمود طحان دامت برکاتہم کی اس علمی کاوش کا تعارف بھی بے حد ضروری ہے۔ چناں چہ ''علوم الحدیث'' کے مؤلف مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی حفظہ اللہ علامہ محمود طحان کی اس تصنیف کا جس کا ترجمہ قارئین کرام کے ہاتھوں میں ہے، تعارف ان الفاظ سے کراتے ہیں۔ ''تیسیر مصطلح الحدیث'' مصنف ''محمود طحان'' (سابق استاذ حدیث جامعۃ الامام محمد بن سعود، حال استاذ کلیۃ الشریعۃ کویت) جو عصرِ حاضر کی ایک مفید و قیمتی علمی پیشکش ہے اور بلاشبہ فن کے مکمل تعارف کے لیے بالخصوص طلباء اور عام ناظرین کے لیے اسے زیادہ سہل و مفید کوئی دوسری کتاب علم میں نہیں'' (علوم الحدیث، ص: ٣٤ بلفظہ) نسیم

بنیادی تعریفات

(یا مبادیاتِ فن)

ا۔ عِلْمُ الْمُصْطَلَح:

یہ ان بنیادی اصول وقواعد اور ضوابط کا علم ہے جن کے ذریعے سند ومتن (یا دوسرے لفظوں میں راوی اور مروی) کے ان احوال کا علم ہوتا ہے جن کی بنا پر حدیث کو رد یا قبول کیا جاتا ہے۔

۲۔ موضوع:

اس علم وفن کا موضوع مقبول اور مردود ہونے کے اعتبار سے ''سند اور متن'' ہے۔

۳۔ ثمرہ:

اس علم کا ثمرہ اور نتیجہ یہ ہے کہ صحیح احادیث کو سقیم احادیث سے ممتاز کرنے اور پہچاننے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔(جس سے لائقِ عمل اور غیر لائقِ عمل احادیث میں امتیاز حاصل ہو جاتا ہے)۔

۴۔ الحدیث:

معنی لغوی:......نیا (اور گفتگو اور بات چیت) اور اس کی جمع ''احادیث'' آتی ہے جو خلافِ قیاس ہے۔ ❶

معنی اصطلاحی :......وہ قول یا فعل یا تقریر یا حال جس کی نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت ہو اسے اصطلاح میں حدیث کہتے ہیں۔ ❷

---

❶ قیاس کا تقاضا تو لفظ حدیث کی جمع کا ''جمع مکسّر'' کے کسی وزن پر آنا ہے نا کہ "جمع منتهى الجموع" کے وزن پر۔ چناں چہ لفظ حدیث کی جمع کا احادیث کے وزن پر آنا جو "افاعیل" کا "جمع منتهى الجموع" کا وزن ہے، خلافِ قیاس ہے۔نسیم

❷ اور تقریر سے مراد کسی امر کو دیکھ کر آپ ﷺ کا اس پر سکوت فرمانا ہے (نور الانوار ص ۱۷۵ حاشیہ رقم ۲۴) تقریر سے مراد کسی امر واقعہ کے سامنے یا علم میں آنے پر جنابِ رسول اللہ ﷺ کا خاموش رہنا ہے، اس لیے کہ نبی کریم ﷺ کے منصب کی وجہ سے آپ ﷺ کی خاموشی، ایسے ہی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو عظمت ہے اس کی بنا پر ان کی خاموشی اس امر کی تائید کی دلیل ہے۔ "حاشیہء اسحاق بر نزهة النظر ص" و "نظامی شرح حسامی ص٦٦"

دوسرے لفظوں میں ''تقریر'' کو ''خاموش تائید'' کہہ سکتے ہیں۔

اور ''حال'' سے جسمانی واخلاقی احوال مراد ہیں یعنی حلیہء مبارکہ اور اخلاق وعادات وغیرہ خواہ ان کا تعلق بیداری کی حالت سے ہو یا نیند کی حالت سے۔(شرح القاری ص١٦ و امعان النظر ص١٢)

دیکھیں ''علوم الحدیث ص ۱۸۔'' نسیم

۵۔ الخبر:

معنی لغوی: ......خبر کا لغوی معنی ''خبر'' (حادثہ اور اطلاع) ہے [1] اور اس کی جمع ''اَخْبَارْ'' آتی ہے۔

معنی اصطلاحی: ......اس بابت تین اقوال ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ خبر، یہ حدیث کے مترادف (اور اس کے ہم معنیٰ) ہے۔ یعنی دونوں لفظوں کا اصطلاحی معنی ایک ہے۔

۲۔ خبر، یہ حدیث کے مغایر (ومقابل) ہے: یعنی حدیث تو وہ کہلائے گی جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو، جب کہ خبر وہ ہوگی آپ ﷺ کے علاوہ کسی اور سے منقول ہو۔

۳۔ خبر حدیث سے عام ہے: یعنی حدیث وہ ہے جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہو، جب کہ خبر اس سے عام ہے چاہے وہ نبی کریم ﷺ سے منقول یا کسی دوسرے سے۔

٦۔ اَلْاَثَرُ:

معنی لغوی: ......کسی شی کا باقی ماندہ حصہ (نشان اور اس کی جمع ''آثار'' آتی ہے)۔

معنی اصطلاحی: ......اس کی بابت دو اقوال ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ اثر یہ حدیث کے مترادف ہے: یعنی اثر اور حدیث کا اصطلاحی معنیٰ ایک ہی ہے۔ (اسی نسبت سے محدّث کو ''اَثَرِيّ'' بھی کہتے ہیں۔

۲۔ یہ حدیث کے مغایر (ومقابل) ہے: چناں چہ اثر صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کی طرف منسوب اقوال وافعال کو کہتے ہیں۔

۷۔ اَلْاِسْنَادُ:

اس کے دو معانی ہیں:

۱۔ کسی بات کو اس کے کہنے والے کی طرف اس تک پہنچاتے ہوئے منسوب کرنا۔

۲۔ متن حدیث تک پہنچانے والے رجال (یعنی ناقلین ورواۃ) کا سلسلہ، اور اس معنی میں لفظِ اِسناد ''سند'' کا مترادف ہے۔

۸۔ اَلسَّنَدُ:

معنی لغوی: ......سند کا لغوی معنی ''سہارا'' ہے اور ''سند'' کا نام سند اس لیے ہے کہ حدیث کا سہارا اس پر ہوتا ہے اور حدیث سند کی طرف منسوب ہوتی ہے (اور اس کی جمع اَسْنَاد آتی ہے)

معنی اصطلاحی: ......متن حدیث تک پہنچانے والے رجال کے سلسلہ کو سند کہتے ہیں۔ [2]

۹۔ اَلْمَتْنُ:

معنی لغوی: ......متن کا لغوی معنی زمین کا سخت اور ابھرا ہوا حصہ ہے (زمین کی پشت کو بھی متن کہتے ہیں)۔

معنی اصطلاحی: ......متن اصطلاح میں اس کلام کو کہتے ہیں جس پر جا کر سند ختم ہو جاتی ہے (دوسرے لفظوں

[1] ایسی بات جو بذاتِ خود صدق اور کذب دونوں کا احتمال رکھتی ہو۔ (القاموس الوحید، ص: ۴۰۵) نعیم

[2] دوسرے لفظوں میں ناقلینِ حدیث وخبر کے ناموں پر مشتمل حصّہ کو سند کہتے ہیں۔ علوم الحدیث ص ۱۹۔ نعیم

میں کلام کے سند سے اگلے حصے کو ''متنِ حدیث'' کہتے ہیں)۔

۱۰۔ اَلْمُسْنَدُ:

معنی لغوی: ......یہ ''اَسْنَدَ الشَّيْءَ اِلَیْهِ'' یعنی ''اس کی طرف منسوب کیا''، اور ''اس کی طرف نسبت کی'' سے اسمِ مفعول کا صیغہ ''اَلْمُسْنَدُ'' ہے۔

معنی اصطلاحی :......اصطلاح میں لفظ ''المسنَد'' کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے:

۱۔ ہر وہ کتاب جس میں ہر صحابی کی مرویات واحادیث کو علیحدہ علیحدہ جمع کیا گیا ہو۔

۲۔ وہ حدیث جو مرفوع ہو اور سند کے اعتبار سے متصل ہو۔ ❶

۳۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ مسند سے مراد ''سند'' ہو اور اس معنی میں لفظ ''المسنَد'' مصدر میمی ❷ ہوگا (یعنی اس کی میم لفظ ''المسنَد'' کے اسمِ مفعول ہونے پر نہیں بلکہ ''مصدر'' ہونے پر دلالت کرے گی اور اس صورت میں یہ لفظ ''سند'' کا مترادف وہم معنی ہوگا۔ نسیم)

۱۱۔ اَلْمُسْنِدُ (نون کے کسر کے ساتھ):

''مُسْنِد'' اس شخص کو کہتے ہیں جو سند کے ساتھ حدیث کو روایت کرے چاہے اس کے پاس حدیث کا علم ہو یا نہ ہو اور صرف روایات کا ہی علم ہو۔ ❸

۱۲۔ اَلْمُحَدِّث:

''مُحدِّث'' اس شخص (اور عَالِم) کو کہتے ہیں جو (ہروقت) علمِ حدیث کی روایت و درایت میں مشغول رہتا ہو اور وہ رِوایات اور ان کے راویوں کے احوال کے بڑے حصّے سے باخبر ہو۔ (یعنی وہ محض الفاظِ حدیث کا ہی ناقل نہ ہو بلکہ اسے حدیث کے الفاظ و معانی دونوں کا علم ہو)۔

۱۳۔ اَلْحَافِظُ ❹

(اور) حافظ (کے اصطلاحی معنی) میں دو اقوال ہیں:

---

❶ مرفوع یعنی نبی کریمؐ سے منقول ہو اور متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام ناقلین کا نام مذکور ہو۔ (علوم الحدیث، ص:۲۱) اور علامہ کیرانوی رحمہ اللہ ''مسنَد'' کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں، ''المسنَد (من الحدیث) وہ حدیث جس کی سند (سلسلہء رواۃ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہو۔ (القاموس الوحید ص۸۰۸۔۸۰۹)۔ نسیم

❷ وہ میم جو کسی کلمہ کے مصدر ہونے پر دلالت کرے اسے مصدر میمی کہتے ہیں (از افادات استاد محترم حضرت مولانا شبیر احمد صاحب حضروی دامت برکاتھم) اور ثلاثی مجرد سے مصدر میمی کا وزن ''مَفْعَل'' ہے (مصباح اللغات ص۷ کالم نمبر۲) اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ثلاثی مزید فیہ سے مصدر میمی کا میم مضموم ہو۔ جیسے باب افعال سے مذکورہ لفظ ''اَلْمُسْنَدُ'' کا میم مضموم۔ جیسے بابِ افعال سے مذکورہ لفظ ''اَلْمُسْنَدُ'' کا میم مضموم ہے۔ ''کما ھو مصرّح فی کتب الصرف'' نسیم

❸ یہ اصطلاحی معنی ہے اور ''المُسْنِد'' کا لغوی معنی ''نسبت کرنے والا، سہارا دینے والا'' ہے۔ (علوم الحدیث، ص:۲۱) نسیم

❹ حافظ کا لغوی معنی ''یاد کرنے والا، محافظ، پہرہ دار، حافظِ قرآن اور سیدھا راستہ ہے اور اصطلاح میں اس محدِّث کو حافظ کہتے ہیں جسے احادیثِ نبویہ کی بہت بڑی تعداد زبانی یاد ہو اور اس کی جمع حفاظ آتی ہے۔ (القاموس ص۳۵۶ کالم نمبر ۲) نسیم

۱۔ اکثر محدثین کے نزدیک یہ محدث کا مترادف اور ہم معنی ہے۔

۲۔ اور ایک قول یہ ہے کہ حافظ کا درجہ محدّث سے بلند ہوتا ہے اور اسے محدثین کے ہر طبقہ ❶ کی بابت معلومات غیر معلومات سے زیادہ ہوتی ہیں۔

۱۴۔ اَلْحَاکِمُ

حاکم اس محدِّث کو کہتے ہیں جس کے علم میں سب احادیث ہوں اور (احادیث سے اس کی واقفیت اتنی جامع ہو کہ) بہت کم احادیث اس کے دائرہ معلومات سے باہر ہوں۔

مشقی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

۱۔ علم مصطلح الحدیث کی ایجاد اور اس پر گزرنے والے مختلف احوال کا مختصر جائزہ لیں؟

۲۔ اخبار و حدیث کو لینے کے متعلق ایک آیت اور ایک حدیث بیان کریں نیز صحابہ و تابعین کسی حدیث کو لینے کے لیے کن احتیاطی امور سے کام لیتے تھے؟

۳۔ حفاظت حدیث کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

۴۔ علم المصطلح کے فن میں سب سے پہلے کے کسی مصنف اور ان کی تصنیف کا نام بتائیں؟

۵۔ علم المصطلح میں لکھی جانے والی مشہور تصنیفات کا تعارف بیان کریں؟ (کم از کم دس کا)

۶۔ درج ذیل اصطلاحات کی تعریف بیان کریں:

علم المصطلح ، الخبر ، السند ، المسند

مناسب الفاظ لکھ کر خالی جگہ پر کریں۔

۱۔ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ کی کتاب کا نام .... ہے۔ (معرفۃ علوم الحدیث، علوم الحدیث، قواعد الحدیث)

---

❶ ہر طبقہ سے مراد عہد صحابہ و تابعین سے لے کر خود اس محدث کے عہد تک کے روایانِ حدیث ہیں بالخصوص عام متونِ حدیث و علوم حدیث کی تدوین کے عہد تک کے محدثین، اس لیے کہ اس کے بعد اس سلسلہ کی کتابوں پر ہی اعتماد کیا جانے لگا تھا۔ جنھیں ائمہ محدثین نے پوری تحقیق و احتیاط کے ساتھ تصنیف کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص:۲۱۔۲۲)

اور حافظ کی ایک تعریف یہ بھی ہے کہ یہ اس محدث کو کہتے ہیں جس کو کم از کم ایک لاکھ احادیث کا پورا علم ہو۔ (علوم الحدیث ، ص:۲۲ بحواله شرح القاری علی النزهة ص۳)

ان دو تعریفات کی رو سے ''حافظ'' محدث سے فائق ہوتا ہے۔ ''حفاظ محدثین'' بہت بڑی تعداد میں گزرے ہیں، ''متقدمین'' اہل تحقیق محدثین تقریباً سب کے سب اسی صف میں شمار ہوتے ہیں۔ امام سیوطی رحمہ اللہ نے ان سے واقفیت کو ایک مستقل علم بتلایا ہے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے "تذکرة الحفاظ" کے نام سے ایک الگ کتاب لکھی ہے۔ علامہ رحمہ اللہ کے بعد کئی محدثین نے "تذکرة الحفاظ" پر اضافے بھی کیے ہیں۔ (علوم الحدیث ، ص:۲۲) نسیم

۲۔ ابونعیم محمد بن عبداللہ............ہجری کو فوت ہوئے۔(۳۶۰ - ۵۴۴ - ۴۳۰)

۳۔ ....کی کتاب کو علم المصطلح میں جلیل القدر مقام حاصل ہے۔(خطیب بغدادی، حافظ ابن حجر عسقلانی)

۴۔ مصنف محمود طحان ....مدرسہ کے سابق استاد تھے۔(کلیۃ الشریعۃ "مدینہ منورہ" جامعہ اشرفیہ "لاہور")

۵۔ خبر............کے مترادف ہے۔(اثر - حدیث)

۶۔ اثر............اور............کی طرف منسوب افعال واقوال کو کہتے ہیں۔(نبی کریم، صحابہ، اور محدثین، تابعین)

۷۔ سند کا لغوی معنی............ہے۔(بے سہارا، سہارا)

۸۔ حاکم............کو کہتے ہیں۔(اس حافظ، اس محدث، اس مفتی)

عملی کام:......منکرین حدیث کے اعتراضات جمع کیجیے اور بالاختصار ان کا جواب قلم بند کیجیے۔

باب اوّل

خبر کا بیان

اس میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل:......خبر کی ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے تقسیم [1] اور اس میں دو مباحث ہیں۔

فصل دوم:......خبر آحاد کی تقسیمات، اس میں بھی دو مباحث ہیں۔

فصل سوم:......مردود اور مقبول کے درمیان مشترک خبر آحاد کا بیان، اس میں بھی دو مباحث ہیں۔

فصل اوّل

خبر کی ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے تقسیم کا بیان

یہ فصل دو مباحث پر مشتمل ہے۔

بحث اوّل:......خبر متواتر کا بیان

بحث دوم:......خبر آحاد کا بیان

(اب آگے فصل اوّل کا تمہید اور متعلقہ دونوں مباحث سمیت تفصیلی بیان ملاحظہ کیجیے!)

[1] اور یہ اصولی طور پر دو تقسیمات ہیں:

(۱) باعتبار مدار اور مصدر کے تقسیم۔ یعنی اس ذات کے اعتبار سے جس سے وہ منقول ہو۔

(۲) باعتبار نقل کے تقسیم، یعنی اس اعتبار سے تقسیم کہ نقل در نقل ہم تک وہ خبر کس طرح پہنچی ہے۔ (از علوم الحدیث، ص: ۳۷) نسیم

فصل اوّل

خبر کی ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے تقسیم کا بیان

تمہید:

خبر کی ہم تک پہنچنے کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں:

۱۔ اگر تو وہ خبر ہم تک (بے شمار، ان گنت اور) غیر معین تعدادِ افراد کے طریق سے پہنچی ہے تو وہ خبرِ ''متواتر'' ہے۔

۲۔ اور اگر وہ خبر ہم تک جن افراد کے طریق سے پہنچی ہے ان کی تعداد معین ہے تو وہ ''خبرِ آحاد'' ہے۔

ان دونوں میں سے ہر قسم کی خبر کی آگے مزید اقسام اور ان سے متعلقہ (مباحث و) تفاصیل ہیں ان شاء اللہ ان کو میں دو بحثوں میں بیان کروں گا اور وہ دو بحثیں یہ ہیں:

بحث اوّل

''خبرِ متواتر'' کا بیان

۱۔ خبر متواتر کی تعریف:

معنی لغوی :......لفظ ''متواتر'' یہ (بابِ تَفَاعُل سے) صیغہ اسم فاعل ہے اور "التَّوَاتُرُ" سے مشتق ہے جس کا معنی کسی شے کا پے در پے اور تسلسل کے ساتھ لگاتار ہونا یا آنا ہے، جیسے تم کہتے ہو "تَوَاتَرَ الْمَطَرُ" یعنی ''لگاتار بارش ہوئی۔''

معنی اصطلاحی :......اصطلاح میں متواتر اس حدیث اور خبر کو کہتے ہیں جس کو روایت کرنے والے لوگوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ عقل و عادت ان سب کے جھوٹ پر متفق ہونے کو ناممکن قرار دے۔

۲۔ تعریف کی شرح و وضاحت:

مذکورہ بالا تعریف کا مطلب یہ ہے کہ ''متواتر'' حدیث یا خبر وہ ہوتی ہے جس کی سند کے طبقات میں سے ہر طبقہ کے راویوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہو کہ عقل و عادت ان سب رواۃ کے اس حدیث کو گھڑ لینے پر متفق ہو جانے کو ناممکن جانے (کہ ان سب نے یہ جھوٹی خبر بنا لینے پر اتفاق کر لیا ہو کہ عادۃً عقل کے نزدیک یہ امر محال ہے)۔

۳۔ تواتر کی شروط:

متواتر کی تعریف کی شرح سے یہ بات از خود عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی خبر میں تواتر اس وقت ثابت اور متحقق ہوگا جب اس میں یہ چار شروط پائی جائیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) اس خبر کو ان گنت اور بے شمار لوگوں نے روایت کیا ہو (جن کی تعداد حدِ شمار سے باہر ہو) البتہ ان کی کثرت کی کم از کم کتنی تعداد ہو؟ اس میں مختلف اقوال ہیں۔ مگر مختار قول ان کے دس ہونے کا ہے۔ ❶ (۲) رواۃ حدیث کی یہ کثرت (شروع) سند (سے لے کر اخیر تک) کے تمام طبقات میں پائی جائے۔ (۳) ان سب کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔ ❷ (۴) اور روایانِ حدیث کی خبر کا تعلق حس سے ہو (یعنی امور حسیّہ سے ہو کہ وہ کوئی دیکھی اور سنی جانے والی بات ہونا کہ عقلی و قیاسی ہو)۔

جیسے خبر کے رواۃ یہ کہیں "ہم نے سنا، یا ہم نے دیکھا، یا ہم نے چھو کر دیکھا وغیرہ وغیرہ" البتہ جب ان کی دی گئی خبر کا تعلق امورِ عقلیہ سے ہو۔ جیسے مثلاً وہ "حدوثِ عالم" کی خبر دیں، تو اس وقت (ان کے اتفاق اور کثرتِ تعداد کو "تواتر" اور) ان کی خبر کو "متواتر" نہ کہیں گے۔

۴۔ تواتر کا حکم:

خبر متواتر "علم ضروری" ❸ یعنی (قطعی اور) یقینی علم کا فائدہ دیتی ہے کہ آدمی اس کی قطعی اور یقینی تصدیق پر یوں مجبور ہوتا ہے جیسے وہ شخص مجبور ہوتا ہے جو خود اس امر کو دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اسے (اپنے مشاہدہ کے وقت) اس امر کی تصدیق میں مطلق تردّد نہیں ہوتا، اسی طرح خبر متواتر ہے (کہ آدمی اس کی تصدیق پر مجبور ہوتا ہے اور اس بات کے قطعی اور یقینی ہونے میں اسے ذرا تردّد نہیں ہوتا) اسی لیے خبر متواتر ہر اعتبار سے مقبول ہی مقبول ہوتی ہے اور اس کے رواۃ کے

---

❶ تدریب الراوی ج ۲ ص ۱۷۷ (علامہ طحّان)

کثرتِ رواۃ کی بابت اس بات پر تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ تین سے زائد ہوں لیکن کم از کم کتنے ہوں، اس میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں عدمِ تعیین کو "صحیح" اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اسے "اصح" کہا ہے۔ اگرچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفوائد المتكاثره في الاخبار المتواتره" میں "دس" کے قول کو مدارِ تحقیق قرار دیتے ہوئے تمام وہ روایات جمع کر دی ہیں جن کو دس یا دس سے زائد صحابہؓ نے روایت کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۵۴-۵۵) نسیم

❷ اور اس کی صورت یہ ہے کہ یہ رواۃِ حدیث مختلف امصار و بلاد کے ہوں، ان کے احوال و کوائف مختلف ہوں اور ان کے مذاہب و مسالک بھی جدا جدا ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اب اس بنا پر کبھی ایسا بھی ہوگا کہ رواۃ کی تعداد تو کثیر ہو مگر اس خبر کے لیے متواتر کا حکم ثابت نہ ہو اور کبھی نسبتاً عدد رواۃ تو کم ہو مگر خبر کے لیے تواتر کا حکم ثابت ہو جائے اور اس کا مدار، رواۃ کے احوال پر ہے۔ (علامہ طحّان)

بہرحال اصولِ فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تواتر کا مدار محض کثرتِ رواۃ پر ہی نہیں۔ بلکہ بنیادی چیز سب رواۃ کا عادۃً جھوٹ پر متفق ہونے کا محال ہونا ہے۔ جیسا کہ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "شرح النزهة ص ٢٤" میں اس کی تصریح کی ہے (اور علامہ طحّان کے مذکورہ بالا حاشیہ میں بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے)۔

غرض تواتر کی شروط میں راویوں کی کثرت کے ساتھ ساتھ ان کے اختلاف اوطان اور عدالت (یعنی دین کے اعتبار سے لائق اطمینان ہونے) کی وجہ سے عادۃً جھوٹ پر ان کے اتفاق کا محال ہونا بھی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۵۵ ملخصاً بحوالہ حسامی ص ٦٧، نور الانوار ص ١٧٦، قمر الاقمار ص ١٧٦) نسیم

❸ اس کو "علمِ بدیہی" بھی کہتے ہیں (علوم الحدیث: ص ٦١) نسیم

احوال کی تحقیق و تفتیش کی مطلق ضرورت نہیں ہوتی۔ ❶

۵۔ تواتر کی اقسام:

خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں:

لفظی اور معنوی

الف:...... متواترِ لفظی: یہ وہ خبر ہے جس کے الفاظ و معانی دونوں متواتر ہوں (کہ ہر راوی نے وہ خبر یکساں الفاظ کے ساتھ روایت کی ہو) جیسے: مثلاً یہ حدیث تواترِ لفظی کی مثال ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

((مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ .)) ❷

''جس آدمی نے جان بوجھ کر جھوٹ کو میری طرف منسوب کیا وہ جہنم میں اپنا (ایک) ٹھکانا بنالے۔''

اس حدیث کو ستر سے اوپر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یکساں الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، جب کہ سند کے بعد کے طبقات میں یہ تعداد بڑھتی چلی گئی ہے۔ ❸

ب:...... متواترِ معنوی: یہ وہ خبر ہے جس کا معنی تو متواتر ہو البتہ اس کے الفاظ متواتر نہ ہوں (کہ سب رواۃ نے اس خبر کو یکساں الفاظ کے ساتھ نقل نہ کیا البتہ معانی سب کے الفاظ کے یکساں ہوں)۔

جیسے: مثلاً دعا کے وقت ہاتھ اٹھانے کی بابت تقریباً سو احادیث جناب رسول اللہ ﷺ سے مروی ہیں جن میں سے ہر حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں:

((اَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ فِي الدُّعَاءِ))

''آپ ﷺ نے دعا مانگتے وقت اپنے ہاتھوں کو اٹھایا'' مگر سب احادیث میں مختلف مواقع میں ایسا کرنے کا ذکر ہے۔ اس لحاظ سے (اگر) ہر موقع (کا جائزہ لیا جائے تو وہ) حدِ تواتر کو نہیں پہنچتا، البتہ ان سب مواقع میں قدر مشترک یہ ہے کہ ''آپ ﷺ نے دعا کے وقت دستِ مبارک کو اٹھایا تھا۔''

پس اپنے طرق کے مجموعہ کے اعتبار سے ''رفع اليدين عند الدعاء'' والی حدیث متواتر ہے۔ ❹

---

❶ نیز اس کے مضمون کا انکار اور رد کفر ہوتا ہے۔ (علوم الحديث، ص:٥٥ بحواله نزهة النظر ص ٢١-٢٢) اور ہر کس و ناکس بلا تحقیق اس کے ماننے پر مجبور ہوتا ہے (ص ٦١) نسیم

❷ رواه البخاری / كتاب العلم باب اثم من كذب على النبي ﷺ۔ ٢٠٢١ حديث رقم ١١٠ بلفظه و رواه مسلم / كتاب الزهد باب التشبة فى الحديث، و حكم كتابة العلم ٤ / ٢٢٩٨ حديث رقم ٧٢ بلفظه و رواه ابو دؤد، والترمذى، و ابن ماجه، والدارمى، واحمد۔

❸ ''متواتر لفظی'' کو ''متواتر اسنادی'' بھی کہتے ہیں۔ (علوم الحديث، ص:٥٦ بحواله نزهة النظر ص ٢٢) نسیم

❹ تدريب الراوى ٢ / ١٨٠ (علامه طحان) اور ایسی حدیث کو ''متواتر مشترک'' بھی کہہ دیا کرتے ہیں۔ (علوم الحديث، ص: ٥٦ بحواله تدريب الراوى ٢ / ١٨٠) نسیم

۶۔ متواتر کا وجود:

اگرچہ احادیثِ متواترہ ایک معقول تعداد میں (ذخیرۂ احادیث میں) پائی جاتی ہیں۔ جیسے: ''حوضِ کوثر'' والی حدیث، ''موزوں پر مسح کرنے'' کی بابت حدیث [1]، ''نماز میں رفع یدین کرنے'' کے بارے میں حدیث اور ''نَضَّرَ اللّٰہُ امرأً'' والی حدیث [2] وغیرہ وغیرہ۔ اگرچہ اخبار متواترہ کی تعداد بھی کافی ہے لیکن جب ہم اخبار آحاد کی تعداد دیکھتے ہیں تو ہمیں ان کے مقابلہ میں اخبار متواترہ کی تعداد بے حد کم نظر آتی ہے۔

۷۔ اخبار متواترہ میں لکھی جانے والی مشہور تصنیفات:

علمائے کرام نے اس موضوع پر خاص توجہ دی اور احادیث متواترہ کو الگ مستقل کتابوں میں جمع کرنے کا اہتمام کیا تاکہ طلبہ کو ان کی مراجعت (اور تلاش و جستجو) کرنے میں سہولت اور آسانی ہو۔ ان میں سے چند مشہور کتابوں کے نام یہ ہیں:

الف:...... ''اَلْاَزْھَارُ الْمُتَنَاثِرَۃُ فِی الْاَخْبَارِ الْمُتَوَاتِرَۃِ'' یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی مایہ ناز اور نادرۂ روزگار کتاب ہے۔ یہ ایک مرتب کتاب ہے جو مختلف ابواب پر مشتمل ہے۔

ب:...... ''قَطْفُ الْاَزْھَارِ'' یہ بھی علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی ہی تصنیف ہے اور دراصل یہ پہلی کتاب کا اختصار ہے۔ [3]

ج:...... ''نَظْمُ الْمُتَنَاثِرِ مِنَ الْحَدِیْثِ الْمُتَوَاتِرِ'' یہ ''محمد بن جعفر کتّانی'' کی تصنیف ہے۔ [4]

---

[1] ان دونوں احادیث کو پچاس سے اوپر صحابہ نے روایت کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۵۶) نسیم

[2] ترمذی/ کتاب العلم ۱۳۵ حدیث رقم ۲۶۵۷ دیکھیں کتاب ھذا میں ''علم المصطلح'' کی ابتداء کا تاریخی جائزہ۔

[3] علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے دراصل تین کتابیں ترتیب وار لکھی تھیں جن میں سے پہلی کتاب کا ذکر علامہ طحان نے نہیں کیا اس کا نام ''اَلْفَوَائِدُ الْمُتَکَاثِرَۃُ فِی الْاَخْبَارِ الْمُتَوَاتِرَۃِ'' ہے، ان تین کتابوں میں اصل یہ پہلی کتاب تھی۔ اور متن میں مذکورہ پہلی کتاب دوسری تھی جو پہلی کتاب کا اختصار ہے اور جب کہ تیسری کتاب ''قطف الازھار'' تھی جو دوسری کی بھی تلخیص ہے۔ ان تینوں کتابوں میں روایاتِ متواترہ کو باب وار جمع کیا گیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۵ ملخصا و بتصرف) نسیم

[4] اور دراصل علامہ سیوطی رحمہ اللہ کی تالیف پر اضافہ ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۵۹) نسیم

بحث دوم

خبر آحاد کا بیان

ا۔ خبر آحاد کی تعریف:

لغوی تعریف:......لفظ "آحاد" یہ "اَحَد" بمعنی واحد کی جمع ہے۔ چناں چہ "خبر واحد" لغت میں اس حدیث کو کہیں گے جس کو روایت کرنے والے افراد ایک ایک ہوں۔

اصطلاحی تعریف:......اصطلاح میں ''خبر واحد'' اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں ''خبرِ متواتر'' کی شروط نہ پائی جاتی ہوں۔ ❶

۲۔ خبر واحد کا حکم:

خبر واحد کا حکم یہ ہے کہ ایسی حدیث ''علمِ نظری'' کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی خبر واحد سے وہ علم حاصل ہوتا ہے جو (اپنی افادیت میں) نظر و استدلال پر موقوف ہوتا ہے۔ ❷

خبر واحد کی الگ الگ اعتبار سے دو اقسام ہوتی ہیں۔ ہم عنقریب ان دونوں قسموں کو فصل دوم میں ذکر کریں گے۔

فصل دوم

خبر آحاد کی تقسیمات

خبر واحد کی دو اقسام

اس میں دو مباحث ہیں:

(خبر واحد میں دو اقسام جاری ہوتی ہیں، جنھیں ان دو مباحث میں بیان کیا جاتا ہے)

بحث اوّل:......خبر واحد کی عددِ طرق (یعنی نقل) کے اعتبار سے تقسیم۔

بحث دوم:......خبر واحد کی قوت وضعف کے اعتبار سے تقسیم۔

---

❶ نزھة النظر ص ۲٦ (علامہ طحّان)

❷ "خبرِ واحد" گمان غالب کے درجہ میں علم کا فائدہ دیتی ہے، جب کہ قرائن کے پائے جانے کے وقت علم قطعی کا بھی فائدہ دیتی ہے اور اس کے ذریعے علم کا حصول غور وفکر، نظر واستدلال اور بحث وتحقیق پر موقوف ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ٦١) نسیم

بحث اوّل

خبر واحد کی عَدَدِ طُرُق (یعنی نقل) کے اعتبار سے تقسیم کا بیان

خبر واحد کی (نقل یعنی) عدد طرق (یعنی ہم تک پہنچنے) کے اعتبار سے تین قسمیں ہیں:

۱۔مشہور ۲۔عزیز ۳۔غریب

ان میں سے ہر ایک قسم کو ہم ایک مستقل ''مقصد'' میں ذکر کریں گے۔ ❶

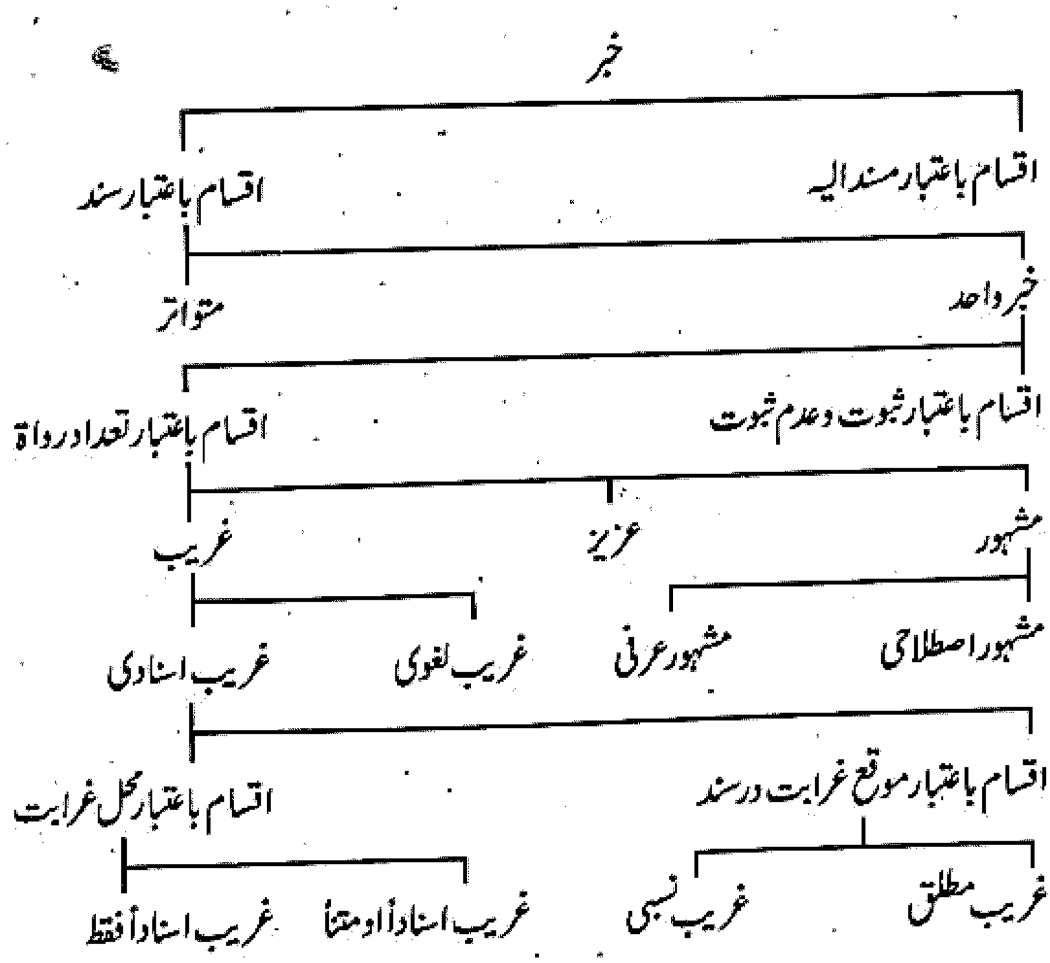
مقصد اوّل

حدیثِ مشہور

۱۔مشہور کی تعریف:

لغوی تعریف:......لفظ مشہور ''شَهَرْتُ الْاَمْرَ'' سے اسمِ مفعول ہے جس کا معنی ''اظہار و اعلان کرنا ہے'' اور

❶ خبر واحد کے بارے میں علامہ اسعدی کا مرتب کردہ یہ نقشہ بے حد مفید ہے۔ طلباء کی افادیت اور سمجھنے میں سہولت پیدا کرنے کے لیے اس کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:



حدیث مشہور کا یہ نام اس کے ظہور کی وجہ سے ہے۔

اصطلاحی تعریف:...... ''مشہور'' اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے رواۃ ہر طبقہ میں تین یا تین سے زیادہ ہوں بشرطیکہ ان کی تعد ''حدِ تواتر'' کو نہ پہنچی ہو۔ ❶

۲۔ ''حدیث مشہور'' کی مثال:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

''اِنَّ اللّٰہَ لَا یَقْبِضُ الْعِلْمَ اِنْتِزَاعًا یَنْتَزِعُہٗ مِنْ صُدُوْرِ الْعُلَمَاءِ، وَلٰکِنْ یَقْبِضُ الْعِلْمَ بِقَبْضِ الْعُلَمَاءِ حَتّٰی اِذَا لَمْ یَبْقَ عَالِمًا اِتَّخَذَ النَّاسُ رُءُوْسًا جُھَّالًا فَسُئِلُوْا فَاَفْتَوْا بِغَیْرِ عِلْمٍ، فَضَلُّوْا وَ اَضَلُّوْا۔'' ❷

ذیل میں حدیث نبوی ﷺ '' ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا...... '' کی اسانید کا ایک نقشہ ملاحظہ کیجئے!

البخاری	مسلم	الطبرانی	احمد	الخطیب	تعداد رواۃ حدیث
ابن ابی اویس	قتیبہ بن سعید	محمد بن عمرو عن ابیہ	عبداللہ عن ابیہ	بکر بن صدقۃ	۵
مالک	جریر	العلا بن سلیمان الرقی	وکیع	عبداللہ بن سعید	۵
ھشام بن عروۃ	ھشام بن عروۃ	الزھری	الاعمش	موسیٰ بن عقبہ	۴
عروہ	عروہ	ابوسلمہ	سالم بن ابی الجعد	عروہ	۳
عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ		ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ	زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا	۴

نبی کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

---

❶ نزھۃ النظر ص ۲۳ بمعناھا

❷ اس حدیث کو بخاری، مسلم، طبرانی، احمد اور خطیب نے چار صحابہ کے طریق سے روایت کیا ہے اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص، حضرت زیاد بن لبید، سیدہ عائشہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔ چناں چہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ''کتاب العلم، باب کیف یُقبض العلم۔ ۱/ ۱۹۴ حدیث رقم ۱۰۰'' میں بلفظہ حضرتِ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے ''کتاب العلم/ باب رفع العلم و قبضہ۔ ٤/ ۲۰۵۸ حدیث رقم ۱۳'' میں حضرت ابن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد رحمہ اللہ نے ''المسند۔'' ٤/ ۱۶۰، ۲۱۸'' میں حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ سے اس معنی کے قریب قریب، اور طبرانی نے ''المعجم الاوسط'' حدیث رقم ۴۰۳'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور خطیب رحمہ اللہ نے ''تاریخ بغداد ۵/ ۳۱۲'' میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (طحان)

”بے شک اللہ تعالیٰ اس علم کو یوں نہیں اٹھالیں گے کہ اس کو علماء کے سینوں سے نکال لیں گے بلکہ اس علم کو علماء کے اٹھا لینے سے اٹھالیں گے یہاں تک کہ (رب تعالیٰ روئے زمین پر) کسی عالم کو باقی نہ چھوڑیں گے تو (پھر) لوگ جاہلوں کو اپنا سردار بنالیں گے۔ پس ان سے (مسائل دینیہ کی بابت) سوال کیا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے دیتے پھریں گے اور خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی بے راہ کریں گے۔“

پس اس حدیث کو اسناد کے ہر طبقہ میں تین یا تین سے زیادہ رواۃ نے روایت کیا ہے، اسی بنا پر اس حدیث کا نام ”مشہور“ ہے۔

۳۔ اَلْمُسْتَفِیْضُ:

لغوی تعریف :...... یہ ”اِسْتَفَاضَ“ کا اسم فاعل ہے (جس کا معنی عام ہونا اور پھیلنا ہے) اور یہ ”فَاضَ الْمَاءُ“ سے مشتق ہے جس کا معنی پانی کا کثرت کے ساتھ پھیلنا ہے اور اس حدیث کا یہ نام (لوگوں میں) اس کے پھیلنے کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔

اصطلاحی تعریف :...... حدیثِ مستفیض کی اصطلاحی تعریف میں اختلاف ہے، اس بابت تین اقوال ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ یہ ”مشہور“ کے ہم معنی و مترادف ہے۔

۲۔ یہ ”مشہور“ سے اخصّ ہے۔ کیوں کہ ”خبرِ مستفیض“ میں یہ شرط ہے کہ اس کی اسناد کے دونوں طرف (یعنی اس کی ابتداء اور انتہاء دونوں) میں (رواۃِ حدیث کی تعداد میں) برابری ہو، جب کہ خبر مشہور میں یہ قید اور شرط نہیں۔

۳۔ یہ مشہور سے عام ہے۔ یعنی یہ تیسرا قول دوسرے قول کے برعکس ہے۔ یعنی مذکورہ قید کہ اطرافِ اسناد میں رواۃ حدیث کی تعداد برابر ہو مشہور میں تو معتبر ہے جب کہ ”مستفیض“ میں نہیں۔

۴۔ مشہور غیر اصطلاحی:

اس سے مراد وہ خبر ہے جو زبان زد خلائق ہو، چاہے اس میں مذکورہ شروط معتبر نہ ہوں۔ ❶ چناں چہ یہ حدیث درج ذیل تین صورتوں پر مشتمل ہو سکتی ہے:

۱۔ جس کی صرف ایک سند ہو (یعنی صرف ایک شخص سے ہی منقول ہو)۔

۲۔ اور جس کی (کبھی) ایک سے زائد اَسناد ہوں۔

۳۔ اور کبھی سرے سے اس کی کوئی اِسناد ہی نہ ہو۔

۵۔ مشہور غیر اصطلاحی کی اقسام:

مشہور غیر اصطلاحی کی متعدد اقسام ہیں (اور یہ اقسام ان طبقات کے اعتبار سے ہیں جن کے درمیان اس کی شہرت

---

❶ اس کو ”مشہور عرفی“ بھی کہتے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ٦٣) نسیم

ہوتی ہے) اس کی چند مشہور اقسام درج ذیل ہیں:

الف: خاص اہل حدیث (یعنی حضرات محدثین) کے نزدیک مشہور: اس کی مثال: جیسے حضرت انس کی یہ حدیث کہ:

((اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوْعِ يَدْعُوْ عَلٰى رِعْلٍ وَ ذَكْوَانَ)) ❶

"جناب رسول اللہ ایک ماہ تک رکوع کے بعد قنوت پڑھ کے رعل اور ذکوان (کے قبائل) پر بددعا فرماتے رہے۔"

ب:...... محدثین، علماء اور عوام (سب) کے نزدیک مشہور: جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ)) ❷

"مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔"

ج:...... فقہاء کے نزدیک مشہور: جیسے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ .)) ❸

"اللہ کے نزدیک سب سے ناپسندیدہ حلال (اپنی بیوی کو محض غصہ کی وجہ سے) طلاق دینا ہے۔"

د:...... علماءِ نحو کے نزدیک مشہور: اس کی مثال جیسے یہ حدیث ہے "اَلْعَجَلَةُ مِنَ الشَّيْطَانِ" "جلد بازی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔" (اسے ترمذی نے روایت کر کے اسے حسن کہا ہے)۔

۶۔ خبر مشہور کا حکم:

خبر مشہور اصطلاحی اور غیر اصطلاحی کو ابتداء میں نہ تو صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ غیر صحیح، لیکن تحقیق و تفتیش کے بعد یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض صحیح، بعض حسن، بعض ضعیف اور بعض موضوع بھی ہوتی ہیں (گویا کہ مشہور کے مختلف مراتب ہو سکتے ہیں) البتہ اگر "مشہورِ اصطلاحی" صحیح ہو تو اسے ایک امتیاز حاصل ہوتا ہے جو اسے خبر عزیز اور غریب پر ترجیح دلاتا ہے (گویا کہ صحیح مشہور اصطلاحی کو بعد کی اقسام پر ترجیح حاصل ہوتی ہے)۔

۷۔ خبر مشہور میں تصنیف کی جانے والی مشہور کتب:

احادیث مشہورہ کی تصنیفات سے مراد ان احادیث کی تصنیفات ہیں جو (عامۃ الناس کی) زبانوں پر مشہور ہیں اور وہ احادیث مشہورِ اصطلاحی نہیں ہیں کیوں کہ علماء نے احادیث مشہورہ اصطلاحی کو جمع کرنے کے لیے کتابیں تالیف نہیں

❶ اخرجه البخاري/ كتاب الوتر- ٢/ ٤٩٠، حديث رقم ١٠٠٣ بمعناه، واخرجه مسلم- كتاب المساجد- ١/ ٤٦٨، حديث رقم- ٢٩٩ بلفظه، وفيه زيادة-

❷ اخرجه البخاري/ كتاب الايمان- ١/ ٥٣ حديث رقم ١٠، واخرجه مسلم/ كتاب الايمان حديث رقم ٦٥-

❸ اس کو حاکم نے "المستدرک" میں صحیح کہا ہے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے اس کی تائید کی ہے۔ البتہ حاکم نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے، "مَا اَحَلَّ اللّٰهُ شَيْئًا اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ" رب تعالیٰ نے اپنے نزدیک طلاق سے بڑھ کر مبغوض کسی شی کو حلال نہیں کیا"۔ دیکھیں "المستدرك للحاكم/ كتاب الطلاق ٢/ ١٩٦"

کیں (یعنی علماء نے احادیثِ مشہورہ اصطلاحی کو کتب میں جمع نہیں کیا)

خبر مشہور کی چند مشہور تصانیف یہ ہیں:

"اَلْمَقَاصِدُ الْحَسَنَةُ فِیْمَا اشْتَهَرَ عَلَى الْاَلْسِنَةِ": یہ علامہ سخاوی رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔ ❶

"كَشْفُ الْخِفَاءِ وَ مُزِيْلُ الْاِلْبَاسِ فِيْمَا اشْتَهَرَ مِنَ الْحَدِيْثِ عَلَى اَلْسِنَةِ النَّاسِ" ❷ یہ علامہ عجلونی رحمہ اللہ کی علمی یادگار ہے۔

"تَمْيِيْزُ الطَّيِّبِ مِنَ الْخَبِيْثِ فِيْمَا يَدُوْرُ عَلَى اَلْسِنَةِ النَّاسِ مِنَ الْحَدِيْثِ" یہ علامہ ابن دبیع شیبانی کا علمی شاہکار ہے۔

❶ یہ اس باب کی مشہور اور اہم ترین کتاب ہے جو متداول اور دستیاب ہے (علوم الحدیث، ص: ٦٤) نسیم

❷ یہ اس فن کی وسیع اور جامع ترین کتاب ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ٦٤) نسیم

مقصد دوم

خبر عزیز

ا۔ عزیز کی تعریف:

عزیز کی لغوی تعریف: لفظ ''عزیز'' صفت مشبہ ❶ کا صیغہ ہے۔ اب یا تو یہ ''عَــزَّ یَـعِـزُّ'' (از باب ضَـرَبَ یَضْرِبُ) سے مشتق ہے جس کا معنی کسی چیز کا کم اور نادر ہونا ہے اور یا یہ لفظ ''عَـزَّ یَعَزُّ'' (از باب فَتَحَ یَفْتَحُ) سے مشتق ہے جس کا معنی طاقت ور اور سخت ہونا ہے۔ اور خبر عزیز کا یہ نام یا تو اس کے کم پائے جانے اور نادر ہونے کی وجہ سے ہے یا پھر دوسرے طریق سے روایت ہونے کی بنا پر قوی ہو جانے کی وجہ سے اس کا نام ''عزیز'' ہے۔

اصطلاحی تعریف:...... ''خبر عزیز'' وہ حدیث ہے جس کے راوی تمام طبقات میں دو سے کم نہ ہوں۔

۲۔ اصطلاحی تعریف کی تشریح:

مطلب یہ ہے کہ سند کے جتنے طبقات ہوں ان میں سے کسی طبقہ میں بھی دو سے کم راوی نہ ہوں اور اگر کسی طبقہ میں تین یا تین سے زیادہ رواۃ بھی پائے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ یہ شرط ہے کہ کسی نہ کسی طبقہ میں چاہے ایک ہی طبقہ میں، دو راوی ضرور ہوں، کیوں کہ اعتبار، سند کے طبقات میں سے اس طبقہ کا ہے جس کے راوی کم ہوں۔

خبر عزیز کی یہی تعریف راجح ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ ❷

البتہ بعض علماء نے خبر عزیز کی یہ تعریف بھی بیان کی ہے، ''عزیز یہ دو یا تین کی روایت ہے'' ان علماء نے بعض صورتوں میں خبر مشہور اور خبر عزیز کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا۔

۳۔ خبر عزیز کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے بخاری رحمہ اللہ اور مسلم رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور صرف بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ ، وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ .)) ❸

---

❶ صفت مشبہ وہ اسم ہے جو ایسی ذات پر دلالت کرے جس میں صفت بطور ثبوت اور دوام کے ہو، صفتِ مشبہ کا صیغہ فعل لازم سے مشتق ہوتا ہے۔ صفت مشبہ کے عمل کرنے کے لیے اس میں حال اور استقبال کا معنی نہ ہونا ضروری ہے اور صفت مشبہ کے اوزان اسم فاعل اور مفعول کے اوزان کے خلاف ہیں۔ دوسرے لفظوں میں صفت مشبہ کے اوزان سماعی ہیں نا کہ قیاسی۔ ("تحفة الطلبة" المعروف به "مآرب الطلبة" ص ۱۵٤ ملخصاً و تبصرفٍ، و "هداية النحو" ص ۷۰) نسیم

❷ دیکھیں "نخبة الفكر" اور حافظ رحمہ اللہ کی ہی نخبة الفكر کی شرح۔ ص ۲۱، ۲٤ (طحّان)

❸ رواه البخاري/ كتاب الايمان، باب حبّ الرسول من الايمان۔ ۱/ ۵۸ حديث رقم ۱۵ بلفظه عن انسؓ، و حديث رقم ۱٤ عن ابي هريرةؓ بلفظه، ونقص "والناس اجمعين" وزاد في اوّله" فوالذي نفس بيده" ورواه مسلم/ كتاب الايمان حديث رقم ٦۹ ـ ۷۰ كلاهما عن انس

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے اپنے والد، اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔''

اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قتادہ اور عبدالعزیز بن صہیب نے،

اور قتادہ سے شعبہ اور سعید نے،

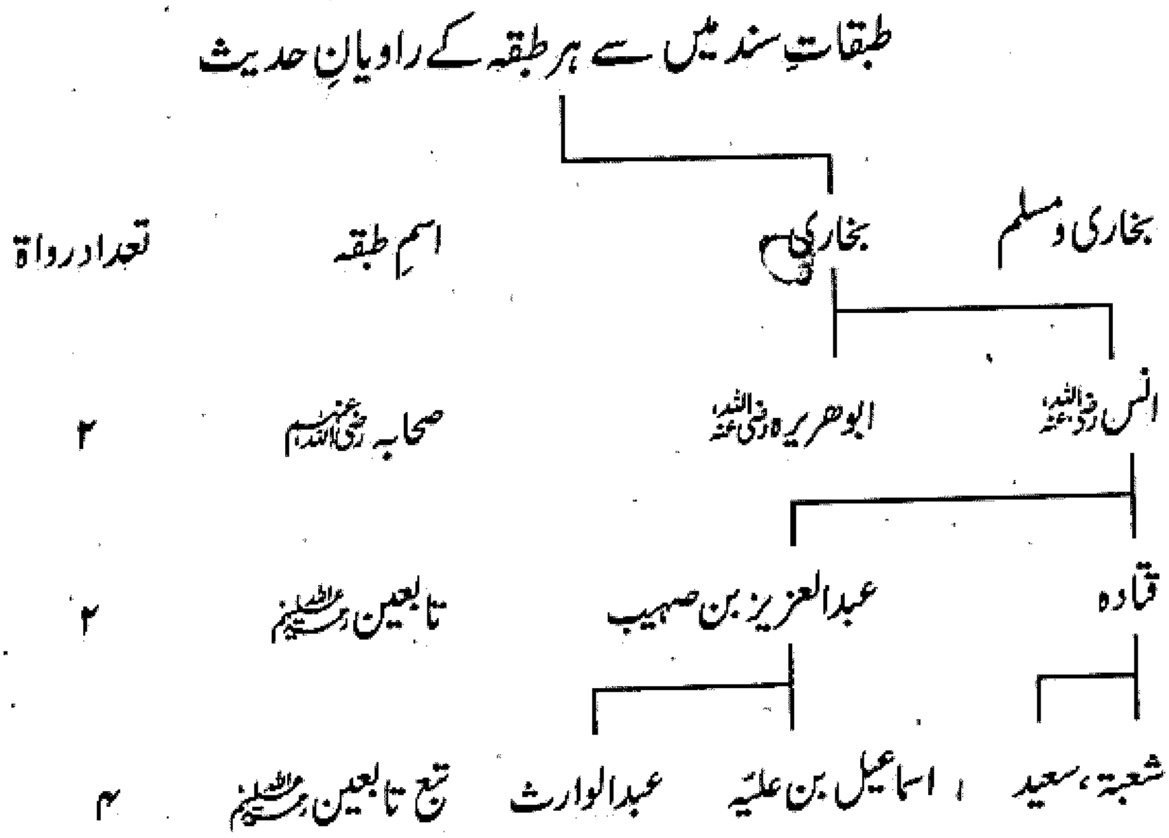
اور عبدالعزیز بن صہیب سے اسماعیل بن علیہ اور عبدالوارث نے،

اور پھر ان میں سے ہر ایک سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔

۴۔خبر عزیز کی مشہور تصنیفات:

خبر عزیز کی بابت علماء نے کوئی قابلِ ذکر کتاب تصنیف نہیں کی اور بظاہر اس کی وجہ خبر عزیز کا قلیل الوجود ہونا یا خبر عزیز پر مستقل ایک کتاب لکھنے سے خاطر خواہ علمی فائدہ کا حاصل نہ ہونا ہے۔

۵۔خبر عزیز کی دی گئی مثال کو ذیل کے نقشہ سے سمجھیے!



پس اس حدیث کا نام ''عزیز'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ سند کے سب طبقات میں اس کے رواۃ کی تعداد دو سے کم نہیں اگرچہ بعض طبقات میں رواۃ حدیث کی تعداد دو سے زیادہ بھی ہے (جیسے تبع تابعین کا طبقہ کہ اس میں تعداد رواۃ چار ہے)۔

مقصد سوم

حدیث غریب

ا۔ حدیث غریب کی تعریف:

لغوی تعریف :...... یہ لفظ بھی صفتِ مشبّہ کا صیغہ ہے اور اس کا معنیٰ ''اکیلا'' یا اعزہ واقرباء سے دور پردیسی (اور اجنبی اور نامانوس) ہے (اور اس کی جمع ''غرائب'' آتی ہے)۔

اصطلاحی تعریف❶:...... غریب وہ حدیث ہے جس کو (اسناد کے طبقہ میں کہی نہ کہیں) صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو۔

۲۔ ''غریب'' کی تعریف کی شرح:

یعنی غریب وہ حدیث ہے جسے کم از کم ایک شخص نے روایت کیا ہو۔ چاہے اس کی اسناد کے جملہ طبقات میں سے ہر طبقہ میں اسے ایک ہی شخص نے روایت کیا ہو اور چاہے کسی ایک طبقے میں اس کا راوی ایک ہو اور اس وقت باقی طبقات میں اگر راوی ایک سے زیادہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ (اس حدیث میں) اعتبار ''کم'' کا ہے۔❷

۳۔ حدیث غریب کا ایک دوسرا نام حدیث ''فرد'':

اکثر علماء نے حدیث غریب کو ایک دوسرے نام سے بھی یاد کیا ہے اور وہ نام ہے حدیث ''فرد'' ان کے نزدیک ''غریب'' اور ''فرد'' دونوں نام ہم معنی اور مترادف ہیں۔ جب کہ بعض دوسرے علماء نے انھیں ایک دوسرے کے مغایر بتلایا ہے اور انھوں نے دونوں ناموں کو حدیث کی الگ الگ مستقل قسم قرار دیا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان

❶ علامہ اسعدی نے اس موقع ایک نہایت ہی پر مغز خلاصہ لکھا ہے جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔ اگر چہ اس خلاصہ میں مذکور چند مندرجات اپنے اپنے مقام پر مصنف موصوف کی کتاب میں بھی آ جائیں گے۔ علامہ اسعدی لکھتے ہیں:

''اصطلاح کے اعتبار سے حدیثِ غریب کی دو تعریفات ہیں، اس لیے غریب کا اطلاق حدیث کی دو الگ الگ اقسام پر ہوتا ہے۔ جن کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ ان میں سے ایک کو ہم "غریبِ اسنادی" اور دوسری کو ''غریبِ لغوی'' کہہ سکتے ہیں اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان ہر دو اقسام کی بنیاد ''غریب'' کے دونوں لغوی معانی میں سے ایک پر ہے۔

چناں چہ ''غریب اسنادی'' کی بنیاد پہلے معنی یعنی ''منفرد اور اکیلے'' پر ہے اور ''غریب لغوی'' کی بنیاد دوسرے لغوی معنی یعنی ''اجنبی اور نامانوس'' پر ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ٦٦ ملخصاً)

ان میں سے ہر ایک کی تفصیل علامہ طحان دامت برکاتہم کی تصنیف لطیف "تیسیر المصطلح" میں آ رہی ہے۔ نسیم

❷ ''مطلب یہ ہے کہ غریب کی سند کے جتنے طبقات ہوں کم از کم ایک طبقہ میں تنہا ایک آدمی روایت کرنے والا ہو۔ رہے باقی طبقات تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باقی یا اکثر میں ایک سے زائد راوی ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام طبقات میں ایک ہی راوی ہو، اور ایک راوی والا طبقہ اولین بھی ہو سکتا ہے اور درمیانی اور بعد کا بھی'' (علوم الحدیث، ص: ٦٧) نسیم

دونوں کو لغت و اصطلاح دونوں کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مترادف قرار دیا ہے، البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے (دونوں پر کلام کرنے کے بعد) یہ کہا ہے کہ ''اہلِ اصطلاح نے ان دونوں کے درمیان ان کے استعمال کی قلت اور کثرت کے اعتبار سے فرق کیا ہے۔ لہٰذا یہ علماء ''فرد'' کا زیادہ تر اطلاق ''فرد مطلق'' پر جب کہ غریب پر اکثر ''فرد نسبی'' کا اطلاق کرتے ہیں۔ ❶

۴۔ غریب کی اقسام:

جس طبقہ میں راوی ایک ہے، اس کے اعتبار سے حدیث غریب کی دو اقسام ہیں، ''غریب مطلق'' اور ''غریب نسبی۔'' (ذیل میں دونوں کی تعریف اور مثال پیش کی جاتی ہے)۔

الف: ''غریب مطلق'' یا ''فرد مطلق'':

ا۔ غریب یا فرد مطلق کی تعریف:

یہ وہ حدیث ہے جس کی ''اصل سند'' میں ''غرابت'' ❷ ہو۔ یعنی وہ حدیث جس کی ''اصلِ سند'' ❸ میں اس حدیث کو

---

❶ نزهة النظر ص ۲۸ (طحان) یاد رہے کہ غریب کا یہ دوسرا نام ''فرد'' علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے رکھا ہے، اس اعتبار سے غریب کی دو قسموں ''غریب مطلق اور ''غریب نسبی'' کو علی الترتیب ''فرد مطلق'' اور ''فرد نسبی'' کہیں گے۔ جن کا تعارف اقسام کے بیان میں آ رہا ہے۔
(علوم الحدیث، ص: ٦٧ بتصرفٍ) اور یاد رہے کہ یہ فرق جب فعل کا استعمال نہ ہو، رہے دونوں سے متعلقہ افعال یعنی تَفَرَّدَ اور أَغْرَبَ وغیرہ تو ان کے استعمال میں فرق نہیں کیا جاتا۔ جب کہ دوسرے محققین جیسے ابن صلاح رحمہ اللہ اور نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے دونوں میں فرق کیا ہے اور مطلق و نسبی کو ''فرد'' کی اقسام بتلایا ہے غریب کی نہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ٦٨ بتصرف بحوالہ ''تدریب الراوی ١/ ١٤٩، ١٥٠) نسیمؔ

❷ سند حدیث کے کسی ایک طبقہ میں ایک راوی کے ہونے کے وصف اور کیفیت کو ''غرابت'' کہتے ہیں (علوم الحدیث بتصرف، ص: ٦٧) نسیمؔ

❸ ''اصل سند'' سے مراد ''اولین طبقہ'' ہے۔ اگرچہ اس میں اختلاف ہے کہ اوّلین طبقہ سے کون لوگ مراد ہیں۔ حضرات صحابہ یا تابعین۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کا خیال ہے اور ابن حجر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ توضیح و مثال سے اس بات کی تائید بھی ہوتی ہے کہ اس سے ''طبقۂ تابعین'' مراد ہے البتہ صاحبِ تیسیر علامہ طحان کا خیال ہے کہ اس سے ''طبقۂ صحابہ'' مراد ہے اور انھوں نے اپنی کتاب کے حاشیہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ کی رائے پر نقد بھی کیا ہے۔ (جیسا کہ ذیل میں بتلایا جا رہا ہے) اور انھوں نے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی ذکر کردہ ''تعریفِ غریب'' کو اپنے رائے کے حق میں بنیاد بنایا ہے۔
(علوم الحدیث، ص: ٦٨۔٦٩ مع الحاشیه رقم ٢ ملخصاً و تبصرف بحواله نزهة النظر مع حاشیه ص ٢٧۔٢٨) اب ذیل میں ''اصل سند'' پر علامہ طحان کا حاشیہ ملاحظہ کیجیے! (نسیمؔ)
''اصل سند'' سے مراد حدیث کی وہ طرف ہے جس میں صحابی ہو اور صحابی طبقات سند کا ایک طبقہ ہے یعنی جب حدیث کی روایت میں صحابی متفرد اور اکیلا ہو۔ اس وقت اس حدیث کو غرابت مطلقہ کے ساتھ ''غریب'' کہتے ہیں اور ''اصل سند'' کی شرح کرتے ہوئے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کے کلام کہ ''اصل سند'' سے مراد سند کا وہ حصہ اور مقام ہے جس پر سند کا مدار ہو اور وہ سند کا مرجع ہو چکا ہے اس کے متعدد طرق ہوں اور یہ سند کی وہ طرف ہے جس میں صحابی ہو'' سے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے جو یہ کہا ہے کہ، ''صحابی کا تفرد ''غرابت'' نہ سمجھا جائے گا اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابی میں کوئی بات باعثِ قدح نہیں پائی جاتی یا یہ کہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں'' میرا خیال ہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی (اپنی مذکورہ بالا عبارت سے) یہ مراد نہیں واللہ اعلم۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے خود غریب کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ کی ہے ''غریب وہ حدیث ہے جس کے طبقاتِ سند میں سے کسی طبقہ میں اس حدیث کو روایت کرتے وقت اس کا راوی متفرد اور اکیلا ہو'' یعنی چاہے یہ تفرد طبقۂ صحابہ میں ہی کیوں نہ ہو کیوں کہ صحابہ بھی طبقات سند میں سے ایک طبقہ ہیں۔ والعلم عند اللہ۔ بہر حال ملا علی قاری رحمہ اللہ کا قول بھی بعض علمائے حدیث کی رائے ہے۔ (محمود طحان)

روایت کرنے والا راوی ایک ہی ہو (یعنی غرابت اس حدیث کی سند کے اوّلین طبقہ میں ہو اور اولین طبقہ میں ایک راوی ہونے کے بعد آخر تک تمام طبقوں میں یا اکثر طبقوں میں بھی ایک ہی راوی ہو یا ایک یا دو طبقوں میں ایک سے زائد راوی ہوں)۔

۲۔ غریب مطلق کی مثال:

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ .)) [1]

''بے شک اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔'' [2]

اس حدیث کو روایت کرنے والے صرف ایک صحابی ہیں اور وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یاد رہے کہ رواۃِ حدیث کا یہ تفرد کبھی تو سند کے آخر تک چلا جاتا ہے اور کبھی متفرد راوی سے آگے کئی راوی حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

ب:...... غریب نسبی یا فرد نسبی:

۱۔ غریب یا فرد نسبی کی تعریف:...... یہ وہ غریب حدیث ہے جس میں غرابت اس کی سند کے کسی درمیانی طبقے میں ہو۔ [3] یعنی اصلِ سند (اوّلین طبقہ) میں تو اس حدیث کے راوی ایک سے زائد ہوں پھر ان راویوں سے (آگے کسی طبقہ میں) صرف ایک راوی اس حدیث کو روایت کرنے والا ہو (اور اولین طبقہ سے علی حسب الاختلاف صحابہ مراد ہوں یا تابعین، ان میں تو راوی ایک سے زیادہ ہوں البتہ بعد کے کسی طبقہ میں صرف ایک راوی ہو اگرچہ ایک ہی طبقہ میں ایک راوی ہو)۔

۲۔ غریب نسبی کی مثال:...... غریب نسبی کی مثال وہ حدیث ہے جو مالک، زہری سے اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ [4] سے بیان کرتے ہیں:

---

❶ رواہ البخاری/ کتاب الایمان حدیث رقم ۱، مسلم/ کتاب الامارۃ حدیث رقم ۱۵۵

❷ یہ مثال ان لوگوں کی رائے کے مطابق ہے جن کے نزدیک اوّلین طبقہ سے مراد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ جیسا کہ مصنف موصوف حفظہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔ البتہ جن کے نزدیک اوّلین طبقہ سے تابعین مراد ہیں انھوں نے مثال میں یہ حدیث پیش کی ہے: "نَهَى النَّبِيُّ ﷺ عَنْ بَيْعِ الْوِلَاءِ وَ هِبَتِهِ" نبی کریم ﷺ نے ولاء (یعنی غلام کو آزاد کرنے کے بعد آقا کا جو حق اس کے متعلق رہ جاتا ہے، اس) کو بیچنے اور ہبہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اس حدیث کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن دینار تابعی نے تنہا روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ حدیث جس میں ایمان کے ستر سے زائد شعبے بیان کیے گئے ہیں، اس حدیث کو حضرت ابوہریرہؓ سے صرف ابوصالح تابعی اور ابوصالح سے عبداللہ بن دینار نے روایت کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۶۹) نسیم

❸ نزھۃ النظر ص ۲۸۔

❹ علامہ اسعدی حفظہ اللہ نے یہ حدیث مالك عن الزهری عن علیؓ رضی الله عنه کی اسناد کے ساتھ بیان کی ہے جب کہ مولف موصوف علامہ طحان حفظہ اللہ نے اسے مالک عن الزہری عن انس رضی اللہ عنہ کی اسناد کے ساتھ لکھا ہے۔ اسی لیے میں نے علامہ طحان کی اسناد کو ترجیح دی ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم ۔ دیکھیں ''علوم الحدیث ص ۷۰''

((اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ دَخَلَ مَکَّۃَ وَعَلٰی رَأْسِہِ الْمِغْفَرُ .)) ❶

''حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''جنابِ رسالت مآب ﷺ جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سرِ مبارک پر خود تھا۔''

اس حدیث کو زہری سے صرف مالک نے روایت کیا ہے (یعنی مالک اس حدیث کو زہری سے روایت کرنے میں متفرد ہیں)

۳۔ وجہ تسمیہ:...... حدیث غریب کی اس قسم کو ''غریبِ نسبی'' اس لیے کہتے ہیں کیوں کہ اس حدیث (کی اسناد) میں تفرد کسی شخصِ معین کی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے (یعنی اس میں تفرد اور غرابت کی نسبت حدیث کی اسناد کے کسی درمیانی طبقہ کی طرف ہوتی) ہے۔

۵۔ غریب نسبی کی اقسام:

غرابت یا تفرد کی کچھ اقسام ایسی ہیں جن کو ''غریب نسبی'' میں شمار کر سکتے ہیں کیوں کہ اُن اقسام میں ''مطلق غرابت'' نہیں، بلکہ ان میں غرابت کسی ''معین شی'' ❷ کی طرف منسوب کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ ❸ ذیل میں غرابت کی ان اقسام کا اختصار کے ساتھ تعارف ملاحظہ کیجیے!

الف:...... روایتِ حدیث میں ثقہ راوی کا تفرد: (اس کو ''تفرد ثقہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) جیسے محدثین کا یہ کہنا، ''اس حدیث کو صرف فلاں ثقہ نے روایت کیا ہے۔ ❹

ب:...... کسی معین راوی کا کسی معین راوی سے (روایت کرنے میں) تفرد:

جیسے محدثین کا یہ کہنا، ''اس حدیث کو فلاں راوی فلاں راوی سے روایت کرنے میں متفرد ہے'' اگرچہ وہ حدیث دوسرے طرق سے اس فلاں معین راوی کے علاوہ کسی اور سے بھی مروی ہو۔ ❺

---

❶ رواہ البخاری/ کتاب المغازی حدیث رقم ۴۲۸۶، ورواہ مسلم/ کتاب الحج حدیث رقم ۴۵۰۔

❷ یعنی اس حدیث کا تفرد کسی خاص حال کی وجہ سے ہو (علوم الحدیث، ص: ۷۱) نسیم

❸ کسی راوی کے تنہا کسی حدیث کو روایت کرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں جن کو ان کے احوال کے اعتبار سے الگ الگ متعدد اقسام قرار دیا گیا۔ مثلاً (۱) کسی شخص کا تنِ تنہا کسی روایت کا راوی ہونا (۲) کسی راوی کا کسی سند میں (۳) یا اس کے متن میں اضافہ کر کے بیان کرنے میں متفرد ہونا وغیرہ وغیرہ (علوم الحدیث، ص: ۷۰ مختصرا و تبصرفٍ، بحوالہ تدریب الراوی ۱/ ۲۴۹۔۲۵۱) نسیم

❹ غرض ''تفرد ثقہ'' اس حدیث کی روایت ہے جس کو ثقہ رواۃ میں سے کسی ایک نے ہی روایت کیا ہو۔ اس کی مثال مسلم کی یہ روایت ہے: ''اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْرَءُ بِہٖ فِی الْاَضْحٰی وَ الْفِطْرِ بِـ ﴿ق، و القرآن المجید﴾ '' وَ ﴿اقتربت الساعۃ﴾ ''نبی کریم ﷺ عیدین میں سورۂ قاف اور ''اقتربت الساعۃ'' کی تلاوت کیا کرتے تھے۔''

اس کو ثقات میں سے صرف حمزہ بن سعید نے روایت کیا ہے۔ جبکہ دوسرے راوی ضعیف ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۷۱) نسیم

❺ غرض یہ وہ حدیث ہے جسے کسی شخص سے کسی ایک آدمی نے روایت کیا ہو، اگرچہ دوسرے سے کئی آدمیوں نے روایت کیا ہو۔ اس کی مثال سننِ اربعہ کی یہ حدیث ہے: ''سفیان عن وائل بن داؤد عن ابنہ بکر عن الزہری عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَوْلَمَ عَلٰی صَفِیَّۃَ بِسَوِیْقٍ وَ تَمْرٍ''...... ''نبی کریم ﷺ نے سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے پر ستو اور کھجور سے ولیمہ کھلایا''۔ اس روایت میں تفرد اس اعتبار سے ہے کہ اس روایت کو وائل سے صرف سفیان نے اور وائل بن داؤد نے اس کو اپنے بیٹے بکر بن وائل سے تنہا ہی روایت کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۷۱) نسیم

ج:......اہل شہر وعلاقہ کا تفرد: جیسے محدثین کا یہ کہنا، ''اس روایت میں اہل مکہ یا اہلِ شام متفرد ہیں۔'' ❶

د:......ایک شہر اور ایک علاقے کے لوگوں کا دوسرے شہر اور علاقے کے لوگوں سے تفرد: جیسے محدثین کا یہ کہنا، ''اس حدیث کو اہلِ مدینہ سے روایت کرنے میں اہلِ بصرہ متفرد ہیں'' یا ''اس حدیث کو اہلِ حجاز سے روایت کرنے میں اہلِ شام متفرد ہیں۔'' ❷

۶۔ حدیث غریب کی ایک اور تقسیم:

علماء ومحدثین نے سند یا متن میں غرابت کے اعتبار سے حدیث غریب کو دو اور قسموں میں تقسیم کیا ہے جو یہ ہیں:

الف: متن وسند دونوں کے اعتبار سے ''غریب حدیث''

یہ وہ حدیث ہے، جس کے متن کا راوی صرف ایک ہو۔

ب: صرف سند کے اعتبار سے غریب نا کہ متن کے اعتبار سے بھی:

جیسے وہ حدیث جس کے متن کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہو اور ایک شخص کسی دوسرے صحابی سے اس حدیث کی روایت میں متفرد ہو اور یہ غریب حدیث کی وہ قسم ہے جس کے بارے میں امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں ''غریب من هذا الوجه'' ''یہ حدیث اس اعتبار سے غریب ہے۔''

۷۔ احادیث غریبہ کے مواقع:

یعنی غریب احادیث کی زیادہ مثالیں پائی جانے کی جگہیں (اور اس سے مراد وہ کتابیں ہیں جن میں بڑی تعداد میں احادیثِ غرائب پائی جاتی ہیں) اور ایسی کتب متعدد ہیں جن میں دو مشہور کتب یہ ہیں:

۱۔ مُسْنَدُ الْبَزَّار:

یہ ابوبکر بزار متوفی ۲۹۲ ھ کی تالیف ہے۔

❶ یعنی اس حدیث کو ایک شہر اور علاقہ کے لوگوں نے اس طور پر روایت کیا ہو کہ کسی دوسرے شہر اور علاقے کے کسی فرد نے اس کی روایت نہ کی ہو۔ اس کی مثال ابوداؤد کی یہ روایت ہے: ''عن ابی الولید الطیالسی عن همام عن قتادة عن ابی النضرة عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال أُمِرْنَا نَقْرَأُ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَمَا تَيَسَّرَ'' ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ''ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ہم (نماز میں) سورۃ فاتحہ اور کچھ قرآن جو سہولت کے ساتھ ہو، پڑھیں۔'' اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ صرف اہلِ بصرہ نے روایت کیا ہے، کیوں کہ اس کے تمام رواۃ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ (علوم الحدیث بتصرف ص ۷۲) نسیم

❷ جیسے نسائی کی یہ حدیث، ''كُلُوا الْبَلَحَ بِالتَّمْرِ'' ''کچی کھجور کو پختہ کھجور کے ساتھ کھایا کرو'' اس حدیث کو صرف ابوذکیر بصری نے ہشام مدنی سے روایت کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۷۲ بحواله تدریب الراوی ۱/ ۲۹٤) اگرچہ علامہ محمود طحان نے ان چاروں اقسام کو ''غریب نسبی'' کے تحت اس بنیاد پر ذکر کیا ہے کہ ان میں غرابت کا مدار ایک خاص نسبت پر ہے مگر تدریب الراوی میں تصریح ہے کہ اس میں تیسری قسم ''اہل شہر وعلاقہ کا تفرد'' داخل نہیں۔ دیکھیں تدریب الراوی ۲/ ۱۸۲۔ (علوم الحدیث، ص: ۷۲ حاشیه نمبر ۱) نسیم

۲۔ اَلْمُعْجَمُ الْاَوْسَطُ:

اس کے مؤلف سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ ہیں۔

۸۔ حدیث غریب کی مشہور تصنیفات:

الف:...... غَرَائِب مَالِكٍ: یہ امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ کی تالیف ہے۔

ب:...... اَلْاَفْرَادُ: یہ بھی امام دارقطنی رحمہ اللہ کی علمی یادگار ہے۔

ج:...... اَلسُّنَنُ الَّتِیْ تَفَرَّدَ بِكُلِّ سُنَّةٍ مِنْهَا اَهْلُ بَلْدَةٍ: یہ امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ متوفی ۲۷۵ھ کی تصنیف لطیف ہے۔

مشقی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں۔

۱۔ تواتر کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان کریں۔

۲۔ تواتر کی شروط کیا ہیں نیز متواتر احادیث کا کیا حکم ہے؟

۳۔ تواتر کی اقسام مثالوں سے واضح کریں۔

۴۔ خبر واحد کی نقل کے اعتبار سے کتنی اقسام ہیں نیز مشہور حدیث کے بارے میں ایک مفصل نوٹ لکھیں۔

۵۔ حدیث غریب کو حدیث فرد کہنے میں مختلف علماء کے اقوال بیان کریں نیز ان میں راجح قول کون سا ہے؟

۶۔ اخبار متواترہ میں لکھی جانے والی مشہور تصنیفات کے نام بتائیں۔

۷۔ حدیث غریب نسبی کی وجہ تسمیہ بیان کریں۔

۸۔ حدیث غریب پر نوٹ لکھیں۔

خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

۱۔ غیر معین افراد کے طریق سے ملنے والی حدیث .... کہلاتی ہے۔

۲۔ تواتر احادیث کی تعداد .... احادیث سے کم ہے۔

۳۔ لفظ "متواتر" باب تفاعل سے .... کا صیغہ ہے جس کا مطلب .... ہے۔

۴۔ مشہور حدیث کے متعلق علامہ ابن دیبع کی کتاب کا نام .... ہے۔

5 .... وہ حدیث ہے جسے صرف ایک راوی نے روایت کیا ہو۔

۶۔ المستفیض .... کا اسم فاعل ہے۔

۷۔ .... وہ حدیث ہے جس میں غرابت اس کی سند کے کسی درمیانی طبقے میں ہو۔

۸۔ متواتر معنوی وہ خبر ہے جس کا .... تو متواتر ہو البتہ اس کے .... متواتر نہ ہو۔

۹۔ خبر واحد وہ حدیث ہے جس میں .... کی شروط نہ پائی جاتی ہوں۔

۱۰۔ احادیث غرائب کی دو مشہور کتب .... اور .... ہیں۔

عملی کام: ..... کیا کسی حدیث کو متواتر قرار دینے میں محققین کا اختلاف ممکن ہے؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو اپنے استاذ کی مدد سے ایسی روایات کو موضوع سخن بنائیے۔

بحث دوم

خبرِ واحد کی قوت وضعف کے اعتبار سے تقسیم ❶

خبرِ واحد کی تینوں قسمیں "مشہور، عزیز اور غریب" اپنی قوّت اور ضعف کے اعتبار سے (آگے مزید) دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہیں، جو یہ ہیں:

الف:......مقبول: (حدیث مقبول کی تعریف) یہ (ہے کہ یہ) وہ حدیث ہے جس کی خبر دینے والے کا صدق راجح ہو۔ ❷

حدیث مقبول کا حکم: حدیث مقبول کا حکم یہ ہے اسے (مسائلِ شرعیہ میں) دلیل بنانا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

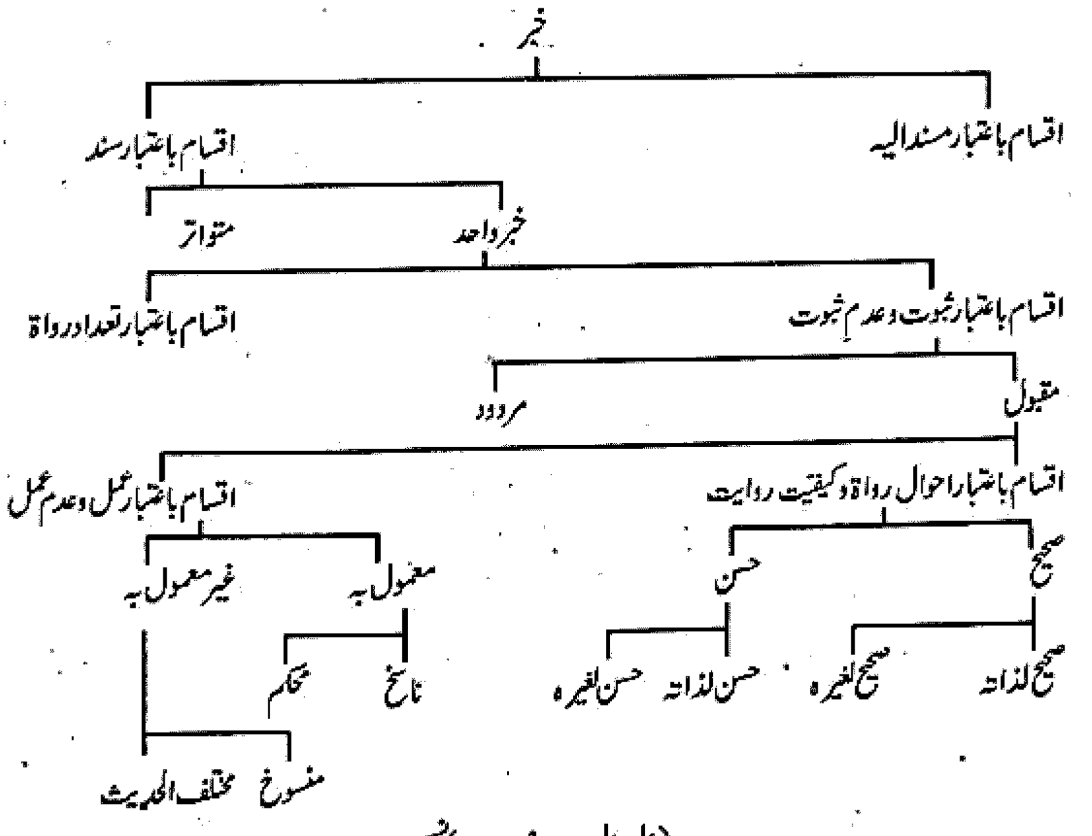
ب: ......مردود: (مردود کا لغوی معنی ردّ کیا ہوا ہے۔ یعنی وہ حدیث جسے رد کر دیا جائے اور لوٹا دیا جائے) اور (اصطلاح میں) مردود وہ حدیث ہے جس کی خبر دینے والے کا صدق راجح نہ ہو۔ ❸

حدیث مردود کا حکم: حدیث مردود کو (احکام شرعیہ میں) نہ تو دلیل بنایا جاتا ہے اور نہ اس پر عمل کرنا واجب ہی ہوتا ہے۔

حدیث مقبول اور مردود میں سے ہر ایک کی اقسام بھی ہیں اور (متعلقہ) تفاصیل بھی۔ ان شاء اللہ ہم ان کو دو مستقل "مطالب" میں بیان کریں گے۔ ❹

---

❶ یہ دراصل خبر واحد کی دوسری تقسیم ہے جو ثبوت اور عدم ثبوت کے اعتبار سے ہے، جب کہ خبرِ واحد کی پہلی تقسیم نقل کے اعتبار سے تھی۔ (علوم الحدیث بتصرف ص۸۱) نسیم ۔ ❷ حدیثِ مقبول کو جید، قوی، صالح، مجوّد، ثابت، محفوظ اور معروف بھی کہتے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۸۲ بحوالہ تدریب الراوی ۱/ ۱۷۷۔۱۷۸) نسیم ❸ یعنی اس حدیث کا ثبوت قبولیت کی شروط (جن کا ذکر آگے آ جاتا ہے) میں سے ایک یا چند یا تمام کے نہ پائے جانے کی وجہ سے راجح نہ ہو۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۲۳ بتصرف) نسیم ❹ ترتیب کے مطابق علامہ طحان حفظہ اللہ پہلے حدیث مقبول اور اس کی اقسام و تفاصیل کو بیان کریں گے۔ طلبہ کی سہولت کے لیے ذیل میں علامہ اسعدی مدظلہ کا مرتب کردہ نقشہ درج کیا جاتا ہے جس سے حدیث مقبول کی جملہ اقسام کا سمجھنا آسان ہو جائے گا۔



(علوم الحدیث، ص: ۸۰) نسیم

مطلب اوّل

خبر مقبول

یہ دو مقاصد پر مشتمل ہے:

مقصد اوّل:......اقسامِ مقبول

مقصد دوم:......مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ میں تقسیم

(اب ذیل میں مقصد اوّل کو بالتفصیل بیان کیا جاتا ہے)

مقصد اوّل

اقسام مقبول

خبر مقبول اپنے مراتب کے فرق ❶ کے اعتبار سے دو بڑی اور بنیادی قسموں میں تقسیم ہوتی ہے اور وہ "صحیح اور حسن" ہیں ان میں سے ہر ایک آگے دو ذیلی قسموں پر مشتمل ہے جنھیں "لذاتہ" اور "لغیرہ" کے لفظوں سے یاد کیا جاتا ہے۔ یوں حدیثِ مقبول نتیجتاً چار قسموں میں تقسیم ہوتی ہے۔ جو یہ ہیں:

(۱) صحیح لذاتِہِ (۲) صحیح لغیرِہِ

(۳) حسن لذاتِہِ (٤) حسن لغیرِہِ

آگے ان میں سے ہر ایک قسم کی تفصیلی بحث قارئین کی نذر کی جاتی ہے!

❶ اس سے قوت میں مراتب کا فرق مراد ہے (علوم الحدیث، ص: ۸۳) نسیم

۱۔ صحیح لذاته

ا: صحیح لذاتہ کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ صحیح (جس کا لغوی معنی تندرست اور بیماری اور عیب سے پاک ہونا ہے) یہ ''سقیم'' کی ضد ہے (جس کا معنی بیمار ہے) لفظِ صحیح (کا یہ لغوی معنی) ''اجسام'' میں (یعنی امور حسیہ میں) تو ''حقیقت'' ❶ ہے جب کہ ''حدیث'' اور جملہ معانی میں ''مجاز'' ہے۔

ب: تعریف کی شرح:

مذکورہ بالا تعریف چند ایسے امور پر مشتمل ہے جن کا (صحیح حدیث میں) پایا جانا ضروری ہے۔ ❷ تا کہ حدیث ''صحیح'' بن سکے۔ ذیل میں ان امور کو ترتیب وار بیان کیا جاتا ہے۔

الف:......اتصالِ سند: اتصالِ سند سے مراد یہ ہے کہ سند میں مذکورہ ہر راوی نے اس حدیث کو بلاواسطہ اپنے سے اوپر کے راوی سے لیا ہو اور بلاواسطہ حدیث لینے کا یہ سلسلہ شروع سے لے کر آخر تک قائم رہا ہو۔

ب:......عدالت رواۃ: ❸ یعنی سند کا ہر راوی مسلمان، عاقل، بالغ، متقی اور نیک ہو اور اس کی شرافت و مروت ہر قسم کے عیب اور داغ سے خالی ہو۔

ج:......ضبط رواۃ: یعنی سندِ حدیث کا ہر راوی (حدیث سننے کے بعد اسے) یاد رکھنے کا پورا اہتمام کرنے والا ہو خواہ ذاتی حافظہ سے اور چاہے (اسکو) ضبطِ تحریر میں لانے کے ذریعے سے۔

د:......عدم شذوذ: یعنی وہ حدیث شاذّ نہ ہو اور شذوذ (اصطلاح میں) کسی ثقہ راوی کے اپنے سے بھی زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت کرنے کو کہتے ہیں۔ (دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ عدمِ شذوذ یہ ہے کہ سندِ حدیث کا کوئی ثقہ راوی اپنے سے فائق ثقہ راوی کی مخالفت کرنے والا نہ ہو)۔

ھ:......عدم علّت (یعنی اس حدیث کا غیر معلول ہونا): یعنی وہ حدیث معلول نہ ہو اور علّت ایسے مخفی اور گہرے سبب کو کہتے ہیں جو حدیث کی صحت پر اثر انداز ہو۔ (غرض صحیح حدیث وہ ہے جو کسی مخفی عیب اور نقص سے بھی خالی ہو)

❶ ''حقیقت'' وہ لفظ ہے جو اپنے معنی موضوع لہ میں استعمال ہو۔ (''التعریفات'' للجرجانی ص ٦٥ کالم نمبر ١ اصطلاح نمبر ٥٩٤) اور ''مجاز'' وہ لفظ ہے جو اپنے معنی کے علاوہ میں یعنی غیر موضوع لہ میں استعمال ہو۔ (دروس البلاغة مع شرحہ شموس البراعة ص ١١٢) نعیم

❷ گویا کہ صحیح حدیث کے لیے یہ امور جو پانچ ہیں، شروط کا درجہ رکھتے ہیں۔ نعیم

❸ دین کے بارے میں کسی کا لائق اطمینان ہونا عدالت کہلاتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ٥٥ حاشیہ نمبر ١) نعیم

اور ساتھ ہی اس کا ظاہر بھی ہر قسم کے عیب سے خالی ہو۔

۳۔ حدیث صحیح کی شروط:

صحیح حدیث کی شرح سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحیح حدیث کی وہ شروط جن کا حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس میں پایا جانا ضروری ہے، پانچ ہیں۔ جو یہ ہیں:

۱۔ اتصالِ سند ۲۔ عدالت رواۃ

۳۔ ضبط رواۃ ۴۔ عدمِ علت

۵۔ عدمِ شذوذ

لہٰذا جب بھی کسی حدیث میں ان مذکورہ شروط میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہوئی، تو وہ حدیث ''صحیح'' کہلانے کی سزاوار نہ ہوگی۔

۴۔ صحیح حدیث کی مثال:

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی ''صحیح'' میں فرماتے ہیں:

((حدّثنا عبداللہ بن یوسف ...... قال: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قرأ فی المغرب بالطور)) ❶

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ہمیں عبداللہ بن یوسف نے، وہ کہتے ہیں ہمیں مالک نے ابن شہاب سے، انھوں نے محمد بن جبیر بن مطعم سے، انھوں نے اپنے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازِ مغرب میں سورۂ طور کی تلاوت کرتے سنا۔''

(آیئے! ذیل میں مذکورہ بالا پانچ شروط کی روشنی میں اس حدیث کے صحیح ہونے کا جائزہ لیتے ہیں) یہ حدیث صحیح ہے کیوں کہ:

الف:...... اس کی سند متصل ہے: کیوں کہ اس روایت کے ہر راوی نے حدیث کو براہِ راست اپنے شیخ سے سنا ہے، رہ گیا مالک، ابن شہاب اور ابن جبیر کا ''عنعنه'' ❷ تو اس کو ''اتصال'' پر محمول کیا جائے گا، کیوں کہ ان مذکورہ بزرگوں میں سے کوئی بھی مدلس ❸ نہیں۔

❶ بخاری/ کتاب الاذان باب الجهر فی المغرب ۲/ ۲٤۷ حدیث رقم ۷٦٥ بلفظه

❷ عَنْعَنَةٌ: حدیث کو اپنے شیخ سے ''عن'' کے لفظ کے ساتھ روایت کرنے کو ''عنعنه'' کہتے ہیں۔ ''مُعَنْعَن'' کے بیان میں عنعنه کا تفصیلی حکم آگے آرہا ہے۔ (محمود طحان)

❸ مُدَلِّس۔ تدلیس کرنے والے کو کہتے ہیں۔ تدلیس حدیث کی اسناد میں ہوتی ہے۔ تدلیس المحدّث فی الاسناد حدیث بیان کرنے والے کا اپنے معاصر سے ایسی روایت کرنا ہے جو اس سے سنی نہ ہو، لیکن بیان اس طرح کرے کہ گویا اس نے اس سے سنی ہے یا محدث کا اپنے شیخ کا ایسا نام لینا جس سے وہ مشہور نہ ہو کہ یہ ''تدلیس المحدّث فی الاسناد'' کہلاتا ہے۔ (القاموس الوحید ص ۵۳۷ کالم نمبر ۲) نسیم

ب، ج:......اس کے رواۃ عادل اور ضابط ہیں: علماء جرح وتعدیل نے ان بزرگوں کے بارے میں کیا کہا ہے ذیل میں اس کا مختصر تعارف ملاحظہ ہو!

(۱) عبداللہ بن یوسف: ثقہ ہے، مُتقن ہے۔ [1]

(۲) مالک بن انس: امام ہیں حافظ ہیں۔ [2]

(۳) ابن شہاب زہری: فقیہ [3] ہیں، حافظ ہیں اور ان کی علمی جلالت اور حدیث میں مہارت (اِتقان) پر سب متفق ہیں۔

(۴) محمد بن جبیر: ثقہ ہیں۔

(۵) جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ: صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

د:......اس لیے کہ یہ حدیث غیر شاذ ہے: کیوں کہ اس سے قوی کوئی حدیث اس کے معارض نہیں۔

ھ:......اور اس لیے کہ اس حدیث میں کوئی علت نہیں پائی جاتی۔

۵۔ صحیح حدیث کا حکم:

تمام معتبر علماء اصول، فقہاء اور محدثین کے نزدیک بالا جماع ''صحیح'' حدیث پر عمل کرنا واجب ہے اور ''صحیح حدیث'' دلائلِ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے اور کسی مسلمان کے لیے بھی اس پر عمل ترک کرنے کی گنجائش نہیں۔

۶۔ محدثین کے اس قول ''یہ حدیث صحیح ہے'' یا ''یہ حدیث غیر صحیح ہے'' کی مراد:

الف:......محدثین کے اس قول، ''یہ حدیث صحیح ہے'' سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ گزشتہ مذکورہ پانچوں شروط اس حدیث میں پائی جاتی ہیں، نا کہ یہ بات ہے کہ نفس امر میں اس حدیث کی صحت یقینی ہے، کیوں کہ بھول چوک کا امکان کسی ثقہ راوی سے بھی ہوسکتا ہے۔

ب:......اور محدثین کے اس قول، ''یہ حدیث غیر صحیح ہے'' سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث میں گزشتہ مذکورہ سب کی سب یا بعض شروط نہیں پائی گئیں۔ نا کہ یہ بات ہے کہ یہ حدیث ''نفسِ امر'' میں جھوٹ اور غلط ہے، کیوں کہ درستی اور درست بات کا امکان اس شخص سے بھی ہوتا ہے جو بہت زیادہ خطا کر جاتا ہو۔ [4]

---

[1] ثِقَةٌ: قابلِ اعتماد، معتبر اور معتمد علیہ (القاموس الوحید، ص: ۱۸۱) مُتْقِنٌ۔ پختہ کار، ماہر وحاذق آدمی (ایضا) ص ۲۰۰ نمبر ۲) نسیم

[2] حافظ کی تعریف گزشتہ میں گزر چکی ہے اور ''امام'' اپنے معروف معنی میں ہے یعنی امام، قائد، پیشوا اور سربراہ۔ مراد حدیث میں درجہء امامت پر فائز ہونا ہے کہ دوسرے ان سے رہنمائی لیں۔ لفظ امام کے معنی کے لیے دیکھیں ''القاموس الوحید، ص: ۱۳۵ کالم نمبر ۱''۔ نسیم

[3] فقیہ۔ صاحبِ فہم عالم، اصولِ شریعت اور احکامِ شریعت کا عالم اور ماہر (القاموس الوحید، ص: ۱۲۴۸ کالم نمبر ۲) نسیم

[4] دیکھیں: تدریب الراوی ۱/ ۷۵۔۷۶

۷۔ کیا کسی سند کے بارے میں مطلق یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ "سب سے صحیح" سند ہے؟

اس بارے میں مختار قول یہ ہے کہ کسی اسناد کے بارے میں یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مطلقاً یہ سب سے زیادہ صحیح حدیث ہے، کیوں کہ اسناد کی صحت کے مراتب میں فرق اس کے شروطِ صحت کو پالینے اور انھیں حاصل کر لینے پر مبنی ہے (کہ جتنی کسی اسناد میں صحت کی شروط زیادہ ہوں گی اتنی اسناد کی صحت اعلیٰ درجہ کی ہوگی اور جتنی کسی اسناد میں صحت کی شروط کم ہوں گی اتنی اس کی صحت کم درجہ کی ہوگی) اور دوسرے صحت کی جملہ شروط میں اعلیٰ درجات کا پایا جانا نادر ہے۔ اسی لیے اولیٰ یہ ہے کہ کسی اسناد پر "اصح الاسانید" کا مطلق حکم لگانے سے گریز ہی کیا جائے۔ مگر اس کے باوجود بعض ائمہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ فلاں اسناد "اصحّ الإسانید" ہے اور بظاہر ہر امام نے اس اسناد کو "اصحّ الاسانید" کہنے میں ترجیح دی ہے جو اس کے نزدیک قوی ہے، ذیل میں چند اقوال نقل کیے جاتے ہیں کہ ائمہ محدثین نے (اپنی اپنی تحقیق کے مطابق) کن اسانید کو "اصحّ الاسانید" کہا ہے:

الف:......الزهريُّ عن سالم عن ابيه ❶

یہ اسحاق بن راہویہ اور امام احمد کی رائے ہے۔

ب:......ابن سيرين عن عبيدة عن عليّ ❷

یہ ابن المدینی اور فلاس کا قول ہے۔

ج:......الاعمش عن ابراهيم عن علقمة عن عبدالله ❸

یہ قول ابن معین کا ہے۔

د:...... الزهري عن عليّ بن الحسين، عن ابيه، عن عليّ

یہ ابوبکر بن ابی شیبہ کی رائے ہے۔

ھ:......مالك رحمہ اللہ عن نافع، عن ابن عمر رضی اللہ عنہ

یہ امام بخاری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ❹

---

❶ ابیہ سے مراد حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں (طحان) ❷ ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب مراد ہیں (طحان)

❸ ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہیں (طحان)

❹ علامہ اسعدی رقم طراز ہیں: "اسانید کے متعلق بہت کچھ کہا گیا ہے کسی نے اشخاص کے اعتبار سے "اصح الاسانید" کا حکم لگایا ہے، کسی نے کسی خاص شہر اور علاقے کے باشندوں کے اعتبار سے یہ حکم لگایا ہے۔ بعض نے صحابہ اور مخصوص اساتذہ و شیوخ حدیث کے اعتبار سے اس کا فیصلہ کیا ہے۔ غرض اس قسم کے فیصلے ہر ایک نے اپنی اپنی تحقیق اور معلومات کی بنیاد پر کیے ہیں۔ لیکن پسندیدہ یہ ہے کہ کسی سند کو "اصح الاسانید" (صحیح ترین سند) نہ کہا جائے۔ کیوں کہ صحت کے مراتب کا فرق و تفاوت شروطِ صحت کے پائے جانے اور نہ پائے جانے پر موقوف ہے اور کسی سند کے تمام رواۃ کا شروطِ صحت کے اعلیٰ مراتب پر پایا جانا نادر ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جن اسانید کے متعلق ائمہ حدیث نے کسی اعتبار سے یہ فیصلہ کیا ہے، وہ اُن اسانید پر راجح قرار پائیں گی جن کے متعلق ائمہ سے اس قسم کے فیصلے منقول نہیں"۔ (علوم الحدیث، ص: ۸۵ بتصرف بحواله نزهة النظر ص ۳۰) نیم

۸۔ خالص صحیح احادیث پر مبنی پہلی تصنیف کون سی ہے؟

خالص صحیح احادیث پر مشتمل لکھی جانے والی پہلی کتاب "صحیحُ البخاری" ہے پھر "صحیح مسلم" ❶ قرآنِ کریم کے بعد سب سے زیادہ صحیح ترین کتابیں یہ دو ہیں اور ان دونوں کتابوں (پر اعتماد کرنے اور عمل کے حق میں ان) کو لینے میں امت کا اجماع ہے۔

الف: ...... بخاری اور مسلم میں زیادہ صحیح کتاب کون سی ہے؟

(اگر چہ مسلم کی بعض روایات بخاری کی بعض روایات سے فائق بھی مانی گئی ہیں لیکن اکثر علمائے فن کی رائے یہ ہے کہ مجموعی اعتبار سے) بخاری، مسلم سے زیادہ صحیح بھی ہے اور اس کے (احوال وخواص اور) فوائد بھی مسلم سے زیادہ ہیں۔ کیوں کہ بخاری کی اسانید کا مرتبہ اتصال کے اعتبار سے بھی زیادہ ہے اور ان کے رجال بھی زیادہ ثقہ ہیں۔ (بخاری کی مسلم پر یہ فوقیت تو صحت کے اعتبار سے ہے۔ رہی بخاری کی مسلم پر فنی اور معنوی فوقیت) اور (بے شمار فوائد ونکات پر مشتمل ہونے کے اعتبار سے فوقیت، تو وہ) اس لیے (ہے) کہ بخاری شریف میں جن فقہی استنباطات اور حکیمانہ نکات کو بیان کیا گیا ہے مسلم شریف ان سے خالی ہے۔ ❷

بہر حال صحیح بخاری کا صحیح مسلم سے زیادہ صحیح ہونا باعتبار مجموعی ہے وگرنہ مسلم کی بعض روایات بخاری کی بعض روایات سے زیادہ قوی اور فائق ہیں۔ ❸

اگر چہ ایک قول "مسلم" کے زیادہ صحیح ہونے کا بھی ہے مگر درست قول پہلا ہی ہے۔

ب: کیا حضرات شیخین نے "صحیح احادیث" کا استیعاب کر لیا تھا یا فقط صحیح احادیث کے لانے کا التزام واہتمام ہی کیا تھا (جب کہ صحیح احادیث صحیحین میں مذکورہ احادیث کے سوا اور بھی ہیں)؟

(درست یہ ہے کہ) حضرات شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں نہ تو سب کی سب صحیح احادیث جمع کی ہیں اور نہ اس کا

---

❶ اور لطف کی بات یہ ہے کہ زمانی اعتبار سے بھی بخاری کو مسلم پر فوقیت ہے، کیوں کہ بخاری پہلے لکھی گئی اور مسلم بعد میں، امت نے ان دونوں کتابوں پر بالاتفاق اعتماد واعتبار کیا ہے اسی لیے ان دونوں کتابوں کو "صحیحین" اور ان دونوں کے مؤلفین کو "شیخین" کے گرامی قدر لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۸٦ بتصرفٍ) نعیم

❷ اور ان فقہی استنباطات اور حکیمانہ نکات کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے قائم کردہ نادرۂ روزگار یکتائے زمانہ، بے مثل و بے نظیر تراجم" (یعنی عناوینِ ابواب) اور ان کے متعلقات کے ذریعہ اشارہ کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۸٦ بتصرفٍ) نعیم

❸ بعض علماء نے "حسن ترتیب" کے لحاظ سے مسلم کو بخاری سے فائق قرار دیا ہے۔ کیوں کہ امام مسلم نے جن احادیث کو جمع کرنے کا قصد کیا ان میں سے ہر ایک کے تمام طرق کو مختلف اسانید والفاظ کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اگر چہ مسلم میں بخاری اور دیگر کتب کی طرح عناوین قائم نہیں۔ جب کہ بخاری کا معاملہ تو یہ ہے کہ تمام طرق کا ایک جگہ جمع کرنا تو درکنار، عنوان کے اعتبار سے کسی موقع پر جو ظاہری مناسبت کسی حدیث کی معلوم ہوتی ہے اکثر اس موقع پر اس حدیث کو ذکر نہیں کرتے۔ اس لیے بخاری میں محض مسئلہ کی "مناسبت" کی بنیاد پر کسی حدیث کو تلاش کرنا عموماً آسان کام نہیں۔ بخاری کے متعلق اس سلسلہ کی معلومات ایک مستقل فن کا درجہ رکھتی ہیں۔ اور "تراجم ابواب" کی ان کے تحت ذکر کردہ احادیث سے مناسبت علیحدہ ایک فن ہے جن پر مستقلاً کتابیں تحریر کی گئی ہیں۔ (علم الحدیث ملخصاً، ص: ۸٦۔۸۷) نعیم

التزام کیا ہے۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''میں نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث ہی کو لیا ہے اور بہت سی صحیح احادیث کو طوالت کی بنا پر چھوڑ دیا ہے۔'' ❶

اور امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ بات نہیں کہ ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی میں نے اس کو اپنی کتاب میں بھی درج کر دیا ہو بلکہ میں نے تو صرف ان احادیث کو اس کتاب میں جمع کیا ہے جن کی صحت پر محدثین کا اجماع ہے۔'' ❷

ج: ......کیا تھوڑی یا زیادہ احادیث صحیحہ ایسی بھی ہیں جو ان حضرات کے اپنی اپنی کتابوں میں درج کرنے سے رہ گئی ہوں؟ (اس بابت دو اقوال ہیں):

۱۔ حافظ ابن اخرم کہتے ہیں، ''ایسی احادیث تھوڑی ہی ہیں جو ان حضرات کے درج کرنے سے رہ گئی ہیں'' مگر محدثین نے حافظ ابن اخرم کے اس قول پر انکار کیا ہے۔

۲۔ صحیح یہ ہے کہ احادیث کی ایک اچھی خاصی تعداد ہے جو حضرات شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں ذکر نہیں کی۔ خود امام بخاری رحمہ اللہ سے منقول ہے، وہ فرماتے ہیں: ''میں نے جن صحیح احادیث کو چھوڑا ہے وہ (احادیث تعداد میں ان احادیث سے) کہیں زیادہ ہیں (جو میں نے درج کی ہیں)۔''

اور (ایک موقع پر امام بخاری نے) یہ (بھی) فرمایا، ''مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں۔'' ❸

د: صحیحین کی احادیث کی تعداد:

۱۔ ''صحیح البخاری'' صحیح بخاری کی احادیث کی کل تعداد سات ہزار دو سو پچھتر (۷۲۷۵) ہے اور یہ شمار مکرر احادیث کو ملا کر ہے اور اگر مکرر احادیث کو حذف کر دیا جائے تو بخاری کی احادیث کی تعداد صرف چار ہزار (۴۰۰۰) ہے۔

۲۔ ''صحیح مسلم'' مکرر احادیث سمیت مسلم کی کل احادیث کی تعداد بارہ ہزار (۱۲۰۰۰) ہے، جب کہ مکرر احادیث حذف کر کے احادیث کی کل تعداد تقریباً چار ہزار (۴۰۰۰) ہے۔

❶ حضرات شیخین کے اپنے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگوں نے اپنی اپنی تحقیقات کے مطابق لاکھوں کی تعداد میں احادیث کے ذخیرہ سے محض چند ہزار احادیث کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے اور ان بزرگوں نے خود ہی تصریح کر دی ہے کہ ہم نے تمام احادیث صحیحہ کو اپنی کتابوں میں جمع نہیں کیا۔ (علوم الحدیث بتصرف، ص: ۸۸) نسیم

علامہ طحان لکھتے ہیں: بعض روایات میں ''حال'' (اور خیال) کی بجائے ''ملال'' کا لفظ آتا ہے۔ یعنی امام صاحب رحمہ اللہ نے متعدد صحیح احادیث کو اپنی کتاب میں اس خوف سے درج نہ کیا کہ کہیں کتاب طویل نہ ہو جائے اور لوگ اس کی طوالت سے اکتا نہ جائیں۔''

❷ یعنی امام مسلم نے اپنی صحیح میں صرف ان احادیث کو جمع کیا ہے جن میں امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک بالاجماع صحیح کی شروط پائی جاتی ہیں۔ (علامہ طحان)

❸ علوم الحدیث لا بن الصلاح ص ۱٦ (علامہ طحان) غرض ان تصریحات کی بنا پر علماء محققین اس بات کے قائل ہیں کہ صحیح احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ ان کتابوں میں درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۸۸) نسیم

ھ: بخاری اور مسلم سے رہ جانے والی صحیح احادیث کن کتابوں میں ہیں؟

ان احادیث کو ہم مشہور اور معتبر احادیث میں پا سکتے ہیں جیسے ''صحیح ابن خزیمہ''، ❶ ''صحیح ابن حبان''، المستدرک للحاکم، سنن اربعہ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)، سنن دارقطنی اور سنن بیہقی وغیرہ۔ ❷

اور صرف انھی کتابوں میں احادیث کا پایا جانا ہی کافی نہیں بلکہ ان کی صحت پر تصریح کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ الا یہ کہ یہ احادیث ایسی کتب میں ہوں جن کے مولفین نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث کے لانے کا التزام کیا ہو جیسے صحیح ابن خزیمہ۔

۹۔ مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ پر تبصرہ:

الف:...... المستدرك للحاكم: یہ کتب احادیث میں ایک ضخیم کتاب ہے اور مولف موصوف نے اس میں ان احادیث کو تخریج کیا ہے جو شیخین کی شرط پر ہیں یا دونوں میں سے کسی ایک کی شرط پر ہیں مگر ان حضرات نے ان احادیث کو اپنی کتب میں روایت نہیں کیا۔ اسی طرح امام موصوف نے اس کتاب میں ان احادیث کو بھی جمع کیا ہے جو ان کے نزدیک صحیح ہیں اگرچہ شیخین میں سے کسی ایک کی شرط پر نہ بھی ہوں اور ان احادیث کو ''صحيح الاسناد'' کے لفظ ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔ البتہ کبھی غیر صحیح حدیث بھی ذکر کر دیتے ہیں مگر ساتھ ہی اس پر تنبیہ بھی کر دیتے ہیں۔ البتہ حاکم حدیث کی تصحیح میں بہت زیادہ محتاط نہیں تھے۔ اسی لیے مناسب یہ ہے کہ حاکم کی احادیث کو لینے سے پہلے ان کی خوب تحقیق کر لی جائے اور احادیث کے حسب حال ان پر حکم بھی لگا دیا جائے۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے حاکم کی کتاب کا خوب تتبع کیا ہے اور اُن کی احادیث کی تسلی بخش تحقیق کی ہے اور ہر حدیث پر اس کے حال کے مطابق حکم لگایا ہے۔ مگر حاکم رحمہ اللہ کی یہ کتاب ابھی تک (یعنی مزید) تحقیق اور چھان پھٹک کی جانے کی محتاج ہے۔ ❸

ب:...... صحيح ابن حِبّان: اس کتاب کی نمایاں خوبی یہ ہے کہ اس کی ترتیب (سب کتابوں سے ہٹ کر) نئی

---

❶ رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے بندہ عاجز محمد آصف نسیم کو صحیح ابن خزیمہ کے ترجمہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے جو کہ اسی ادارہ سے شائع ہو کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ ''وَاِلَى اللّٰهِ اِتْمَامُ الْاَمْرِ''

❷ ان کے علاوہ بھی معتمد اور معتبر ائمہ محدثین کی کتب ہیں مگر وہ صحت میں صحیحین کی ہم پلہ نہیں۔ کچھ تو ان کے مولفین کی وجہ سے اور کچھ ان میں صحیحین کے جیسا اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے۔ اس لیے وہ کتابیں جن میں صرف صحیح احادیث لانے پر اکتفاء کیا گیا ہے اور اس کی تصریح بھی موجود ہے، ان احادیث پر مستقل صحت تصریح کے بغیر بھی اعتماد کرنا جائز ہے۔ جیسے صحیح ابن خزیمہ کہ اس کے مولف صحیح حدیث لانے میں بے حد محتاط تھے حتیٰ کہ معمولی کلام کی وجہ سے بھی حدیث کی صحت کی تصریح کرنے سے توقف کر لیتے تھے اور جن کتابوں میں یہ اہتمام نہیں کیا گیا اور اکثر کتابیں ایسی ہی ہیں، ان کی احادیث کے متعلق یہ حکم ہے کہ جب تک ان کے صحیح ہونے کی تصریح موجود نہ ہو ان کو حجت و دلیل بنانا جائز نہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۸۹ ملخصا و بتصرف) مستدرک حاکم، صحیح ابن حبان اور صحیح ابن خزیمہ پر مستقل تعارف و تبصرہ اوپر متن میں آ رہا ہے۔ نسیم

❸ ابھی حال ہی میں برادر محترم فضیلت الشیخ محقق دکتور محمود عمیرہ نے مستدرک حاکم کی ان احادیث پر حکم لگایا ہے جن پر حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ بھی حکم نہیں لگایا اور یہ حکم ہر حدیث کے حسب حال ہے۔ ابھی تک یہ مخطوطہ کی شکل میں ہے اور برادر موصوف کی نیت ہے کہ وہ مستدرک حاکم کو اپنی اس علمی کاوش کا زیور پہنانے کے بعد چھاپیں گے۔ اللہ تعالیٰ انھیں سب مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر دے آمین (محمود طحان)

ہے۔ کہ نہ تو یہ ابواب پر مرتب ہے اور نہ مسانید کے طرز پر ہے۔ اسی لیے مولف موصوف نے اپنی اس کتاب کا نام "التقاسیم والانواع" رکھا ہے۔ اس کتاب سے کسی حدیث کو تلاش کرنا ایک خاصا مشکل کام ہے۔ بعض متاخرین نے اس کو ابواب پر مرتب کیا ہے۔ ❶ ابن حبان بھی حدیث پر صحت کا حکم لگانے میں کافی تساھل اور بے احتیاط ہیں۔ البتہ بہ نسبت حاکم کے کم غیر محتاط ہیں۔ ❷

ج:...... صحیح ابن خزیمہ: یہ کتاب مرتبہ میں صحیح ابن حبان سے بلند مرتبہ ہے۔ کیوں کہ امام موصوف اپنی کتاب میں مذکورہ احادیث پر کسی قسم کا حکم لگانے میں بے حد محتاط تھے حتیٰ کہ اگر اسناد میں ادنیٰ سا بھی احتمال ہو تو امام موصوف اس پر صحت کا حکم لگانے میں توقف فرماتے ہیں۔ ❸

۱۰۔ صحیحین پر "مستخرجات"

(مستخرجات یہ "مستخرج" کی جمع ہے)

الف:...... مستخرج کا موضوع: مستخرج کا موضوع (یا طریق تالیف) یہ (ہوتا) ہے کہ اس کا مصنف کتبِ احادیث میں سے ایک کتاب کو لیتا ہے اور اس کی احادیث کو ان کی اسانید سمیت اپنے لیے صاحبِ کتاب کے طریق سے ہٹ کر تخریج کرتا ہے اور صاحبِ کتاب کے شیخ یا اس کے اوپر کے راوی میں صاحب کتاب کے ساتھ اکٹھا ہو جاتا ہے۔

ب:...... صحیحین پر لکھی جانے والی چند مشہور "مستخرجات" ❹

۱۔ "المستخرج"...... یہ ابوبکر اسماعیلی متوفی ۳۷۱ھ کی تالیف ہے جو بخاری پر ہے۔

۲۔ "المستخرج"...... یہ "ابو عوانہ اسفرائینی" متوفی ۳۱۶ھ کی تالیف ہے جو مسلم پر ہے۔

۳۔ "المستخرج"...... یہ ابونعیم اصبہانی کی تالیف ہے (متوفی ۴۳۰ھ) یہ صحیحین پر ہے۔

ج:...... کیا مستخرجات کے مؤلفین نے اپنی کتب میں صحیحین کے الفاظ کی موافقت کی ہے؟...... ان کتب کے مؤلفین نے صحیحین کی موافقت کا التزام نہیں کیا، کیوں کہ وہ ان الفاظ کی رعایت کرتے ہیں جو اُن تک ان کے شیوخ کے واسطے سے پہنچے ہوتے ہیں اسی لیے ان مستخرجات میں گاہ گاہ الفاظ کا معمولی فرق بھی پایا جاتا ہے۔

اسی طرح متقدمین مولفین جیسے بغوی اور بیہقی وغیرہ نے اپنی مستقل تصانیف میں جن روایات کو یہ کہہ کر تخریج کیا

---

❶ یہ امیر علاؤالدین ابوالحسن علی بن بلبان متوفی ۷۳۹ھ ہیں۔ انھوں نے اپنی ترتیب کو "الاحسان فی تقریب ابن حبان" کا نام دیا ہے۔ (طحان)

❷ تدریب الراوی ۱/ ۱۰۹ (طحان) ان دونوں بزرگوں کے اسی تساھل کی وجہ سے ان کے فیصلہ پر حافظ ذھبی رحمہ اللہ جیسے مزید کسی معتمد و محقق کے فیصلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۸۹ بتصرفٍ) نسیم

❸ تدریب الراوی ۱/ ۱۰۹ (طحان)

❹ یوں تو مستخرجات کی تعداد دسیوں ہے اور صحیحین کے علاوہ دیگر معتمد کتب احادیث مثلاً ابوداؤد، ترمذی اور مستدرک وغیرہ پر بھی مستخرجات ہیں مگر مشہور صحیحین کی بعض مستخرجات ہیں جن میں سے تین کا تعارف اوپر متن میں دیا گیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۰ بتصرف) نسیم

ہے کہ، "رواہ البخاری" یا "رواہ مسلم" ان روایات میں کہیں کہیں الفاظ اور معانی کا معمولی فرق پایا جاتا ہے۔ ❶ چناں چہ "رواہ البخاری و مسلم" وغیرہ جیسے الفاظ سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ بخاری اور مسلم میں اس حدیث کی اصل مروی ہے۔ (گو الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ ہی ہو)۔

د:...... کیا ہمارے لیے یہ بات جائز ہے کہ ہم کتبِ مستخرجات میں سے ایک حدیث نقل کر کے اسے صحیحین کی طرف منسوب کر دیں؟ گزشتہ مذکورہ تفصیل کی بنا پر کسی شخص کے لیے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وہ مستخرجات سے یا ان کتب سے جن کا ابھی تعارف گزرا ہے، ایک حدیث نقل کرے اور پھر یہ کہے، ''اس کو بخاری یا مسلم نے روایت کیا ہے'' البتہ اگر دو میں سے ایک بات پائی جائے تو پھر ایسا کہہ سکتے ہیں:

۱۔ جب مستخرجات کی حدیث کا صحیحین کی روایت سے موازنہ کر لیا جائے۔

۲۔ یا مستخرج کا مصنف یہ کہے: ''شیخین نے اس روایت کو انھی لفظوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' ❷

ھ:...... "المستخرجات علی الصحیحین" کے فوائد: صحیحین پر مستخرجات کے تقریباً دس فوائد ہیں (جو حضرات محدثین نے شمار کروائے ہیں) علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۱۵۔۱۱۶" میں ان کو مفصل ذکر کیا ہے۔ ہم ان میں سے چند اہم فوائد کو قارئین کی نذر کرتے ہیں:

۱۔ علوِ اسناد:...... (یعنی کم واسطوں سے کسی حدیث کا نقل کرنا) کیوں کہ ''مستخرج'' کا مصنف اگر مثلاً کسی حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کے واسطے سے نقل کرے تو (اس کے واسطے زیادہ ہو جائیں گے اور) وہ اس طریق سے نیچے چلا جائے گا۔ جس سے اس نے حدیث کو ''مستخرج'' میں روایت کیا تھا۔

۲۔ صحیح حدیث کی ''مقدار'' میں اضافہ:...... وہ اس طرح کہ بعض احادیث میں زائد الفاظ اور تکملہ آ جاتا ہے (جس سے حدیث کی افادیت میں اضافہ ہو جاتا ہے)۔ ❸

۳۔ کثرتِ طرق کی بنا پر روایت کی قوت:...... اور کثرت طرق سے قوت کا فائدہ معارضہ کے وقت اس روایت کا راجح ہونا ہوتا ہے۔ ❹

---

❶ اور اس فرق کے پائے جانے کی وجہ یہ ہے کہ کتب مستخرجات کے مؤلفین کی نظر اصل مضمون اور سند پر ہوتی ہے اور وہ ان احادیث کو اپنے اپنے واسطوں سے نقل کر رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے الفاظ کا معمولی فرق در آنا بدیہی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۱ بتصرفٍ) نسیم

❷ ان دو میں سے ایک بات اس لیے شرط ہے، کیوں کہ مستخرجات میں الفاظ کا معمولی تفاوت اور فرق ہوتا ہے اس لیے ان کی روایات کو علی الاطلاق بخاری یا مسلم کی روایت کہنا درست نہ ہوگا۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۱ بتصرفٍ) نسیم

❸ اور اس کی صورت یہ ہے کہ کبھی اصل کتاب میں روایت کے جو اور جتنے الفاظ ہوتے ہیں مستخرج کی روایت میں الفاظ مختلف اور زائد ہو جاتے ہیں، جب کہ روایات دونوں صحیح ہوتی ہیں یوں مستخرج کی روایت اصل کتاب کی روایت پر اضافہ کا باعث بن جاتی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۲ بتصرفٍ) نسیم

❹ کیوں کہ مستخرج کی روایت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اصل میں ذکر کردہ روایت دوسرے طرق سے بھی مروی ہے اور متعدد طرق سے مروی ہونا کسی روایت کی قوت کا باعث ہوتا ہے، جس کا ایک خاص فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی دوسری صحیح حدیث سے اصل کتاب کی حدیث کا تعارض ہو جائے تو متعدد طرق سے مروی ہونے کی بنا پر یہ حدیث دوسری پر راجح اور فائق قرار پاتی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۲ بتصرفٍ) نسیم

۴۔ شیخین نے جو کچھ روایت کیا ہے ان میں سے کس پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے؟......گزشتہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ حضرات شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں صرف صحیح احادیث کو ہی شامل کیا ہے اور امت نے ان دونوں کو بنظرِ قبولیت لیا ہے۔

اب اے پڑھنے والے! ان کتابوں کی وہ کون سی احادیث ہیں جن پر صحت کا حکم ہے اور انھیں امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جن احادیث کو تو ان دونوں بزرگوں نے سندِ متصل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1] ان پر صحت کا حکم جاری ہوگا۔ رہ گئیں وہ روایات جن کی اسناد کے شروع میں ایک یا زیادہ راوی مذکور نہیں۔ جنھیں ''معلق'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کی تعداد بخاری میں بہت زیادہ ہے۔ البتہ ایسی روایات یا تو ''تراجمِ ابواب'' میں ہیں یا مقدماتِ (احادیث) میں (مذکور) ہیں اور ان میں سے کچھ بھی اصلِ باب میں بالکل نہیں پایا جاتا۔ (یہ تو تعلیقات کی بابت بخاری کا حال تھا) جب کہ ''مسلم'' میں ایسی صرف ایک ہی حدیث ہے جو ''بـــاب التیـمـم'' میں مذکور ہے اور دوسری جگہ موصولاً مذکور نہیں۔ صحیحین کی ایسی جملہ احادیث کا حکم مندرجہ ذیل ہے:

الف: ......ان میں جو روایت جزم کے صیغہ کے ساتھ ہو (کہ انھیں ایسے الفاظ کے ساتھ ذکر کیا جائے جن میں قطعیت کے ساتھ ان کی کسی کی طرف نسبت ہو) جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا ''قَـالَ، اَمَـرَ اور ذَکَـرَ'' وغیرہ کہنا، تو ان اشخاص کے اعتبار سے ایسی روایت پر صحت کا حکم لگایا جائے۔ جن کی طرف یہ منسوب کی گئی ہیں۔

ب: ......اور جن روایات میں جزم کا صیغہ (اور قطعیت کی تعبیر) نہ ہو (یعنی وہ روایت ایسے الفاظ کے ساتھ ہو جن میں قائل متعین شخص نہ ہو) جیسے یُروٰی، یُذْکَرُ، یُحکٰی، رُوِیَ اور ذُکِرَ جیسے کلمات تو منسوب الیہ کے اعتبار سے ان پر صحت کا حکم نہ لگایا جائے گا۔ مگر اس سب کے باوجود بخاری میں ایک بھی واہی (یعنی کمزور) حدیث نہیں ہے، کیوں کہ ان جملہ روایات کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ''صحیح'' نامی کتاب میں شامل کیا ہے۔

۱۲۔ احادیث صحیحہ کے مراتب:

گزشتہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بعض علماء نے (بعض اسانید کے بارے میں) یہ کہا ہے کہ ''یہ اسناد ہمارے نزدیک سب سے صحیح ترین ہے۔'' لہٰذا اس بنا پر اور کسی حدیث میں باقی شروطِ صحت کے پائے جانے کے اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ''اسناد کے رجال کے اعتبار'' سے صحیح حدیث کے تین مراتب'' ہیں، جو یہ ہیں:

[1] علامہ اسعدی اس مقام پر لکھتے ہیں: ''اب تک کی جملہ تفصیلات صحیحین کی ان احادیث کے بارے میں تھیں جنھیں شیخین نے اصلِ ابواب کے تحت مقصود بنا کر پوری سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ رہیں وہ روایات جو پوری اسناد کے ساتھ مذکور نہیں جن کو ''معلق'' اور ''تعلیق'' کہتے ہیں جو اصلِ ابواب کے تحت بطور مقصود کے مذکور نہیں بلکہ تراجم ابواب کے ساتھ بطور مقدمات کے مذکور ہیں، ان روایات کا حکم یہ ہے۔۔۔'' جو اوپر متن میں مذکور ہے'' (علوم الحدیث، ص: ۹۲۔۹۳ بتصرف و ملخصا) نسیم

الف: ......سب سے اعلیٰ مرتبہ کی حدیث: یہ وہ حدیث ہے جو کسی ''صحیح ترین اسناد'' کے ساتھ مروی ہو جیسے "مالك عن نافع عن ابن عمر" (کی اسناد)۔

ب:...... اس سے کم درجہ کی حدیث: یہ وہ حدیث ہے جس کی سند کے رجال پہلی سند کے رجال سے کم درجہ کے ہوں جیسے "حماد بن سلمة عن ثابت عن انس" کی اسناد کے ساتھ روایت۔

ج:...... اس سے بھی کم درجہ والی حدیث: یہ وہ حدیث ہے جو ایسے لوگوں سے مروی ہو جن پر وثاقت کا ادنیٰ ترین درجہ صادق آتا ہو جیسے "سهيل بن ابی صالح عن ابيه عن ابی هريرة" کی اسناد کے ساتھ روایت۔ ❶

مذکورہ بالا تفصیل کی بنا پر ''صحیح حدیث'' اُن کتب کے اعتبار سے جن میں وہ مروی ہوتی ہیں، سات قسموں میں تقسیم ہوتی ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ وہ حدیث، جس پر بخاری اور مسلم دونوں متفق ہوں (یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ کی حدیث ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں ''متفق علیہ'' کہتے ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے)۔

۲۔ پھر وہ حدیث ہے جو صرف بخاری رحمہ اللہ ذکر کریں۔

۳۔ پھر وہ حدیث ہے جو صرف مسلم رحمہ اللہ ذکر کریں۔

۴۔ پھر وہ حدیث ہے جو شیخین کی شرط پر ہو مگر انھوں نے اس کو تخریج نہ کیا ہو۔

۵۔ پھر وہ حدیث ہے جو صرف بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر ہو اور بخاری نے اس کو تخریج نہ کیا ہو

۶۔ پھر وہ حدیث ہے جو صرف مسلم کی شرط پر ہو اور مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو۔

۷۔ پھر وہ حدیث ہے جو شیخین کے سوا دوسرے آئمہ محدثین کے نزدیک صحیح ہو جیسے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ اور ابن حبان کی وہ احادیث جو شیخین کی شرط پر نہیں ہیں یا ان دونوں میں سے ایک کی شرط پر نہیں۔ ❷

---

❶ علامہ اسعدی حفظہ اللہ اس موقع پر نہایت پر مغز تبصرہ کرتے ہیں۔ طلبہ کی افادیت کے لیے اسے لکھا جاتا ہے۔ ''تمام صحیح احادیث، صحت میں شریک ہونے کے باوجود ایک ہی مرتبہ پر نہیں ہوتیں اس لیے کہ ایک ہی طبقہ اور درجہ کے رواۃ بھی اپنے اوصاف میں باہم فرقِ مراتب رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے احادیثِ صحیحہ کے متعدد مراتب ہیں جو علی الترتیب ''اعلیٰ'' سے ''ادنیٰ'' کی طرف اترتے ہیں۔ جن کا ذکر اوپر کی تین مثالوں میں کر دیا گیا ہے۔ (علوم الحديث، ص: ۹۳ بتصرف) نسیم

❷ یہ فرقِ مراتب محض ان دونوں کتابوں کے مرتبہ کے پیش نظر ہے ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر حال میں اسی ترتیب کا لحاظ کیا جائے گا بلکہ کبھی دوسرے قرائن کی بنا پر کسی نیچے کی قسم کے تحت آنے والی حدیث کو اوپر والی حدیث پر ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً مسلم کی وہ روایت جو ''مشہور'' ہو بخاری اور مسلم دونوں کی ذکر کردہ اس روایت پر راجح ہوگی جو غریب ہو۔ ایسے ہی ایک حدیث اگر صحیح ترین سند کے ساتھ مروی ہو مگر صحیحین میں نہ ہو تو وہ موضوع سے متعلق اس حدیث پر راجح ہوگی۔ جسے بخاری اور مسلم میں کسی ایک نے روایت کیا ہو۔ (علوم الحديث، ص: ۹٤ بحواله نزهة النظر، ص: ۳۱۔۳۲) نسیم

۱۳۔ شیخین کی شرط (کہ اس سے کیا مراد ہے)؟

حضرات شیخین نے صراحت کے ساتھ صحیح حدیث کی گزشتہ مذکورہ شروط کے علاوہ کسی مزید شرط کو ذکر یا معیّن نہیں کیا۔ لیکن محققین علماء نے ان بزرگوں کے اسلوب کی چھان بین اور تلاش کے بعد (مزید) کچھ ایسے امور کو تلاش کیا ہے جو ان کے گمان کے مطابق یا تو دونوں کے نزدیک شرط ہیں یا ان میں سے کسی ایک کے نزدیک شرط ہیں (کہ ان بزرگوں نے گزشتہ مذکورہ شروط کے علاوہ ان امور کی بھی رعایت کی ہے)۔ ان کو ''شرطِ شیخین'' (اگر وہ دونوں کے نزدیک متفق علیہ ہوں) یا ''شرطِ بخاری'' اور ''شرطِ مسلم'' کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے)۔ [1]

اس بارے سب سے عمدہ قول یہ ہے کہ ''شیخین یا دونوں میں سے کسی ایک کی شرط سے یہ مراد ہے کہ وہ حدیث دونوں کتابوں کے یا کسی ایک کتاب کے راویوں سے مروی ہو اور ساتھ ہی یہ کہ اس کیفیت کی بھی رعایت کو ملحوظ رکھا جائے جس کی اپنی رواۃ سے حدیث روایت کرتے ہوئے ان دونوں حضرات نے رعایت کی ہے۔''

۱۴۔ محدثین کے قول ''متفق علیہ'' کا معنی:

محدثین حضرات جب کسی حدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ ''متفق علیہ'' ہے، تو اس سے ان کی مراد شیخین کا اتفاق ہوتا ہے (نا کہ امت کا) البتہ ابن صلاح یہ کہتے ہیں، ''لیکن کسی حدیث کے متفق علیہ ہونے سے امت کا بھی اس ''متفق'' ہونا لازم آتا ہے اور شیخین کے اتفاق سے امت کا اتفاق بھی حاصل ہوتا ہے، کیوں کہ جس حدیث کو شیخین نے بالاتفاق صحیح کہا ہے امت نے بھی بالاتفاق اسے قبول کیا ہے۔ [2]

۱۵۔ کیا حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا ''عزیز'' ہونا بھی شرط ہے؟

اس بابت صحیح قول یہ ہے کہ کسی حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا بایں معنی عزیز ہونا شرط نہیں کہ اس کی دو اسناد ہوں، کیوں کہ صحیحین اور دوسری کتب صحاح میں ایسی کوئی حدیث نہیں پائی جاتی جو صحیح بھی ہو اور غریب بھی۔ جب کہ بعض علماء جیسے ابو علی جبائی معتزلی اور حاکم وغیرہ نے اس کی شرط لگائی ہے۔ مگر ان کا یہ قول امت کے متفق علیہ قول کے خلاف ہے۔

---

[1] وہ امور کیا ہیں؟ علماء محققین کے ان کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ علامہ نووی، ابن صلاح اور حافظ ابن حجر کے نزدیک اس کی معتمد علیہ تعبیر یہ ہے کہ ان کی شروط کے مطابق کسی حدیث کے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث دونوں میں مذکور اسناد یا کسی ایک کی اسناد کے واسطے سے مروی ہو اور ساتھ ہی یہ کہ ان دونوں حضرات نے اپنے اپنے رواۃ سے نقل روایت میں جس کیفیت کا التزام واہتمام کیا ہے اس کی بھی پوری رعایت ہو۔ شیخین کے علاوہ دیگر ائمہ نے بھی بعض امتیازی شروط کی رعایت رکھی ہے اور ''شروطِ ائمہ'' بھی مستقل ایک فن ہے۔ جس پر بعض علماء نے روشنی ڈالی ہے اور مستقل کتب ورسائل تصنیف بھی کیے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۵ ملخصاً و بتصرفٍ نعیم)

[2] علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۲٤ (طحان)

مشقی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

۱۔ حدیث مقبول کی کتنی اقسام ہیں؟
۲۔ صحیح حدیث کی کیا شروط ہیں؟
۳۔ علت کسے کہتے ہیں؟
۴۔ راوی کے عادل ہونے سے کیا مراد ہے؟
۵۔ جب محدثین یہ کہتے ہیں کہ "هذا حديث صحيح" تو اس سے ان کی کیا مراد ہوتی ہے؟
۶۔ ائمہ محدثین نے کن اسانید کو اصح الاسانید کہا ہے مختصر بیان کریں۔
۷۔ بخاری اور مسلم میں کون سی کتاب زیادہ صحیح ہے وجہ بیان کریں۔
۸۔ شیخین سے رہ جانے والی احادیث کن کتابوں میں ہیں ان کا مختصر تعارف بیان کریں۔
۹۔ کیا تمام صحیح احادیث بخاری و مسلم میں ہی ہیں؟
۱۰۔ کیا مطلق طور پر بخاری کی روایات مسلم پر فوقیت رکھتی ہیں؟
۱۱۔ سند کے اعتبار سے صحیح حدیث کے کتنے مراتب ہیں؟
۱۲۔ کیا حدیث کے صحیح ہونے کے لیے اس کا عزیز ہونا بھی ضروری ہے؟
۱۳۔ کیا ہم مستخرجات سے کسی حدیث کو نقل کر کے اسے صحیحین کی طرف منسوب کر سکتے ہیں؟
۱۴۔ مستخرجات کے فوائد کیا ہیں؟
۱۵۔ کیا صحیح بخاری میں بیان کی جانے والی سبھی روایات کے صحیح ہونے پر امت کا اتفاق ہے؟
۱۶۔ صحیح بخاری میں بیان کی جانے والی معلق روایات کا کیا حکم ہے؟
۱۷۔ شیخین نے اپنی کتابوں میں کن شروط کو ملحوظ رکھا ہے؟
۱۸۔ کیا صحیح ابن حبان فقہی ترتیب پر مرتب کی گئی ہے؟

خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پر کریں۔

۱۔ وہ حدیث جس کی خبر دینے والے کا.......... راجح ہو مقبول کہلاتی ہے۔
۲۔ صحیح.......... کی ضد ہے۔
۳۔ صحیح مسلم میں معلق روایت کی تعداد.......... ہے۔
۴۔ کسی ثقہ راوی کی اپنے سے بھی ثقہ راوی کی.......... کرنے کو شذوذ کہتے ہیں۔

۵۔ صحیح البخاری کی احادیث کی تعداد............ ہے۔

۶۔ صحیح المسلم کی مکرر احادیث کے بغیر تعداد............ ہے۔

۷۔ امام حاکم اور ابن حبان سے روایات لینے میں احتیاط کی ضرورت ہے، کیوں کہ وہ روایات پر حکم لگانے میں .... ہیں۔

۸۔ امام ابن خزیمہ احادیث پر صحت کا حکم لگانے میں بہت............ تھے۔

عملی کام:......صحیح حدیث کی جو شروط محدثین کرام نے بیان کی ہیں، ان کی روشنی میں اپنی شخصیت کا جائزہ لیجیے۔ ان شروط کی روشنی میں کیا آپ اپنے آپ کو فرمان نبوی ﷺ بیان کرنے کا اہل سمجھتے ہیں؟ اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت نہیں اس کا تعلق تزکیہ نفس اور محاسبہ سے ہے۔

عملی کام:......مقبول حدیث کو ایک چارٹر کی مدد سے سمجھایئے۔ آپ اپنی کتاب کے حاشیے سے مدد لے سکتے ہیں۔

عملی کام:......"حدثنا عبداللہ بن یوسف، قال سمعت رسول الله ﷺ قرأ فی المغرب بالطور......" اس حدیث کے تمام رجال پر کی جانے والے نقد یا تعدیل کو مدنظر رکھتے ہوئے بتایئے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟

لائبریری کا رخ کیجیے اور تلاش کیجیے کہ متفق علیہ اور رواہ الشیخان میں کیا فرق ہے؟

۲۔ حسن لذاتہ

ا۔ حسن لذاتہ کی تعریف:

لغوي تعریف:......لفظ "حَسَن" یہ صفتِ مشبّہ کا صیغہ ہے جو "حُسْن" سے مشتق ہے۔ جس کا معنی جمال اور خوب صورتی ہے۔

اصطلاحي تعریف:......علماء کا ''حسن'' کی اصطلاحی تعریف میں اس پہلو پر نظر کرتے ہوئے اختلاف ہے کہ حدیث کی یہ قسم ''صحیح'' اور ''ضعیف'' کے درمیان ہے۔ دوسرے بعض علماء نے فقط اس کی ایک قسم کی تعریف بیان کی ہے۔ ہم (علماء کی بیان کردہ) چند تعریفات کو ذکر کریں گے پھر اپنی رائے کے مطابق ان میں سے جو تعریف دوسری تعریفات سے فائق ہوئی، اس کو لیں گے۔

ا۔ امام خطابی کی تعریف:...... ''یہ وہ حدیث ہے جس کا ماخذ معروف ہو، اس کے رجال مشہور ہوں اور اکثر حدیث کا اس پر مدار ہو۔ اور یہ وہ حدیث ہے جسے اکثر علماء نے قبول کیا ہو اور عامۃ الفقہاء اس پر عمل کرتے ہوں۔'' ❶

۲۔ امام ترمذی کی تعریف:......''حسن'' روایت کی جانے والی ہر وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کوئی متہم بالکذب راوی نہ ہو اور نہ وہ حدیث شاذ ہی ہو، اور وہ مذکورہ طریق کے علاوہ سے بھی اسی طور پر مروی ہو۔ لہٰذا ایسی حدیث ہمارے نزدیک ''حسن'' ہے۔ ❷

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تعریف:...... ''وہ خبر واحد جو عادل اور تام ضبط والے راویوں سے سند متصل کے ساتھ مروی ہو اور ہر قسم کے شذوذ وعلت سے خالی ہو وہ صحیح لذاتہ کہلاتی ہے ❸ اور اگر راویوں میں ضبط کچھ کم اور کمزور ہو تو وہ حسن لذاتہ کہلاتی ہے۔'' ❹

(علامہ محمود طحّان فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں:

''گویا کہ ''حدیث حسن'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک ''صحیح'' ہی ہے البتہ اس حدیث کی روایت کے رواۃ کا ضبط کچھ کمزور ہوتا ہے۔ یہ حسن کی سب سے بہتر اور عمدہ تعریف ہے۔ رہی خطابی کی تعریف تو اس پر متعدد اعتراضات

❶ معالم السنن ۱/ ۱۱ (طحّان) حسن کی تعریف مختلف انداز پر کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا تعریف حسن کے احوال واحکام کو مدِ نظر رکھ کر کی گئی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۹ حاشیہ نمبر ۱ بتصرفٍ) نسیم

❷ جامع الترمذی مع شرحہ تحفۃ الاحوذی کتاب العلل فی آخر جامعہ ج ۱۰ ص ۵۱۹ (طحّان)
مذکورہ تعریف حسن کی صرف ایک قسم کو سامنے رکھ کر کی گئی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۹ حاشیہ نمبر ۱ بتصرفٍ) نسیم

❸ النخبۃ مع شرحھا لہ ص ۲۹ (طحّان) ❹ النخبۃ مع شرحھا لہ ص ۳٤ (طحّان)

کیے گئے ہیں۔ جب کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حسن کی صرف ایک قسم کی تعریف بیان کی ہے اور وہ "حسن لغیرہ" ہے، جب کہ تعریف میں اصل یہ ہے کہ "حسن لذاتہ" کی تعریف کی جائے، کیوں کہ "حسن لغیرہ" اصل میں "ضعیف" (حدیث کی ایک قسم) ہے جو ترقی کرتے کرتے حسن کے درجہ تک پہنچی ہوتی ہے، کیوں کہ اس کے ضعف کی طرقِ روایت کے متعدد ہونے کی وجہ سے تلافی ہو جاتی ہے۔

۴۔ حسن لذاتہ کی "مختار تعریف":...... علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ تعریف کی بنا پر "حسن لذاتہ" کی تعریف ان الفاظ سے کی جا سکتی ہے: "یہ حدیث کی وہ قسم ہے جو متصل سند کے ساتھ شروع سے لے کر آخر تک کسی قسم کے شذوذ اور علت کے بغیر عادل اور کمزور ضبط والے راویوں سے منقول ہو اور وہ رواۃ اس حدیث کو "اپنے جیسے" راویوں سے نقل کرتے ہوں۔" ❶

۲۔ "حسن لذاتہ" کا حکم:

(حجت شرعیہ بنانے میں اور) اس کے ذریعے (احکام میں) استدلال کرنے میں "حسن لذاتہ" "صحیح" کی طرح ہے اگرچہ قوت میں صحیح سے کم ہے۔ اسی لیے سب فقہاء نے "حسن لذاتہ" کو (استنباطِ مسائل میں) دلیل بنایا ہے اور اس پر عمل کیا ہے اور محدثین اور علماءِ اصول کی ایک بہت بڑی تعداد نے اس کو دلیل اور حجت بنایا ہے، سوائے چند شاذ اور متشدد علماء کے اور بعض متساہل علماء نے "حسن لذاتہ" کو صحیح کی اقسام میں درج کیا ہے۔ جیسے حاکم، ابن حبان اور ابن خزیمہ رحمہم اللہ وغیرہ حضرات، اگرچہ اس بات کے قائل وہ بھی ہیں کہ حدیث حسن گزشتہ مذکورہ اور بیان کردہ صحیح حدیث سے مرتبہ میں کم ہے۔ ❷

۳۔ "حسن لذاتہ" کی مثال:

اس کی مثال وہ روایت ہے جو امام ترمذی نے روایت کی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسناد سمیت حدیث روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"......عن ابی بکر بن ابی موسی الاشعریِّ قال: سمعتُ ابی بحضرة العدوّ یقول: قال رسول اللہ ﷺ: "اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّةِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ...... الحدیث" ❸

"ہمیں قتیبہ نے، وہ کہتے ہیں ہمیں جعفر بن سلیمان ضبعی نے ابو عمران جونی سے، انھوں نے ابوبکر بن

---

❶ ہمارے قول "اپنے جیسے" سے یہ مراد نہیں کہ اسناد کے تمام عادل رجال کے لیے یہ شرط ہے کہ ان کا ضبط کمزور ہی ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ یا تو سب کے سب کا ضبط کمزور ہو یا پھر بعض کا ضبط کمزور ہو، چاہے ان میں سے ایک کا ہی ضبط کمزور ہو اگرچہ باقی سب عادل رواۃ کا ضبط تام اور مکمل ہو، کیوں کہ حدیث پر حکم اس راوی کی بنا پر لگتا ہے جو اسناد میں سب سے کمزور درجہ کا ہو۔ (طحان)

❷ دیکھیں تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۶۰ (طحّان)

❸ الترمذی/ ابواب فضائل الجہاد۔ ج ۵ ص ۳۰۰ من الترمذی مع شرحہ تحفہ الاحوذی (طحّان)

ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں، ''میں نے اپنے والد ماجد (حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ) کو دشمنوں کے سامنے (میدانِ جہاد میں) یہ کہتے سنا، کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے، ''بے شک جنت کے دروازے تلواروں کے سایوں تلے ہیں......الحدیث''

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں: ''یہ حدیث حسن اور غریب ہے۔'' (مولف موصوف فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: ''یہ حدیث حسن ہے، کیوں کہ اس کی اسناد کے چار رجال ثقہ ہیں، سوائے جعفر بن سلیمان ضبعی کے کہ وہ ''حسن الحدیث'' ❶ ہیں، اسی لیے اس حدیث کا مرتبہ ''صحیح'' سے گھٹ کر ''حسن'' کے مرتبہ میں پہنچ گیا۔

۴۔ ''حسن لذاتہ'' کے مراتب:

جیسے ''صحیح حدیث'' میں صحت کے مراتب ہوتے ہیں جس سے احادیثِ صحیحہ کا مرتبہ بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہو جاتا ہے، اسی طرح حدیث ''حسن لذاتہ'' کے بھی مراتب ہیں۔ علامہ ذھبی رحمہ اللہ نے ان کے دو (اصولی) مراتب بیان کیے ہیں، جو یہ ہیں:

الف:...... ''حسن لذاتہ'' کا اعلیٰ مرتبہ: یہ وہ حدیث ہے جس کے رواۃ کی تصحیح یا تحسین میں محدثین کا اختلاف ہو، جیسے وہ حدیث جسے بھز بن حکیم اپنے والد سے، وہ اپنے دادا سے بیان کریں، اور وہ حدیث جسے عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے بیان کریں، اور وہ حدیث جسے ابن اسحاق تیمی سے بیان کریں وغیرہ اور اس جیسی دوسری مثالیں جن کے بارے میں صحیح ہونے کا بھی قول ہے، جو صحیح کا سب سے ادنیٰ مرتبہ ہے۔

ب:...... ''حسن لذاتہ'' کا ادنیٰ مرتبہ: یہ وہ حدیث ہے جس کے رواۃ کی تحسین اور تضعیف میں اختلاف ہو۔ ❷ جیسے حارث بن عبداللہ، عاصم بن ضمرۃ اور حجاج بن ارطاۃ جیسے رواۃ کی حدیث۔

۵۔ محدثین کے قول، ''حدیث صحیح الاسناد'' یا ''حسن الاسناد'' کا مرتبہ: ❸

(ان دونوں تعبیرات میں جو فرقِ مراتب ہے اس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے)

الف:...... محدثین کا قول، ''ھذا حدیث صحیح الاسناد'' مرتبہ میں اس قول، ''ھذا حدیث صحیح'' سے کم ہے۔

ب:...... اس طرح محدثین کا یہ کہنا، ''ھذا حدیث حسن الاسناد'' مرتبہ میں اس قول ''ھذا حدیث

---

❶ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''تھذیب التھذیب ج ۲ ص ۹۶'' میں ابو احمد سے نقل کیا ہے۔ ''طحّان'' علامہ اسعدی لکھتے ہیں: ''جعفر بن سلیمان ضبعی کا ضبط کمزور تھا۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۰۰ بتصرفٍ) نسیم

❷ اور یہ اختلاف اِن کے رواۃ کے مختلف احوال کی وجہ سے ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۰۰ بتصرفٍ) نسیم

❸ محدثین ''صحت و حسن'' کے اعتبار سے حدیث کی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے مختلف تعبیرات اختیار کرتے ہیں ان کے مصداق میں باعتبار مراتب فرق ہے۔ اس کی تفصیل اوپر متن میں بیان کی جاتی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۰۱ بتصرفٍ) نسیم

حسن" سے کم ہے۔ کیوں کہ کبھی "اسناد" تو صحیح یا حسن ہوتی ہے مگر کسی شذوذ یا علت کی وجہ سے متن صحیح یا حسن نہیں ہوتا۔ ❶ پس گویا کہ جب محدث یہ کہتا ہے، "هذا حديث صحيح" تو وہ ہمارے لیے اس حدیث میں صحت کی شروط خمسہ کے پائے جانے کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ لیکن جب کوئی محدث یہ کہتا ہے، "هذا حديث صحيح الاسناد" تو وہ ہمارے لیے صحتِ حدیث کی فقط تین شروط، اتصالِ اسناد، عدالت رواۃ اور ضبط رواۃ کی ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ رہا متنِ حدیث میں شذوذ یا علت کا نہ پایا جانا تو محدث (اس قول کی بنا پر) ان دونوں کی ہمارے لیے کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاتا۔ کیوں کہ اسے ان دونوں باتوں کا تحقق اور وثوق نہیں ہوتا۔

البتہ اگر کوئی معتمد اور حافظ محدث صرف یہ کہنے پر اقتصار کرے "هذا حديث صحيح الاسناد" اور ساتھ ہی اس حدیث میں کسی علت کے پائے جانے کی صراحت نہیں کرتا تو بظاہر یہ اس کے متن کے صحیح ہونے کی بھی دلیل ہے۔ کیوں کہ اصل کسی حدیث میں علت یا شذوذ کا نہ ہونا ہے۔

٦۔ امام ترمذی رحمہ اللہ وغیرہ کے قول "حديث حَسَنٌ صَحِيحٌ" ❷ کا مطلب:

اس عبارت اور تعبیر کا ظاہر مشکل ہے، کیوں کہ حسن کا درجہ صحیح سے کم ہوتا ہے تو بھلا دونوں کے مراتب میں فرق کے باوجود ان دونوں کو (حکم میں ایک حدیث میں) کیوں کر جمع کیا جا سکتا ہے؟ امام ترمذی رحمہ اللہ کا اس عبارت اور تعبیر سے کیا مقصود ہے؟ علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں اور ان میں سب سے بہتر جواب وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دیا ہے اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کو پسند کیا ہے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

الف:...... اگر تو حدیث کی دو یا دو سے زیادہ اسناد ہوں تو پھر (اس تعبیر کا) مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث ایک اسناد کے اعتبار سے حسن اور کسی دوسری اسناد کے اعتبار سے صحیح ہے۔

ب:...... اور اگر حدیث کی ایک ہی سند ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ، "یہ حدیث محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک تو حسن ہے، جب کہ دوسری جماعت کے نزدیک صحیح ہے۔"

گویا کہ یہ کہنے والا اس حدیث پر علماء کے حکم میں اختلاف کی طرف اشارہ کر رہا ہے یا پھر اس کے نزدیک "حسن"

---

❶ مطلب یہ ہے کہ پہلے دونوں جملوں میں اسناد کو حسن یا صحیح کہا گیا ہے، جب کہ کبھی اسناد تو صحیح ہوتی ہے مگر متن کسی علت وغیرہ کی وجہ سے مجروح ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم کے جملوں میں محدثین کے حدیث کو صحیح یا حسن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کا متن سند سمیت صحیح یا حسن ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی تفصیل بیان کی جا رہی ہے۔ (علوم الحديث، ص: ١٠١ بتصرف و زيادة) نسیم

❷ ترمذی وغیرہ بعض محدثین کا دستور ہے کہ وہ حدیث کا حکم بیان کرنے میں لفظ "حسن" اور "صحیح" دونوں کو یکجا کر دیتے ہیں، جب کہ اصطلاح میں ان دونوں میں فرق ہے۔ علماء نے اس کے متعدد جوابات دیئے۔ سب سے عمدہ جواب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا ہے جسے سیوطی رحمہ اللہ نے بھی پسند کیا ہے۔ اس کی تفصیل اوپر بیان کر دی جاتی ہے۔ (علوم الحديث، ص: ١٠١ بتصرف و زيادة) نسیم

یا ''صحیح'' میں سے کوئی حکم راجح نہیں۔ ❶

۷۔ امام بغوی رحمہ اللہ کا ''المصابیح'' ❷ کی احادیث کو (اپنی ایک خاص اصطلاح میں) تقسیم کرنا:

امام بغوی رحمہ اللہ نے اپنی (مشہور زمانہ) کتاب ''المصابیح'' میں اپنی ایک خاص اصطلاح کو درج کیا ہے، وہ یہ کہ امام موصوف ''صحیحین'' یا دونوں میں سے کسی ایک کتاب کی حدیث کی طرف لفظ ''صحیح'' کے ساتھ اور ''سننِ اربعہ'' کی احادیث کی طرف لفظ ''حسن'' کے ساتھ اشارہ کرتے ہیں۔ مگر یہ اصطلاح عامۃ المحدثین کی اصطلاح کے مطابق درست نہیں کیوں کہ ''سننِ اربعہ'' میں صحیح، حسن، ضعیف اور منکر ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ نے اس (خود ساختہ اصطلاح کے غیر مستقیم ہونے) کی طرف اشارہ اور تنبیہ کی ہے۔ اسی لیے ''المصابیح'' کے قاری پر لازم ہے کہ وہ امام بغوی رحمہ اللہ کی اس مخصوص اصطلاح سے واقف ہو (کہ) جب وہ کسی حدیث کو ''صحیح'' یا ''حسن'' کہتے ہیں (تو اس سے ان کی مراد عام اصطلاح کے مطابق حدیث کا صحیح یا حسن ہونا مراد نہیں ہوتا بلکہ ان الفاظ سے ان کی اپنی ایک مجوزہ تقسیم کی طرف اشارہ ہوتا ہے)۔

۸۔ احادیث ''حسن'' کے مواقع ❸ کا بیان (کہ یہ احادیث کن کتب میں مل جاتی ہیں):

علماء محدثین نے خاص ایسی کتب تالیف نہیں کیں جو ''احادیثِ حسن'' کو جامع ہوں جیسا کہ انھوں نے خاص ''احادیثِ صحیحہ'' کو جامع مستقل اور الگ کتب تالیف کی ہیں۔ البتہ کچھ ایسی کتابیں ضرور ہیں جن میں ''احادیث حسن'' بکثرت پائی جاتی ہیں۔ ان میں سے چند مشہور کتب کا تعارف ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الف:......جامع الترمذی: اس کا مشہور نام ''سُنَنُ الترمذی'' ہے۔ ''حدیث حسن'' کی معرفت میں ''جامع ترمذی'' اصل کا درجہ رکھتی۔ اور یہ امام ترمذی ہی ہیں جنھوں نے اپنی کتاب میں لفظِ حسن کو بکثرت استعمال بھی کیا ہے اور اس لفظ کو مشہور بھی کیا ہے۔ البتہ یہاں ایک بات کی طرف خاص توجہ دینا بہت ضروری ہے، وہ یہ کہ ''امام ترمذی کی

---

❶ امام ترمذی رحمہ اللہ کی اصطلاح کی بیان کردہ اس توجیہ وتفسیر سے ایک اہم فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ ''شق اوّل کے مطابق جس حدیث کے بارے میں ''حسن صحیح'' کی تعبیر لائی جائے، وہ اس حدیث سے فائق ہوگی جس کے متعلق صرف ''صحیح'' کہا جائے، جب کہ وہ غریب یعنی صرف ایک اسناد کے ساتھ مروی ہو کیوں کہ ''حدیثِ حسن صحیح'' کہنے سے حدیث کی ایک سے زائد اسناد کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس حدیث کی ایک سے زائد اسناد ہوں وہ اس حدیث سے فائق ہوگی جس کی صرف ایک اسناد ہو فافهم و تدبّر۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۰۲ بتصرفٍ و زیادۃٍ) نسیم

❷ امام بغوی رحمہ اللہ کی اس کتاب کا پورا نام ''مصابیح السنة'' ہے اس کتاب میں علامہ موصوف نے صحیحین سنن اربعہ (ترمذی۔ ابوداود۔ نسائی اور ابن ماجہ) اور سننِ دارمی سے احادیث کو منتخب کر کے جمع کیا ہے۔ اس کتاب کا نام اضافہ اور تہذیب کے بعد خطیب تبریزی نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' رکھا ہے۔ (طحان)

❸ علامہ موصوف نے اس جگہ عبارت میں لفظ ''مَظِنَّاتٌ'' استعمال کیا ہے۔ اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے مولف موصوف حاشیہ میں لکھتے ہیں: ''مظنّات'' یہ ''مَظِنَّةٌ'' (ظا کے کسر کے ساتھ) کی جمع ہے اور ''مظنة الشیء'' کسی چیز کی اصل، جڑ، سرچشمہ، ماخذ اور پائے جانے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ اس لغوی معنی کی بنیاد پر مذکورہ عنوان کا مطلب یہ ہوگا، ''وہ کتابیں جو ''حسن حدیث'' کے پائے جانے کی جگہیں ہیں'' دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں۔ ''ان کتابوں کا بیان جن میں احادیث حسن پائی جاتی ہیں''۔ نسیم

مخصوص اصطلاح "حسن صحیح" وغیرہ کا استعمال اور مواقعِ ذکر مختلف نسخوں میں مختلف ہیں، اس لیے علومِ حدیث کے متلاشی پر لازم ہے کہ وہ ترمذی کے کسی معتبر و معتمد اور محقق نسخہ کو لے جس کا دیگر کتبِ معتبرہ کے ساتھ موازنہ اور متعارضہ بھی کیا گیا ہو۔

ب:...... سننِ ابی داؤد: امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اہل مکہ کو لکھے اپنے خط میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ "وہ اپنی اس کتاب میں جہاں احادیثِ صحیحہ کو ذکر کریں گے وہیں صحیح سے ملتی جلتی اور اس کے قریب قریب احادیث کو بھی لائیں گے اور جو احادیث بہت کمزور ہوں گی ان کو بیان کردیں گے اور جن احادیث پر وہ کوئی کلام نہ کریں گے اور سکوت سے کام لیں گے اور دیگر ائمہ محدثین ان کی تضعیف بیان نہ کریں وہ صالح (یعنی "احادیثِ حسن") ہوں گی۔

لہٰذا اس بنا پر اگر امام ابوداؤد ایک حدیث بیان کریں مگر اس کے ضعیف ہونے کی تصریح نہ کریں اور دیگر معتمد ائمہ محدثین میں سے کوئی اس کی تضعیف بھی بیان نہ کرے تو وہ حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک "حسن" ہوگی۔

ج:...... سُنَنُ الدَّارَ قُطْنِیِّ: امام دارقطنی بھی اپنی کتاب میں متعدد احادیث کے "حسن" ہونے کی تصریح کرتے ہیں۔

۳۔ صحیح لغیرہ

ا۔ "صحیح لغیرہ" کی تعریف:

یہ وہ "حَسَنٌ لذاتہ" حدیث ہے، جس کو اسی جیسے یا اس سے بھی قوی کسی دوسرے طریق سے روایت کیا جائے۔"❶

اور اس حدیث کو "صحیح لغیرہ" اس لیے کہتے ہیں کہ اس حدیث میں صحت خود اس حدیث کی سند سے نہیں آتی بلکہ دوسری سند کے اس کے ساتھ ملا دینے سے آتی ہے۔ ہم اس کو درج ذیل "Mathematical Equation" (مساواتِ ریاضیہ) کے ذریعے سمجھ سکتے ہیں:

"حسن لذاتہ + حسن لذاتہ = صحیح لغیرہ"

(حسن لذاتہ جمع حسن لذاتہ برابر ہے صحیح لغیرہ کے)

(صحیح لغیرہ is equal to حسن لذاتہ plus حسن لذاتہ)

۲۔ "صحیح لغیرہ" کا مرتبہ:

یہ حدیث مرتبہ میں "حسن لذاتہ" سے اوپر جب کہ "صحیح لذاتہ" سے کم ہوتی ہے۔

۳۔ "صحیح لغیرہ" کی مثال:

"صحیح لغیرہ" کی مثال ترمذی کی یہ حدیث ہے:

"محمد بن عمرو عن ابی سلمة عن ابی هريرة اَنَّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰى اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ"❷

"محمد بن عمرو ابوسلمہ سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اگر مجھے اپنی امت پر مشقت کا ڈر نہ ہوتا تو میں انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"

اس حدیث کی اسناد کے بارے میں ابن صلاح کہتے ہیں:

"محمد بن عمرو بن علقمہ اپنے صدق اور صیانت میں مشہور ہیں البتہ ان کا شمار "مُتْقِن" رواۃ میں نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض محدثین نے انھیں حافظہ کی خرابی کی بنا پر ضعیف تک کہہ دیا ہے، جب کہ بعض دیگر محدثین نے ان

---

❶ دیکھیں: نخبة الفكر مع شرحها نزهة النظر ص٣٤ (طحّان)

❷ اخرجه الترمذی فی كتاب الطهارة باب ماجاء فی السواك۔ ١/ ٣٤ حديث رقم٢٢ بلفظه، ورواه البخاری من طريق ابی الزناد عن الاعرج عن ابی هريرة (طحّان)

کے صدق اور علمی جلالت قدر کی بنا پر انھیں ثقہ کہا ہے۔

پس محمد بن عمرو کی حدیث اس جہت سے "حسن" ہے۔ (کہ اس کی اسناد کے ایک راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے کی بابت دو اقوال ہیں) لیکن جب اس کے ساتھ ایک دوسرے طریق سے مروی ایک اور حدیث مل گئی تو اس حدیث کے ملنے سے عمرو بن سلمہ کی حافظہ کی خرابی کی جہت کا کھٹکا اور اندیشہ جاتا رہا۔ اور وہ حدیث صحیح کے درجہ تک جا ملی۔" ❶

---

❶ علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۱-۳۲ (طحّان)

مؤلف موصوف علامہ محمود طحان نے "حدیث حسن" کی تعریف، مرتبہ اور مثال کو تو بیان کر دیا ہے مگر اس کا حکم بیان نہیں کیا۔ علامہ اسعدی حفظہ اللہ حدیث "صحیح لغیرہ" کا حکم بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: "اس حدیث کو شرعاً حجت اور دلیل بنانا جائز ہے اور یہ حدیث لائق عمل ہے" (علوم الحدیث، ص: ۱۰۳ بتصرف) نسیم

٤۔ الحسن لغیرہ

ا۔ "حسن لغیرہ" کی تعریف:

یہ اس ضعیف حدیث کو کہتے ہیں جس کے طرق متعدد ہوں، جب کہ اس کی اسناد کے ضعف کا سبب کسی راوی کا فسق یا کذب ❶ نہ ہو۔" ❷

اس تعریف سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ "ضعیف" حدیث دو باتوں کی بدولت ترقی کر کے "حسن" کے درجے تک پہنچ جاتی ہے: جو یہ ہیں:

الف: ......ایک یہ کہ وہ ضعیف حدیث ایک اور بلکہ زیادہ طرق سے بھی مروی ہو بشرطیکہ وہ دوسرا طریق یا تو اسی پہلے طریق جیسا ہو یا اس سے قوی ہو۔

ب: ......دوسری یہ کہ حدیث کے ضعف کا سب یا تو اس کے راوی کے حافظہ کی خرابی ہو، یا رجال اسناد میں انقطاع یا کسی راوی کی جہالت یعنی اس کا مجہول ہونا ہو۔

۲۔ "حسن لغیرہ" کی وجہ تسمیہ:

اس حدیث کا یہ نام رکھے جانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ "حسن" حدیث اپنی پہلی سند کی وجہ سے حسن نہیں بنی بلکہ اپنے ساتھ ایک دوسری سند کے مل جانے سے "حسن" بنی ہے۔ چناں چہ ہم ضعیف کے "حسن لغیرہ" کے درجہ تک پہنچنے کو اس "مساوات ریاضیہ (Mathematical Equation) سے سمجھ سکتے ہیں:

"ضعیف + ضعیف = حسن لغیرہ"

(ضعیف جمع ضعیف برابر ہے حسن لغیرہ کے)

(حسن لغیرہ is equal to ضعیف plus ضعیف)

۳۔ "حسن لغیرہ" کا مرتبہ:

"حسن لغیرہ" درجہ میں "حسن لذاتہ" سے کم ہوتی ہے۔ "حسن لغیرہ" کے اس مرتبہ پر یہ بات مرتب ہوتی ہے کہ اگر "حسن لذاتہ" کا "حسن لغیرہ" کے ساتھ معارضہ ہو جائے تو "حسن لذاتہ" مقدم ہوگی۔

---

❶ نخبة الفکر مع شرحها نزهة النظر ص٥٤ بمعناه (طحّان)

❷ بلکہ اس حدیث کی اسناد میں ضعف کا سبب کسی راوی کی یادداشت کی کمزوری اور خرابی یا اتصال سند میں انقطاع یا جہالت ہو۔ (علوم الحدیث، ص: ١٠٤ بحوالہ تدریب الراوی ١/ ١٧٦۔ ١٧٧) تمیم

۴۔"حسن لغیرہ" کا حکم:

یہ حدیث "مقبول" کی قسم میں سے ہے اور (احکامِ شرعیہ میں) قابلِ استدلال ہے (کہ اس حدیث کو احکامِ شرعیہ میں اور مسائل فقہیہ کے استنباط میں دلیل بنایا جاسکتا ہے)

۵۔"حسن لغیرہ" کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو ترمذی نے روایت کرکے اس کو حسن کہا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو اس طریق سے روایت کرتے ہیں:

"عَنْ شعبة عن عاصم بن عبيد الله، عن عبدالله بن عامر بن ربيعة عن ابيه انّ امراةً من بني فزارة تزوجت على نعلين فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكَ وَ مَالِكَ بِنَعْلَيْنِ؟ قَالَتْ، "نَعَمْ!" قَالَ: فَاَجَازَهٗ"

"شعبہ، عاصم بن عبید اللہ سے، وہ عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے، وہ اپنے والد عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ بنی فزارہ کی ایک خاتون نے دو جوتوں (کے حق مہر) پر شادی کر لی تو جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ارشاد فرمایا" کیا تو اپنی جان اور مال کے بدلے میں دو جوتوں پر راضی ہوگئی؟ اس عورت نے کہا "جی ہاں!" راوی کہتے ہیں، "تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو جائز قرار دے دیا۔"

امام ترمذی یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں، "اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوحدرد اسلمی رضی اللہ عنہ سے بھی احادیث مروی ہیں۔"[1]

(علامہ محمود طحّان فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: "عاصم اپنے حافظہ کی خرابی کی وجہ سے ضعیف ہیں اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے عاصم کی اس حدیث کو اس لیے حسن کہا ہے، کیوں کہ یہ حدیث دوسرے طریق سے بھی آتی ہے۔

مشقی سوالات

۱۔ صحیح لذاتہ پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ حدیث حسن صحیح سے کیا مراد ہے؟

۳۔ حسن حدیث کے مواقع کون سے ہیں؟

۴۔ امام ترمذی کی اس اصطلاح کی وضاحت کیجیے کہ "هذا حديث حسن صحيح".

[1] الترمذي/ ابواب النكاح باب ماجاء في مهور النساء۔ حديث رقم ۳/ ۱۱، ج ۳ ۴۲۰۔ ۴۲۱ (طحّان)

۵۔ حسن لذاته اور صحیح لغیرہ میں کیا فرق ہے؟

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

ا۔ کسی حدیث کے بارے میں محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے زیادہ مرتبہ رکھتا ہے ان کے کسی حدیث کے بارے میں یہ کہنے سے کہ "یہ حدیث صحیح ہے"۔

۲۔ امام بغوی نے بھی حسن اور صحیح کو اپنی ایک خاص اصطلاح کے طور پر متعارف کروایا ہے۔

۳۔ حسن لغیرہ کو اگر دیگر طرق حاصل نہ ہوں تو وہ ضعیف ہوتی ہے۔

۴۔ اگر کوئی راوی متھم بالکذب ہو تو اسے تعدد طرق سے حسن لغیرہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

مندرجہ ذیل خالی جگہ کو مناسب الفاظ سے پر کیجیے۔

ا۔ حسن لذاته کی جو تعریف.......... نے کی ہے، مصنف کے نزدیک وہ راجح ہے۔

۲۔ صحیح لغیرہ کا درجہ.......... سے زیادہ جب کہ.......... سے کم ہے۔

۳۔ صحیح لذاته کے.......... مراتب ہیں۔

۴۔ سنن الترمذی میں.......... درجے کی روایات بکثرت پائی جاتی ہیں۔

۵۔ "حسن لذاته + حسن لذاته = ..."

۶۔ اگر "حسن لذاته" کا "حسن لغیرہ" کے ساتھ معارضہ ہو جائے تو ".........." مقدم ہوگی۔

عملی کام :......جن اصولوں کا مطالعہ آپ کر چکے ہیں ان کی روشنی میں بتایئے کہ مندرجہ ذیل حدیث صحیح کے کس درجہ میں ہے اور اس کی وجہ بھی تحریر کیجیے:

"حدثنا عبد الله بن الحكم بن ابی زیاد الكوفی وهارون بن عبد الله البزار البغدادی قالا حدثنا سیار هو ابن حاتم قال نا جعفر بن سلیمان عن ثابت عن انس أن النبی ﷺ دخل علی شاب وهو فی الموت.........."

عملی کام :......کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ راویوں کی نقد و جرح میں اختلاف کیوں ہوتا ہے؟ عملی کام: اساتذہ کرام سے گزارش ہے کہ وہ طلبہ کو صحیح لغیرہ، حسن لذاته اور لغیرہ کی عملی مشقیں کروائیں حتی کہ وہ انھیں اچھی طرح سمجھ لیں۔

اُس خبر واحد مقبول کا بیان جو (مقبولیت کا تقاضا کرنے والے) قرائن سے محیط ❶ ہو.

ا۔تمہید:

خبر مقبول کی اقسام کے اختتام پر ہم ایسی "خبر واحد مقبول" کے بارے میں بحث کریں گے جو "مُحتَفّ بالقرائن" ہو اور "محتفّ بالقرائن" سے مراد خبر واحد مقبول کی صحت کی شروط سے زائد کچھ ایسے امور ہیں جو اس خبر واحد کو محیط ہوں اور اس کے ساتھ اس طور پر ملے ہوئے ہوں جو خبر واحد مقبول کی اور زیادہ مقبولیت کا تقاضا کرتے ہوں۔ اور خبر واحد مقبول سے ملے یہ امورِ زائدہ اس کی قوت میں اور زیادہ اضافہ کرتے ہوں اور اس کو دوسری اُن اخبارِ مقبولہ پر ایک امتیازی شان دلاتے ہوں جو ان امورِ زائدہ سے خالی ہوتی ہیں اور اس حدیث کو دوسری احادیث پر راجح کرتے ہوں۔

۲۔خبر واحد مقبول محتفّ بالقرائن کی اقسام:

ایسی خبر واحد مقبول کی کئی اقسام ہیں جن میں سے چند مشہور اقسام مندرجہ ذیل ہیں:

الف:......وہ خبر واحد جس کو حضرات شیخین نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہو جب تک کہ وہ تواتر کی حد کو نہ پہنچے۔ ایسی حدیث کے ساتھ جو قرائن (یعنی امور زائدہ جو اس کی قوت و امتیاز میں اضافہ کا سبب اور دوسری احادیث پر اس کی ترجیح کا باعث) ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ فن حدیث میں شیخین کی جلالت و عظمت۔

۲۔ صحیح احادیث کے غیر صحیح احادیث سے فرق و امتیاز کرنے میں حضرات شیخین کی (دوسرے محدثین پر) فوقیت و برتری۔

۳۔ علماء (خواص وعوام سب) کا شیخین کی صحیحین کو بنظرِ قبول لینا اور ان پر اعتماد و عمل کرنا اور صرف یہی ایک بات اور قرینہ کہ امت نے ان کتابوں کو اعتماد کر کے لیا ہے، علم کا فائدہ پہنچانے میں ان کثرت طرق سے کہیں زیادہ قوی اور بڑھ کر ہے جو تواتر سے کم درجے کے ہوں۔

---

❶ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اب تک کی "خبرِ واحد" مقبول کی جملہ تفصیلات اس کے ذاتی احوال کے اعتبار سے تھی لیکن کبھی اس کے ساتھ بطور قرائن کے ایسے امور کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے جو اس کی مقبولیت کا تقاضا کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ایسی خبرِ واحد کو اس درجہ کی دوسری مقبول احادیث پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور ترجیح بھی حتیٰ کہ اس سے یقین کا فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل اوپر بیان کی جاتی ہے (علوم الحدیث، ص: ۱۰۸ بتصرف وزیادۃ) نسیم

ب:......حدیث مشہور جو متعدد طرق سے مروی ہو اور وہ سب کے سب طرق رواۃ کے ضعف اور علتوں سے محفوظ ہوں۔

ج:......وہ حدیث جو غریب تو نہ ہو (یعنی اس کی اسناد میں کسی جگہ ''ایک راوی'' نہ ہو) مگر اس کو روایت کرنے والوں میں ائمہ دین، حفاظِ حدیث اور رواۃِ متقنین کا ایک سلسلہ ہو (کہ اس کا اگلا راوی اس درجہ کا ہو) جیسے وہ حدیث جس کو امام احمد رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ سے اور انھوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کیا اور امام مالک سے روایت کرنے میں دوسرے روایانِ حدیث بھی امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھ شریک ہوں۔

۳۔خبر واحد مقبول محتفّ بالقرائن کا حکم:

ایسی حدیث کسی بھی دوسری خبر واحد سے راجح (اور مرتبہ وقوت میں اس سے فائق) ہوتی ہیں۔ چناں چہ اگر کسی بھی دوسری خبر واحد کا ''خبر واحد مقبول محتفّ بالقرائن'' سے معارضہ ہو جائے تو اس وقت ''خبر واحد مقبول محتفّ بالقرائن'' کو دوسری اخبارِ آحاد پر ترجیح دی جائے گی۔ ❶

❶ یاد رہے کہ خبرِ واحد مقبول محتف بالقرائن کے یقین کا فائدہ دینے کے جو قرائن ذکر کیے گئے ہیں ان میں سے پہلا قرینہ یعنی اس حدیث کا صحیحین میں سے کسی ایک میں سے ہونا اس وقت مفید یقین ہوگا جب اس حدیث پر ائمہ محدثین میں سے کسی نے نقد نہ کیا ہو اور خود باہم صحیحین کی روایات یا دوسری کتب کی روایات میں باہم تعارض نہ ہو۔ (علوم الحدیث بتصرف ص ۱۰۹) نسیم

مقصد دوم

خبر مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کے اعتبار سے تقسیم

(عمل کے اعتبار سے) خبر واحد مقبول کی دو قسمیں ہیں۔ معمول بہ اور غیر معمول بہ۔ اور خبر واحد کی اس تقسیم سے علم حدیث کی انواع میں دو (مستقل) انواع نکلتی ہیں جو یہ ہیں:

حدیث مُحکَم اور مُختَلِف الحدیث

ناسخ اور منسوخ ❶

(اب ذیل میں ان دونوں اقسام کو بالتفصیل بیان کیا جاتا ہے)

ا...... حدیث محکم اور مختلف الحدیث ❷

ا۔ محکم کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "مُحْكَم" "اَحْكَمَ - يُحكِمُ" (صحیح از بابِ افعال) سے "مفعول" کا صیغہ ہے جو اَتْـقَنَ کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے مضبوط اور پختہ کرنا (یعنی لغوی اعتبار سے محکم خبر واحد کی وہ قسم ہے جو ہر قسم کے تعارض سے محفوظ، مضبوط اور پختہ ہو)۔

ب:......اصطلاحی تعریف: محکم وہ حدیث مقبول ہے جو اپنے جیسی کسی حدیث کے معارضہ سے محفوظ اور سلامت ہو۔" ❸

(رب تعالیٰ کی مشیت سے) اکثر احادیث (کا یہی حال ہے اور وہ) اسی قسم کی ہیں (کہ ان کا کسی دوسری حدیث

---

❶ خبر واحد مقبول کی عمل کے اعتبار سے یہ تقسیم اس لیے ہے کہ حدیث کی مقبولیت کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر ہوتی ہے کہ اس حدیث کا کسی دوسری حدیث سے تعارض تو نہیں۔ اس بحث کا تعلق حدیثِ محکم اور حدیثِ مختلف ہونے سے ہے۔ دوسرے یہ کہ کبھی حدیث کے مقبول ہونے کے باوجود شارع کی طرف سے اس پر عمل ممنوع ہوتا ہے۔ علمِ ناسخ و منسوخ اسی پر مبنی ہے بلکہ علمِ ناسخ و منسوخ پہلے علم کے تحت آنے والی تفصیلات پر مبنی ہے۔ اس لیے کہ جیسا کہ آگے اس کی تفصیل متن میں آ بھی جائے گی۔ کبھی تعارض کی وجہ ایک حدیث کے معمول بہ ہونے کے بعد اس کا منسوخ ہو جانا ہوتی ہے جس کا ذکر کسی دوسری حدیث میں ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۱۱ بتصرفٍ و زیادة) نسیم

❷ خبر واحد مقبول کی معمول بہ اور غیر معمول بہ ہونے کے اعتبار سے تقسیم سے حاصل ہونے والی دو انواع میں پہلی نوع سے متعلقہ علم کو "علم تاویل الحدیث" بھی کہتے ہیں اس کے تحت حدیث کی دو اقسام سے بحث کی جاتی ہے محکم اور مختلف جس کی تفصیل اوپر درج ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۱۲ بتصرفٍ و زیادة) نسیم

❸ نخبة الفکر مع شرحها نزهة النظر ص۳۹ (طحّان)

کے ساتھ معارضہ نہیں ہوتا) رہ گئی احادیثِ متعارضہ مختلفہ تو ان کی تعداد احادیث مجموعہ کی بہ نسبت بہت کم ہے۔

۲۔ حدیث مُختلِف ❶ کی تعریف:

الف: ......لغوی تعریف: یہ ''الاختلاف'' سے اسم فاعل کا صیغہ ہے اور ''اختلاف'' یہ اتفاق کی ضد کو کہتے ہیں۔ ''مختلف الحدیث'' سے مراد وہ احادیث ہیں جو ہم تک پہنچیں اور ان میں سے بعض احادیث معنی کے اعتبار سے دوسری بعض احادیث کے مخالف و متضاد ہوں۔

ب: ......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں ''مختلف الحدیث'') وہ مقبول حدیث ہے کہ اس کے ہم پلہ حدیث اس کے معارض ہو البتہ ان دونوں کے درمیان جمع و تطبیق ممکن ہو۔'' ❷ یعنی یہ وہ ''حدیث صحیح'' یا ''حدیث حسن'' ہے کہ ایک دوسری حدیث جو مرتبہ اور قوت میں اس جیسی ہو معنی میں بظاہر اس کے مناقض و مختلف ہو مگر اہل علم اور پختہ عقل و فہم رکھنے والوں کے لیے کسی معقول اور مقبول صورت میں ان دونوں احادیث کے مدلول کو جمع کرنا ممکن ہو۔ (اس کو ''مختلف الحدیث'' ❸ کہتے ہیں)

۳۔ ''حدیث مختلف'' کی مثال:

اس کی مثال ''مسلم'' کی درج ذیل حدیث ہے (جو بظاہر بخاری کی ایک روایت کے معارض نظر آتی ہے۔ جسے اس کے بعد ذکر کیا جاتا ہے)

الف: ...... مسلم شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''لَا عَدْوَی وَلَا طِيَرَةَ ❹ ....'' (رواہ مسلم و البخاری)

''نہ تو چھوت چھات کچھ ہے اور نہ بدشگونی''

ب: ...... جب کہ بخاری شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''کوڑھی ❺ سے یوں بھاگو جیسے تم شیر (کو دیکھ کر اس) سے (ڈر کر) بھاگتے ہو۔'' ❻

---

❶ علامہ اسعدی نے اسے اسم مفعول کا صیغہ قرار دے کر تعریف کی ہے۔ دیکھیں ''علوم الحدیث، ص: ۱۱۲'' نسیم

❷ نخبة الفكر مع شرحها ۳۹ (طحّان)

❸ اس حدیث کو ''مشکل الحدیث'' اور ''مشکل الاثر'' بھی کہہ دیا کرتے ہیں (علوم الحدیث، ص: ۱۱۳) اور بظاہر ایسی احادیث دو اقسام پر ہی مشتمل ہو سکتی ہیں کہ یا تو ان کے درمیان جمع و تطبیق ممکن ہو گی یا ان دونوں کو جمع نہ کیا جا سکے۔ ان میں سے ہر ایک حکم آگے بیان کر دیا جاتا ہے۔ نسیم

❹ عَدْوَی چھوت چھات، مرض کا تعدیہ یعنی متعدی ہونا (یعنی بیمار سے بیماری کا تندرست آدمی کی طرف منتقل ہونا۔ چھوت لگنا) (القاموس الوحید ص ۱۰۵۸ کالم نمبر ۲)

طيرة وہ پرندہ وغیرہ جس سے اچھا یا بُرا شگون لیا جائے (مگر اکثر یہ لفظ بدفالی اور بدشگونی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے) (ایضاً ص ۱۰۲۶ کالم نمبر ۲) نسیم

❺ مجذوم: جسے جُذام ہو اور جذام ''کوڑھ'' کو کہتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بیماری ہے جس میں جسم کے اعضاء گل سڑ کر گرنے اور الگ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ علامہ محمود طحان حفظہ اللہ نے کہا ہے۔ وانظر القاموس الوحید ص ۲۴٤ کالم رقم ۲۔ نسیم

❻ البخاری/ کتاب الطب ۱/ ۱۵۸ حدیث رقم ۵۷۰۷ (طحّان)

اب یہ دونوں حدیثیں (صحیحین کی ہیں اور) صحیح ہیں مگر بہ ظاہر دونوں (کے معنی) میں تعارض ہے، کیوں کہ پہلی حدیث چھوت چھات کی نفی اور اس کا انکار کرتی ہے (کہ ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔ کہ یہ اسلام سے پہلے عہد جاہلیت کا عقیدہ تھا جسے اسلام نے آ کر مٹا دیا)، جب کہ دوسری حدیث (جو رتبہ اور قوت میں یعنی صحت کے اعلیٰ درجہ پر ہونے میں پہلی حدیث کے ہم پلہ ہے) اسی (چھوت چھات) کا اِثبات کرتی ہے (کہ کوڑھی کے قریب مت پھٹکو کہیں اس کی گندی بیماری تمھیں نہ لگ جائے اس لیے اسے دیکھ کر یوں ڈر کر پیچھے ہٹو جیسے تم شیر کو دیکھ کر اس سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوتے ہو) مگر (ذوفہم اور ثاقب رائے رکھنے والے فقہاء) علماء نے ان دونوں احادیث (کے معانی) کو جمع کیا ہے اور ان دونوں کے درمیان متعدد وجوہ سے تطبیق دی ہے۔ یہاں ہم تطبیق اور توفیق کی اس صورت کو ذکر کریں گے جو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

۴۔ دونوں احادیث میں جمع و تطبیق کی صورت و کیفیت کا بیان:

(علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ توجیہ کا خلاصہ یہ ہے کہ) دونوں احادیث میں جمع کی صورت یوں پیدا کی جا سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ "(اسلام میں) چھوت چھات کی نفی بھی ہے اور واقع میں یہ بات ہوتی بھی نہیں (جیسا کہ دوسری احادیث میں یہ بات وضاحت و صراحت کے ساتھ مذکور بھی ہے) اس کی دلیل (ترمذی شریف میں) نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد ہے:

((لا یُعْدِی شیءٌ شَیْئًا)) [1]

(بیماری وغیرہ میں سے) کوئی چیز (اپنے بداثرات کے ساتھ) کسی دوسری چیز تک متعدی نہیں ہوتی"

(یعنی اسلام میں ایک کی بیماری دوسرے کو لگنے کا کوئی تصور نہیں) اس کی دوسری دلیل وہ واقعہ ہے جس میں ایک (بدوی) شخص جنابِ رسالت مآب ﷺ کے ساتھ اس بات میں بحث کر رہا تھا کہ اگر ایک "خارشی اونٹ" کو تندرست اونٹوں میں چھوڑ دیا جائے تو اس کی بیماری تندرست اونٹوں کو بھی لگ جائے گی۔ اس پر جنابِ رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "(اچھا) پھر (بتلاؤ کہ) پہلے اونٹ کو خارش کی بیماری کس نے لگائی تھی؟ [2] " (کہ اس وقت تو کوئی دوسرا خارشی اونٹ نہیں تھا جس سے متعدی ہو کر یہ بیماری اس اونٹ کو لگی تھی) یعنی یہ رب تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس نے دوسرے اونٹ کو بھی خارش کی بیماری لگائی جیسے کہ اس نے پہلے اونٹ کو بیمار کیا (نا کہ یہ بات ہے کہ پہلے اونٹ کی بیماری متعدی ہو کر دوسرے اونٹ کو لگ گئی ہے) رہ گئی دوسری حدیث جس میں کوڑھی سے بھاگنے کا حکم ہے (جس سے بظاہر اس حدیث کا پہلی حدیث کے متعارض ہونا سمجھ میں ہوتا ہے) تو (اس میں) یہ (حکم) بطورِ "سد ذرائع" [3] کے ہے۔ یعنی

---

[1] الترمذی/ کتاب القدر ج ٤ ص ٤٥٠، واخرجه احمد (طحّان)

[2] البخاری/ کتاب الطب ج ١ ص ١٧١ مع فتح الباری، واخرجه مسلم وابوداؤد و احمد

[3] ذرائع یہ ذریعہ کی جمع ہے یعنی اسباب و بواعث اور "سدّ" یہ سَدَّ یَسُدُّ سے ہے جس کا معنی خرابی یا بگاڑ کا دور کرنا اور رخنہ، سوراخ اور شگاف وغیرہ کو بند کرنا ہے مراد یہ ہے کہ ایک شی کے وجود میں آنے کے اسباب و بواعث کو ختم کرنے اور ان پر بندش لگانے کو "سدِ ذرائع" کہتے ہیں جس کو عرفِ عام میں "سدِ باب" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ نسیم

ہو سکتا ہے کہ جو شخص کوڑھی کے پاس آتا جاتا ہو اس کو بھی رب تعالیٰ کی تقدیر سے یہ بیماری لگ جائے تا کہ اس چھوت چھات سے جس کی اسلام نفی کرتا ہے۔ مگر (بدقسمتی سے) وہ شخص اس گمانِ (فاسد اور بداعتقادی) میں مبتلا ہو جائے کہ اسے یہ بیماری اس کوڑھی کے پاس اٹھنے بیٹھنے سے لگی ہے۔ یوں وہ چھوت چھات جیسے ایک ''بد'' عقیدے کے درست ہونے کا معتقد ہو جائے۔ اور (اس) گناہ میں جاپڑے (جس سے بچنے کا اسلام نے حکم دیا تھا) پس اس لیے ''کوڑھی'' سے دور رہنے کا حکم ہے تا کہ کوئی (ضعیف الاعتقاد) اس ''بد'' عقیدے میں نہ جاپڑے جو گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ ❶

۵۔ جو شخص دو مقبول احادیث میں تعارض دیکھے اسے کیا کرنا چاہیے؟

ایسے شخص کو درج ذیل باتوں پر عمل پیرا ہونا چاہیے!

الف:.... اگر تو دو متعارض احادیث کو جمع کرنا ممکن ہو تو دونوں کو جمع کرنا متعین ہوگا اور دونوں پر عمل کرنا واجب ہوگا (اور ظاہری تعارض کو دیکھتے ہوئے کسی ایک حدیث کو چھوڑ کر دوسری پر عمل جائز نہ ہوگا)

ب:......اور اگر دونوں احادیث کو کسی صورت میں بھی جمع کرنا ممکن نہ ہو تو پھر:

۱۔ اگر تو کسی ایک حدیث کی بابت معلوم ہے کہ وہ ''ناسخ'' ہے، تو اس حدیث کو مقدم کریں گے اور عمل بھی اس پر کریں گے۔ اور منسوخ حدیث کو چھوڑ دیں گے۔

۲۔ اور اگر ہمیں دونوں میں سے کسی کا ناسخ یا منسوخ ہونا معلوم نہ ہو تو ہم ترجیح کی صورتوں میں کسی ایک صورت کو اختیار کر کے، جن کی تعداد پچاس سے زائد بتلائی جاتی ہے، ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دیں گے پھر راجح حدیث پر عمل کریں گے (اور مرجوح حدیث کو چھوڑ دیں گے)۔

۳۔ اور اگر ہم کسی ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح بھی نہ دے سکیں اور بظاہر یہ ایک نادر صورت ہے۔ تو ہم دونوں پر عمل کرنے سے توقف اختیار کیے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارے سامنے کوئی وجہ ترجیح ظاہر ہو جائے (جس کے ذریعہ ہم ایک حدیث کو دوسری پر ترجیح دے کر راجح پر عمل کریں گے اور مرجوح پر عمل کو ترک کر دیں گے)۔ ❷

۶۔ اس فن کی قدر و اہمیت اور اس میں مہارت حاصل کرنے والے سعادت مندوں کا بیان:

علوم حدیث میں یہ علم بے حد اہمیت کا حامل ہے اور سب علماء کو اس علم کی معرفت کی از حد ضرورت و احتیاج ہے۔

❶ ان دونوں بظاہر متعارض احادیث میں تطبیق کی ایک توجیہ علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ نے بھی بیان کی ہے اس کی تفصیل کے لیے دیکھیں "علوم الحدیث للاسعدی حفظہ اللہ ص ۱۱٤" نسیم

❷ وجوہِ ترجیح کتنی ہیں اور جمع کی کتنی صورتیں ہیں؟ مؤلف موصوف حفظہ اللہ نے طوالت کے خوف سے ان کو ذکر نہیں کیا۔ علامہ اسعدی نے اس کی قدرے معقول مگر نہایت مختصر اور تقریباً مغلق تفصیل "علوم الحدیث ص ۱۱۵۔۱۱٦" میں درج کی ہے۔ ان کی بنیادی قسمیں دو ہیں (۱) وجوہِ ترجیح باعتبار متن (۲) اور وجوہِ ترجیح باعتبار سند اور اس کے بعد وجوہ جمع ہیں۔ رہ گئی تطبیق کی تیسری صورت، تو وہ خود نادر ہے چہ جائیکہ کسی تفصیل کی محتاج ہو، دوسرے وہ صورت بھی وجوہِ ترجیح کی تفصیلی معرفت پر موقوف ہے۔
جب کہ ناسخ اور منسوخ کی تفصیل خود آگے متن میں آ رہی ہے۔ نسیم

اس علم میں مہارت و کمال انھی ائمہ دین کو نصیب ہوتا ہے جو حدیث اور فقہ کے دونوں مہتم بالشان علوم کے جامع اور ان کے ماہر ہوں۔ اور علمائے اصول میں سے اس علم کی کامل استعداد انھی کے حصے میں آتی ہے جو دریائے علم کے (شناور اور) دقیق معانی کے غوطہ زن (اور قیمتی اور نایاب علمی موتیوں کے متلاشی) ہوں (اور انھی قیمتی علوم کی تلاش و جستجو ہی ان کا اوڑھنا بچھونا اور جینا مرنا ہو انھی کی تلاش میں سرگرداں ان کی راتیں کٹتی ہوں اور انھی کے حصول کے لیے دشتِ علم میں آبلہ پائی کرتے کرتے ان کے دن گزرتے ہوں حتیٰ کہ زندگی سے بھی گزر جاتے ہوں) زیورِ علم و فقاہت سے آراستہ سعادت مند علماء کا یہی وہ طبقہ ہے کہ شاید ہی کوئی حدیث ایسی ہو جس کے تعارض کا حل ان کے پاس نہ ہو۔ ''تعارض ادلہ'' کی اس اہمیت نے علماء (کی توجہ) کو (کھینچا اور انہیں دن رات اس میں) مشغول رکھا اور یہی وہ عظیم الشان میدانِ علم ہے جس میں ان حضرات کی فطری صلاحیتیں اجاگر ہوئیں اور ان کی دقتِ فہم (باریک بینی، دور اندیشی، زود فہمی، وسعتِ نظر، شعور و ادراک کی گہرائی و گیرائی) اور (منتشر اور پراگندہ امور میں) حسنِ اختیار کے (عدیم النظر اور بے مثل) نمونے منصۂ شہود پر ظاہر ہوئے (جس کی مثال چشمِ فلک کی نگاہ سے پہلے کبھی نہ گزری تھی) اور (یہ اس فن کی دقت و نزاکت ہی تھی کہ اس سے نبرد آزما ہونا اور اس میں مہارت و حذاقت پیدا کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہ تھا اسی لیے) علماء و فقہاء کے (علمی) دسترخوان کے بے شمار خوشہ چین اور طفیلی (جن کی حیثیت اس میدان میں طفلِ مکتب سے زیادہ کی نہ تھی) جب (بے سوچے سمجھے) اس (بحرِ ناپید کنار) میں کود پڑے تو ان کے قدم ڈگمگا گئے (اور وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ سکے)۔

۷۔ ''مختلف الحدیث'' میں تصنیف کی جانے والی مشہور تالیفات:

الف:...... ''اِخْتِلَافُ الْحَدِیْثِ'': یہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کی تالیفِ لطیف ہے جو اس فن میں تالیف کی جانے والی سب سے پہلی کتاب ہے۔ اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اس فن میں کلام کیا۔

ب:...... تَاوِیْلُ مُخْتَلِفِ الْحَدِیْثِ: اس کے مصنف ابن قتیبہ عبداللہ بن مسلم دینوری متوفی ۲۷۶ھ ہیں۔

ج:...... مُشْکِلُ الْاٰثَارِ: یہ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاوی رحمہ اللہ متوفی ۔ ۳۲۱ھ کی تصنیف ہے۔

۲...... ناسخ اور منسوخ حدیث کا بیان

ا۔ نسخ کی تعریف: ❶

الف:...... نسخ کی لغوی تعریف: لغت میں نسخ کے دو معانی ہیں:

(۱) ازالہ: ہٹانا، مٹانا اور زائل کرنا۔ اس معنی میں کہا جاتا: ''نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ'' سورج نے سایہ ہٹا دیا اور ختم کر دیا۔

❶ نسخ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور مزید تفصیل کے لیے دیکھیں بندہ عاجز مترجم کی تالیف ''تیسیر البیان'' شرح ''التبیان فی علوم القرآن'' ص ۱۹۶۔۱۹۸'' ط. المیزان، لاہور۔

(۲) **نقل**: نقل کرنا، کتابت کرنا، کتاب کو حرف بہ حرف لکھنا۔ کہتے ہیں "نَسَخْتُ الكِتَابَ" "میں نے کتاب میں جو کچھ تھا اس کو لکھا۔ اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کتاب کو حرف بہ حرف نقل کیا جائے۔ پس (لفظِ نسخ کے ان دونوں لغوی معانی کے اعتبار سے) گویا کہ ناسخ یہ منسوخ کو زائل کر دیتا ہے یا ناسخ منسوخ کو ایک اور حکم کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔

ب:......نسخ کی اصطلاحی تعریف: "اصطلاحِ شرع میں نسخ شارع کے اپنے پہلے حکم کو اپنے دوسرے اور بعد والے حکم کے ذریعے اٹھا دینا (ہٹا دینا اور ختم کر دینا) ہے۔" ❶

۲۔فن ناسخ و منسوخ کی اہمیت، دشواری اور اس فن میں خصوصی امتیاز رکھنے والے مشہور علماء وفقہاء:

ناسخ اور منسوخ حدیث کی پہچان اور معرفت نہایت اہم اور دشوار علم ہے۔ (اس کی عظمت و اہمیت اور دشواری و پیچیدگی پر روشنی ڈالتے ہوئے) امام زہری فرماتے ہیں:

"علماء اور فقہاء کو ناسخ اور منسوخ کی معرفت نے درماندہ اور عاجز کر کے رکھ دیا"

جن علماء اور فقہاء کو اس فن میں خصوصی مرتبہ اور امتیازی شان حاصل ہوئی ان میں سرِ فہرست امام شافعی رحمہ اللہ کا نام نامی آتا ہے جنھیں اس فن میں یدِ طولی اور اپنے اقران و امثال اور متقدمین سب پر سبقت اصل تھی (گویا کہ اس میدان میں گوئے سبقت لے جانے کا سہرا امام شافعی رحمہ اللہ کے سر ہے)۔

(آیئے! امام شافعی رحمہ اللہ کی علمی عظمت کو امام احمد رحمہ اللہ کے الفاظ میں سنتے ہیں)

ابن وارہ جب مصر سے علم کے حصول کے لیے امام احمد رحمہ اللہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ طے کرنے حاضر ہوئے تو امام احمد رحمہ اللہ نے سب سے پہلا سوال یہ کیا:

"کیا تم نے امام شافعی کی کتب لکھی ہیں؟ (یعنی ان کو دیکھا اور ان کا مطالعہ کیا ہے اور کسی معتبر عالم سے ان کو پڑھا اور اس کی اجازت سے ان کو لکھا ہے) ابن وارہ نے کہا: نہیں۔"

امام احمد نے فرمایا، تم نے (سخت) کوتاہی کی (امام شافعی تو علم کا سمندر تھے اور ان کے علمی مقام مرتبہ کا اندازہ صرف اس ایک بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ) جب تک ہم ان کی خدمت میں بیٹھے نہ تھے ہم مجمل کو مفسّر سے اور ناسخ کو منسوخ سے نہ پہچان سکے۔"

۳۔ناسخ کو منسوخ سے کیسے پہچانا جاتا ہے؟

ناسخ حدیث کو منسوخ سے مندرجہ ذیل متعدد باتوں میں سے کسی ایک کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے:

الف:......یا تو خود جناب رسالت مآب ﷺ نے کسی حدیث کے ناسخ (یا منسوخ) ہونے کی صراحت کر دی ہو۔ جیسے صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

❶ علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۱۷۷ (طحان)

''(پہلے) میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے روکا تھا پس (اب میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں کہ) تم قبروں کی زیارت کرلیا کرو کہ قبریں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔'' ❶

ب:...... کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے قول سے (جس میں نسخ کی صراحت ہو) جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ: ''آگ سے پکی ہوئی چیزوں (کے کھانے پینے کے بعد ان) کی وجہ سے وضو کرنے یا نہ کرنے کی بابت جناب رسول اللہ ﷺ کا آخری عمل یہ تھا کہ آپ ﷺ ایسی چیزوں کے استعمال کے بعد وضو نہ فرمایا کرتے تھے۔'' ❷ اس کو اصحابِ سنن نے روایت کیا ہے۔

ج:...... (دونوں احادیث کے وقت اور) تاریخ کے علم سے: (اس سے مراد یہ ہے کہ دونوں احادیث کا وقت معلوم ہو جائے جس سے یہ فیصلہ کرنا آسان ہو جائے کہ کون سا عمل اور قول پہلے کا ہے اور کون سا بعد کا) جیسے (ابو داؤد میں) حضرت شدّاد بن اوس کی مرفوع حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے (رمضان میں ایک شخص کو پچھنے لگوانے دیکھا تو) ارشاد فرمایا:

''پچھنے لگانے والے اور لگوانے والے دونوں کا روزہ ٹوٹ گیا۔'' ❸

یہ مذکورہ حدیث حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی وجہ سے منسوخ ہے کہ ''نبی کریم ﷺ نے حالتِ احرام میں بھی پچھنے لگوائے اور حالتِ صیام میں بھی پچھنے لگوائے۔'' ❹

اب حضرتِ شدّاد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعض طرق میں یہ بات آتی ہے کہ یہ واقعہ فتحِ مکہ کے سال کا ہے۔ جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (جو حالتِ احرام میں. نبی کریم ﷺ کے پچھنے لگوانے کی روایت کر رہے ہیں) نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع میں موجود تھے (اور یہ بات ظاہر ہے کہ فتح مکہ پہلے کا واقعہ ہے جس میں حضرتِ شدّاد روزہ میں پچھنے لگوانے کی ممانعت کو بیان کر رہے ہیں اور حجۃ الوداع اس کے دو سال بعد کا واقعہ ہے جس میں حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ حالت صیام میں پچھنے لگوانے کی اباحت کو بیان کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ بعد والا واقعہ پہلے واقعہ کا ناسخ ہوا کرتا ہے) ❺

---

❶ رواه مسلم / في كتاب الاضاحي حديث رقم ٣٧ بنحوه (طحّان).
اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے صراحۃً فرمادیا ہے کہ زیارتِ قبور کی مخالفت اب منسوخ ہو چکی ہے۔نسیم

❷ رواه ابو داؤد/ كتاب الطهارة حديث رقم ١٩٢ (طحّان)
اس حدیث میں حضرتِ جابرؓ اس بات کی تصریح فرمارہے ہیں کہ آگ پر پکی چیزیں کھانے سے وضو کرنے کا حکم اب منسوخ ہو چکا ہے۔نسیم

❸ رواه ابو داؤد كتاب الصوم حديث رقم ٢٣٦٩ (طحّان)

❹ اخرجه البخاري / كتابِ الصوم ٤/ ١٧٤ حديث رقم ١٩٣٨ (طحّان)

❺ احادیث کے اوقات کا علم بھی ایک مستقل فن شمار کیا گیا ہے۔ بہت سی احادیث میں اوّلیت کی تصریح بھی منقول ہے۔ بعض محدثین نے ''اوائل'' کے عنوان سے مستقل کتابیں تالیف کی ہیں اور بعض نے ابواب لکھے ہیں۔ ''ناسخ و منسوخ'' کے سلسلہ میں ایسی احادیث کی واقفیت خاص طور سے مفید ہوتی ہے۔ (علوم الحديث، ص: ١١٩-١٢٠ بحواله تدريب الراوی ٢/ ٣٩٥) نسیم

و:......اجماع کی دلالت سے ❶: جیسے ابوداود کی یہ حدیث، کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''جو شراب پئے اس کو کوڑے لگاؤ اور (اسی طرح تین مرتبہ تک کوڑے لگاؤ اور) اگر وہ (پھر بھی باز نہ آئے اور) چوتھی مرتبہ (بھی) شراب پئے تو (اب) سے جان سے مارڈالو۔'' ❷

امام نووی رحمہ اللہ (اس حدیث کے منسوخ ہونے کی صراحت کرتے ہوئے) فرماتے ہیں: ''(حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس کے خلاف پر) اجماع اس حدیث (کے حکم) کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔''

(لیکن یاد رہے کہ) اجماع نہ تو خود ''ناسخ'' ہوتا ہے اور نہ ''منسوخ'' بلکہ ''نسخ کی دلیل'' ہوتا ہے۔

۴۔ ناسخ ومنسوخ پر لکھی جانے والی مشہور کتب:

الف:......اَلْاِعْتِبَارُ فِی النَّاسِخِ وَ الْمَنْسُوْخِ مِنَ الآثَارِ: یہ امام ابوبکر محمد بن موسیٰ حازمی رحمہ اللہ متوفی ۵۸۴ھ کی تصنیف ہے۔

ب:......اَلنَّاسِخُ وَالْمَنْسُوْخُ: یہ امام احمد رحمہ اللہ متوفی ۲۴۱ھ کی تالیفِ لطیف ہے۔

ج:......تَجْرِیْدُ الْاَحَادِیْثِ الْمَنْسُوْخَةِ: اس کے مصنف ابن جوزی رحمہ اللہ متوفی ۵۹۷ھ ہیں۔

مشقی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

۱۔ محتف بالقرائن سے کون سی حدیث مراد ہوتی ہے؟ نیز قرائن کی بھی وضاحت کیجیے۔

۲۔ مندرجہ ذیل اصطلاحات کی وضاحت کیجیے:

حدیث محکم، مختلف الحدیث

۳۔ ''لا عدوی ولا طیرہ'' اور حدیث ''کوڑھی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو'' میں جمع وتطبیق کی صورت بیان کریں۔

۴۔ دو مقبول احادیث میں تعارض کیوں کر پیدا کیا جا سکتا ہے؟

۵۔ مختلف الحدیث میں لکھی جانے والی پہلی کتاب کا نام کیا ہے اور اس فن کا آغاز کس نے کیا؟

۶۔ ''اجماع نہ تو خود ''ناسخ'' ہوتا ہے اور نہ ''منسوخ'' بلکہ ''نسخ کی دلیل'' ہوتا ہے'' اس جملہ کی وضاحت کیجیے۔

۷۔ ناسخ ومنسوخ میں کس امام کو امتیازی مقام حاصل ہے اور امام احمد نے ان کے بارے میں کیا کہا ہے؟

---

❶ یعنی کسی حدیث کے خلاف تمام صحابہ کا بالاتفاق قول وعمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث میں منقول حکم اب منسوخ ہے، کیوں کہ اگر حدیث کا حکم باقی ہوتا تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کی ہرگز مخالفت نہ کرتے (علوم الحدیث، ص: ۱۲۰) نسیم

❷ رواہ ابو داؤد کتاب الحدود حدیث رقم ٤٤٨٤ (طحان)

۸۔ ناسخ کو منسوخ سے کیسے پہچانا جا سکتا ہے؟

۱۰۔ علامہ ابن جوزی کی ناسخ ومنسوخ پر تصنیف کا نام تحریر کیجیے۔

خالی جگہ مناسب الفاظ سے پر کریں۔

۱۔ محکم ....کا صیغہ ہے اور اس کا معنی .... ہے۔

۲۔ ....اتفاق کی ضد ہے۔

۳۔ ابن قتیبہ عبداللہ بن مسلم کی تصنیف کا نام .... ہے۔

۴۔ ابوجعفر محمد بن احمد نے ....ھ کو وفات پائی۔

۵۔ مختلف الحدیث میں پہلی کتاب ....نے تالیف کی۔

۶۔ علم ناسخ ومنسوخ میں امام ....کو یدِطولیٰ حاصل تھا۔

۷۔ ....اور..........کی معرفت نے علما اور فقہا کو درماندہ و عاجز کر کے رکھ دیا۔

عملی کام: ......بہ ظاہر متعارض احادیث میں دی گئی تطبیق کو کیا درجہ حاصل ہے؟ کیا اسے اجتہاد کہا جائے گا؟ اپنے تمام اساتذہ کی رائے لیجیے اور کسی رائے کو ترجیح دیجیے۔

عملی کام: ......سد ذرائع اصول فقہ کی ایک اہم بحث ہے، کوشش کیجیے کہ اصول فقہ کی کسی اچھی کتاب سے اس بحث کا مطالعہ کر لیں۔

مطلب دوم

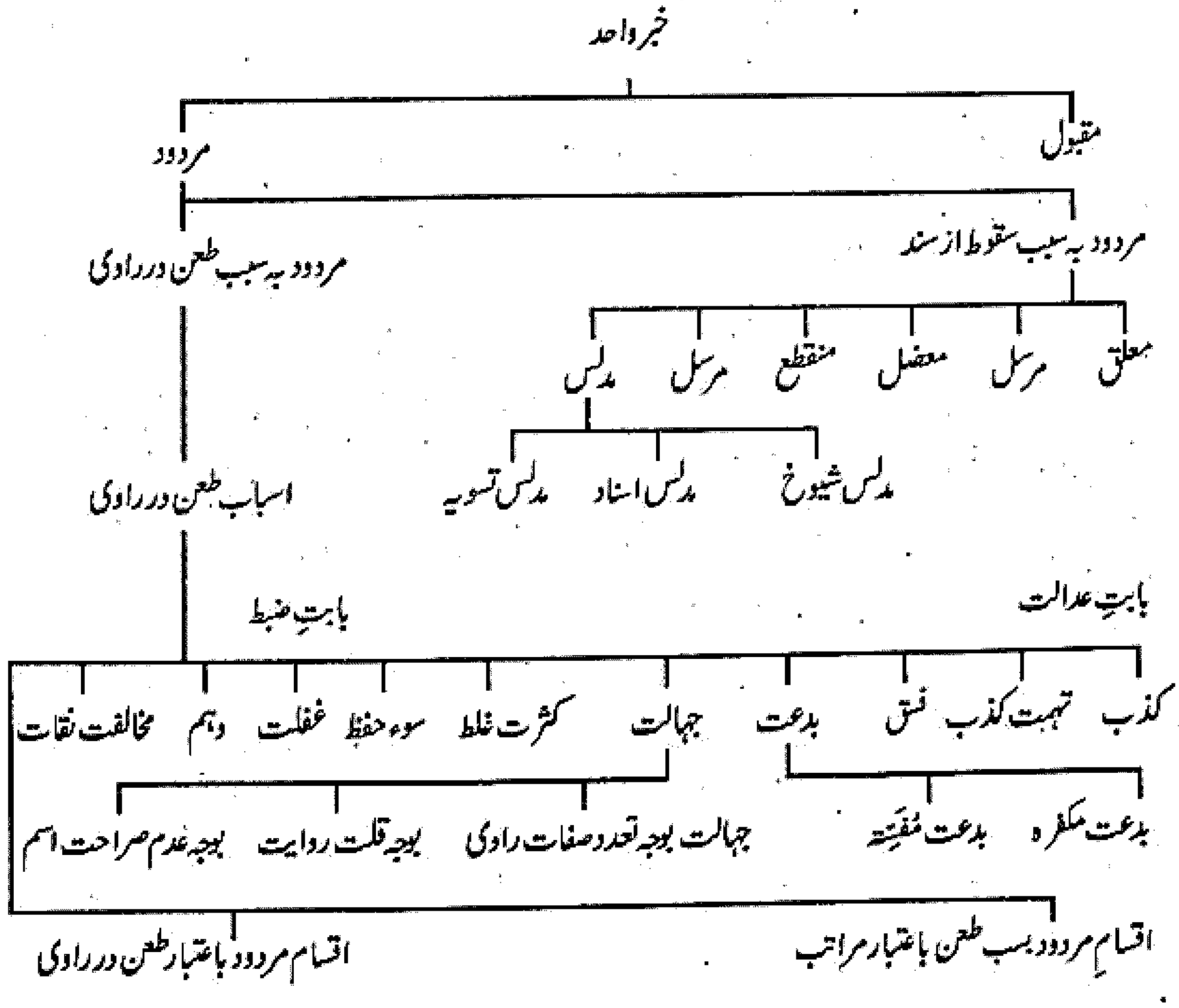
خبر مردود

مقصد اوّل:......خبر ضعیف کے بارے میں

مقصد دوم:......وہ خبر جو اسناد میں کسی راوی کے سقوط کی وجہ سے ضعیف ہو

مقصد سوم:......وہ خبر جو کسی راوی میں طعن کی وجہ سے ضعیف ہو [1]

[1] علامہ اسعدی حفظہ اللہ نے خبر ضعیف کے مردود ہونے کے دو اسباب کی بنا پر خبر ضعیف کی جتنی اقسام بن سکتی ہیں، انھیں ایک سہل نقشہ میں مرتب کیا ہے۔ طلبہ کی افادیت کے لیے اس نقشہ کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:



(علوم الحدیث، ص:۱۲۳......نسیم)

خبر مردود (اسکی تعریف) اور
ردّ (خبر) کے اسباب (اور اس کی اقسام)

ا۔ مردود کی تعریف: ❶

''(اصطلاح میں) خبر مردود اس خبر کو کہتے ہیں جس کی خبر دینے والے کا صدق راجح نہ ہو۔'' اور اس کی صورت یہ ہے کہ اس خبر میں گزشتہ مذکورہ صحت حدیث کی ایک یا متعدد شروط مفقود ہوں (یعنی اس حدیث کا ثبوت، قبولیت کی ایک یا چند شروط کے مفقود ہونے کی وجہ سے راجح نہ ہو) ❷

۲۔ خبر مردود کی اقسام اور خبر کے مردود ہونے کے اسباب:

علماء نے خبر مردود کو متعدد اقسام میں تقسیم کیا ہے ❸ اور ان میں اکثر اقسام کا ایک خاص نام تجویز کیا ہے، جب کہ بعض کا کوئی خاص نام نہیں رکھا۔ بلکہ اس کو ''ضعیف'' کے عام نام سے یاد کیا ہے۔

ردِ حدیث کے بے شمار اسباب ہیں لیکن فی الجملہ یہ سب اسباب دو بنیادی اور اساسی اسباب کی طرف راجع ہوتے ہیں جو یہ ہیں:

الف:......اسناد میں (کسی راوی کا) سقوط

ب:......(اسناد کے) کسی راوی میں طعن

انھی دونوں اسباب کے تحت متعدد اقسام آتی ہیں۔ ہم ان جملہ اقسام پر تین مستقل مقاصد میں تفصیلی بحث اور کلام کریں گے۔ ان شاء اللہ اور اس کی ابتداء ہم ''مقصدِ اوّل ''ضعیف'' سے کرتے ہیں جو ''مردود'' کا اسم عام ہے۔ (یا دوسرے لفظوں میں حدیث مردود کا دوسرا عنوان ''ضعیف'' ہے)۔ ❹

---

❶ مولف موصوف نے مردود کی لغوی تعریف نہیں لکھی۔ مردود کا لغوی معنی رد کیا ہوا اور واپس کیا ہوا ہے۔ یعنی وہ حدیث جس کو کسی طعن کی وجہ سے رد کر دیا گیا ہو۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۲۳ بتصرفٍ و زیادۃ) نسیم

❷ علوم الحدیث، ص: ۱۲۳۔ نسیم

❸ بعض علماء نے اس کی چالیس سے زیادہ اقسام بتلائی ہیں (طحان)
اور بقولِ عراقی ابن صلاح نے اس کی ۴۲، ابن حبان نے ۴۹، بعض نے ۶۳ اور علامہ مناوی رحمہ اللہ نے عقلاً اس کی ۱۲۹ اقسام ذکر کی ہیں (علوم الحدیث، ص: ۱۲۳ فر الھامش بحوالہ تدریب الراوی ۱/ ۱۷۹)

❹ اور ضعیف کی کچھ تفصیلات کو پہلے اس لیے بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ تفصیلات اجمالی طور پر اگلی دونوں مباحث کی تفصیلات و اقسام کو شامل ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۲۳ بتصرف) نسیم

مقصد اوّل

حدیثِ ضعیف کا بیان

ا۔ حدیثِ ضعیف کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لغت میں ضعیف قوی کی ضد کو کہتے ہیں۔ یعنی کمزور اور ضعف یعنی کمزوری حسّی بھی ہوتی ہے اور معنوی بھی۔ مگر یہاں ضعف معنوی مراد ہے (نا کہ ضعفِ حسی)

ب:......اصطلاحی تعریف: یہ وہ حدیث ہے جس میں حدیث حسن کی شروط میں سے کسی شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے حسن کا وصف نہ ہو۔ ❶

علامہ عمر بن محمد بن بیقونی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۸۰ھ اپنی مشہورِ زمانہ تالیف "المنظومة البیقونیة" میں (ضعیف کی تعریف کرتے ہوئے یہ شعر) کہتے ہیں:

وَكُلُّ مَا عَنْ رُتْبَةِ الْحَسَنِ قَصُرْ   فَهُوَ الضَّعِيفُ وَهُوَ أَقْسَامٌ كَثُرْ

"اور ہر وہ حدیث جو "حسن" کے رتبہ سے کم ہو، وہ ضعیف ہے اور اس کی بے شمار اقسام ہیں"

۲۔ احادیث مردودہ میں تفاوت (اور فرقِ مراتب):

حدیث ضعیف کے راویوں میں ضعف کی شدت اور کمی کے اعتبار سے حدیث ضعیف کے مراتب میں فرق ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی صرف "ضعیف" کوئی بہت ضعیف اور کوئی "واھی" کہلاتی ہے۔ (غرض جوں جوں ضعف بڑھتا جائے گا ضعیف کے مراتب بھی بدلتے جائیں گے اور نام بھی) چناں چہ (واھی سے بھی بڑھ کر ضعیف حدیث کی قسم) منکر ہے اور سب سے بدتر اور بُری ترین قسم کا نام "موضوع" ہے۔ ❷

❶ اور اس وصف کے نہ پائے جانے کو "ضعف" اور کسی حدیث کے حق میں اس کے ذکر و اثبات کو "تضعیف" اور ایسی حدیث کو "ضعیف" کہتے ہیں (علوم الحدیث، ص: ۱۲۵ بتصرفٍ و زیادة) نسیم

❷ غرض احادیث ضعیف کی ۴۲ سے ۱۲۹ تک اقسام ذکر کی گئی ہیں جن میں سے بعض کے مخصوص نام اور عناوین ہیں جب کہ بعض ضعیف کے عنوان کے تحت ہی داخل ہیں اور یہ جملہ اقسام رو بنیادی اقسام کے تحت داخل ہیں جنھیں اوپر متن میں بیان کر دیا گیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۲۰ مخلصاً)

علامہ اسعدی نے احادیث ضعیفہ و مردودہ کے درمیان فرقِ مراتب پر مفصل کلام کیا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے: "احادیث مقبولہ کی طرح احادیثِ ضعیفہ و مردودہ کے بھی مختلف مراتب ہیں جن کا تذکرہ آئندہ چل کر حسبِ موقع آ جائے گا۔ چناں چہ "اقسام بوجہ سقوط از سند" اور اقسام بوجہ طعن در راوی" کے بیان میں اسی فرقِ مراتب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان میں اختیار کی گئی ترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے پہلی قسم کی احادیثِ ضعیفہ میں یہ ترتیب اختیار کی ہے۔ معلّق (ان میں بخاری کی تعلیقات شامل نہیں)، معضل، منقطع، مرسل جلی، مرسل خفی، اور مدلّس اور دوسری قسم کی احادیثِ ضعیفہ کی ترتیب یہ بیان کی ہے۔ موضوع، متروک، منکر، مختلط، معلّل، بدعت کی دعوت دینے والے کی روایت، مجہول کی روایت وغیرہ۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۲٤ ملخصاً و تبصرفٍ بحوالة شرح نخبة الفکر للقاری ص۷۲۔۷۳) نسیم

۳۔ سب سے کمزور ترین اسانید:

گزشتہ میں "حدیث صحیح" کی بحث میں علماء نے بعض اسناد کو "اَصَحُّ الْاَسَانِیْدِ" کا نام دیا ہے۔ اس بنا پر "ضعیف" حدیث کی بحث میں بھی علماء نے بعض اسانید کو "اَوْھَی الاَسَانِیدِ" (کمزور ترین) سند کا نام دیا ہے۔ امام حاکم نیشا پوری رحمہ اللہ نے ❶ "کمزور ترین اسناد" کی بابت تفصیلی کلام کیا ہے اور بتلایا ہے کہ کمزور ترین اسانید میں سے بعض بعض صحابہ کے اعتبار سے ہیں، جب کہ بعض میں یہ ازحد کمزوری بعض علامتوں اور شہروں کے اعتبار سے ہے۔ ہم امام حاکم کی کتاب "معرفة علوم الحدیث" اور دوسری کتب سے "کمزور ترین اسانید کو ذکر کرتے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں:

الف: ...... حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کمزور ترین سند: اور وہ یہ ہے:

"صدقة بن موسی الدقیقی، عن فرقدِ السَّبَخِيِّ، عن مُرَّةَ .لطَّیِّبِ عن ابی بکر رضی اللہ عنہ." ❷

ب: ...... شامیوں کی کمزور ترین سند: "محمد بن قیسِ المصلوب، عن عبید الله بن زَحْرٍ، عن عليِّ بن یزید، عن القاسم عن ابی امامة" ❸

ج: ...... حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب سب سے کمزور اِسناد: "السدی الصغیر محمد بن مروان عن الکلبی، عن ابی صالح عن ابن عباس رضی اللہ عنہ" (یہ اسناد اس قدر کمزور ہے کہ) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس اِسناد کے بارے میں کہتے ہیں، "یہ اسناد "سلسلة الکذب" یعنی "جھوٹ کی ایک زنجیر" ہے ناکہ "سلسلة الذهب" (یعنی "سونے کی زنجیر") ❹

۴۔ ضعیف حدیث کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے "حکیم بن اثرم" کے طریق سے روایت کیا ہے کہ حکیم اثرم ابو تمیمہ ھجیمی سے، وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جس نے حالت حیض میں بیوی کے پچھلے مقام میں صحبت کی یا کسی کاہن کے پاس گیا تو اس نے رب تعالیٰ کے اس دین کا انکار کیا جو اس نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کیا ہے۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "ہم اس حدیث کو صرف "حکیم الاثرم عن ابی تمیمة الهجیميّ عن ابی هریرة" کے طریق سے ہی جانتے ہیں" یہ کہنے کے بعد فرماتے ہیں، "امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے اسناد کے اعتبار سے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔" ❺

---

❶ "معرفة علوم الحدیث ص ۷۱-۷۲" میں۔ (طحّان) ❷ معرفة علوم الحدیث ص ۷۱-۷۲ للحاکم رحمہ اللہ (طحّان،

❸ معرفة علوم الحدیث ص ۷۱-۷۲ للحاکم رحمہ اللہ (طحّان) ❹ دیکھیں تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۸۱ (طحّان)

❺ الترمذی مع شرحه ۱/ ۴۱۹-۴۲۰ (طحّان)

(مولف موصوف علامہ محمود طحان فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں: (یہ حدیث اس لیے ضعیف ہے) کیوں کہ اس کی اسناد میں "حکیم اثرم" ہیں جن کو علماء نے ضعیف کہا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "تقریب التهذیب" میں ان کے بارے میں یہ کہا ہے، "ان میں نرمی اور لچک ہے۔"

۵۔ خبر ضعیف کا حکم:

علمائے حدیث اور دوسرے علماء وفقہاء کے نزدیک ضعیف حدیث کی روایت جائز ہے۔ البتہ اگر ان کی اسانید کے ضعف کو بیان کرنے میں تساہل سے کام لیا جائے (اور ان کا ضعف بیان کیے بغیر ان کو روایت کر دیا جائے) تو ایسا کرنا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ بخلاف حدیث موضوع کے کہ اس کے "وضع" کو بیان کیے بغیر (اور اس کے موضوع ہونے کو بتلائے بغیر) اس کا روایت کرنا جائز نہیں ہوتا اور حدیث ضعیف کو اس کا ضعف بتلائے بغیر جن دو شرطوں کے ساتھ روایت کرنا جائز ہوتا ہے وہ یہ ہیں:

الف: ......اس ضعیف حدیث کا تعلق عقائد جیسے صفاتِ باری تعالیٰ وغیرہ کے ساتھ نہ ہو۔

ب: ......اور اگر وہ ضعیف حدیث احکام شرعیہ کو بیان کرتی ہو تو اس کا تعلق حلال حرام سے نہ ہو۔

یعنی وعظ ونصیحت، ترغیب وترہیب اور قصص وغیرہ میں اس کی روایت جائز ہے۔ اور وہ حضرات شیوخ ومحدثین جن کی بابت ضعیف حدیث کی روایت کرنے میں تساہل برتنے کو روایت کیا گیا ہے، وہ سفیان ثوری، عبدالرحمٰن بن معدی اور احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں۔ ❶ اور اس بات کو ملحوظ رکھنا بھی نہایت ضروری ہے کہ جب آپ احادیثِ ضعیفہ کو اسناد کے بغیر روایت کریں تو یوں نہ کہیں کہ، "قال رسول اللّٰه ﷺ كذا." نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:" بلکہ "رُوِی عن رسول اللّٰه ﷺ كذا" نبی کریم ﷺ سے یہ روایت کیا گیا ہے یا "بَلَغَنَا عنه كذا" ہمیں نبی کریم ﷺ سے یہ بات پہنچی ہے۔" وغیرہ وغیرہ جیسے الفاظ کہیں تاکہ آپ اس حدیث کے ضعیف ہونے کو جاننے کے باوجود اس کو پورے وثوق اور یقین کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نہ کریں۔

۶۔ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا حکم:

ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ "فضائلِ اعمال" میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے۔ لیکن اس کی بھی تین شروط ہیں۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ ان تین شروط کی وضاحت ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں:

الف: ......ضعیف حدیث کا ضعف بہت زیادہ نہ ہو۔

ب ......: وہ حدیث کسی معمول بہ اصل (یعنی کسی شرعی قاعدہ یا کلیہ) کے تحت آتی ہو۔

---

❶ دیکھیں علوم الحدیث ص ۹۹، الکفایہ ص ۱۳۳۔۱۳۴ باب التشدّد فی احادیث الاحکام والتجوز فی فضائل الاعمال" (طحان)

ج:...... اور تیسری شرط یہ ہے کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے والا عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو (کہ یہ حدیث قطعیت کے ساتھ ثابت ہے اور اس پر عمل کرنا واجب ہے) بلکہ احتیاط کا اعتقاد رکھتا ہو۔ ❶

۷۔ وہ مشہور تصنیفات جن میں احادیثِ ضعیفہ پائی جاتی ہیں:

وہ کتابیں جو لکھی ہی اس غرض سے گئی ہیں کہ ان میں ضعیف احادیث کو جمع کیا جائے ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

۱۔ "کتاب الضعفاء": یہ امام ابن حِبّان کی تصنیف ہے۔

۲۔ "میزان الاعتدال": یہ علامہ ذہبی کی علمی یادگار ہے۔ ان دونوں معروف کتب میں ان کے مؤلفین نے ان ضعیف احادیث کی مثالیں ذکر کی ہیں جو اپنے رواۃ کے ضعف کی وجہ سے ضعیف قرار دی گئی ہیں۔

ب:...... وہ کتابیں جن میں ضعیف احادیث کی کسی نوع کو جمع کیا گیا ہے: (یہ وہ کتابیں ہیں جن میں ان کے مؤلفین نے ضعیف حدیث کی کسی خاص نوع کو جمع کیا ہے) مثلاً مرسل، معلل اور مدرج احادیث وغیرہ۔ جیسے

۱۔ کتاب المراسیل: یہ امام ابوداود رحمہ اللہ کی تصنیف ہے۔

۲۔ کتاب العلل: جس کے مصنّف امام دارقطنی رحمہ اللہ ہیں۔ ❷

---

❶ البتہ دیگر مواقع اور احکام اور اس پر عمل کے وجوب اور قیاس اور رائے پر اس کے بہرحال مقدم ہونے کی بابت ائمہ اربعہ کے ہاں کچھ مزید تفصیل ہے جس کو کتبِ اصول فقہ اور علوم الحدیث کی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کی قدرے مگر بے حد مختصر تفصیل علامہ اسعدی نے بھی لکھی ہے۔ شائقین حضرات وہاں مراجعت کر سکتے ہیں۔ دیکھیں (علوم الحدیث، ص: ۱۲۷۔۱۲۸) نسیم

❷ آخر میں اس بحث سے متعلقہ ایک اہم بات پر تنبیہ ضروری ہے جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔ علامہ اسعدی لکھتے ہیں: "یاد رہے کہ "ضعیف" اور "مُضَعَّف" میں فرق ہے کہ ضعیف کی تعریف تو معروف ہے، جب کہ مضعّف کا اطلاق وہاں ہوتا ہے جس کے ضعف میں اختلاف ہو۔ اس لیے اس سے احکام میں استدلال کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔ جیسے ضعفِ سند، اور ضعفِ متن دونوں الگ الگ چیزیں ہیں کہ ایک کے ضعف کی وجہ سے دوسرے کا ضعف اور ایک کی صحت سے دوسرے کی صحت ضروری نہیں۔ لا یہ کہ کسی محقق نے حدیث کی حیثیت بیان کرتے ہوئے ایسی تصریحات کی ہوں کہ جن کے بعد کوئی گنجائش نہ رہتی ہو۔ مثلاً کسی محدث کا یہ کہنا: لیس له الاسناد، "یثبت به" اور "لم یُروَ من وجهٍ صحیحٍ" وغیرہ اور یہی حکم اس صورت میں ہے جب کوئی محقق ضعیف حدیث کے سببِ ضعف کی وضاحت کردے"۔
(علوم الحدیث، ص: ۱۲۸۔ بتصرفٍ و زیادةٍ بحواله قواعد الحدیث، ص: ۳۹، منهج النقد ص ۲۹۰) نسیم

مقصد دوم

سند میں سقوط کی وجہ سے ''خبر مردود'' کا بیان

ا۔سند سے سقوط کا معنی:

سند سے سقوط کا مطلب یہ ہے کہ ایک یا اکثر راوی کا سند میں ذکر نہ ہونے سے سند کا سلسلہ ٹوٹ جائے چاہے ایسا کسی راوی سے عمداً ہوا ہو یا غیر عمداً اور یہ سقوط (یعنی کسی راوی کا ذکر ہونے سے رہ جانا اور سلسلۂ سند کا ٹوٹ جانا) سند کے شروع سے ہو یا آخر سے یا درمیان سے، اور یہ سقوط چاہے ظاہری ہو یا خفی ہو (اس کو سند سے سقوط کہتے ہیں)۔

۲۔سقوط کی اقسام:

سند سے سقوط اپنے ظہور اور خفاء کے اعتبار سے دو (بنیادی) اقسام میں منقسم ہوتا ہے جو یہ ہیں:

الف: ......سقوطِ ظاہری: یہ سقوط کی وہ قسم ہے جس کا علم اور معرفت حضرات ائمہ کرام اور علوم حدیث میں مشغول رہنے والے سب لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔(دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ سقوط کی اس قسم کی معرفت کے لیے نہ تو زیادہ بحث وتحقیق کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ از حد فکر ونظر اور تلاش وجستجو کی احتیاج ہی ہوتی ہے) اور سند سے سقوط کی اس قسم کی معرفت (بہت آسان ہے اور وہ) یوں حاصل ہوتی ہے کہ راوی اور اس کے شیخ کے درمیان ملاقات ثابت نہیں ہوتی (کہ راوی جن کو اسناد میں اپنا شیخ ظاہر کرتا ہے اور ان سے اپنا سماع ثابت کرتا ہے، درحقیقت اس راوی سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی) اور اس کی دو صورتیں ہیں:

یا تو راوی نے اپنے شیخ کا زمانہ نہیں پایا ہوتا (دوسرے لفظوں میں دونوں کا زمانہ ایک نہیں ہوتا)

یا راوی نے شیخ کا زمانہ تو پایا ہوتا ہے لیکن دونوں کو ایک جگہ اکٹھے ہونے کی نوبت نہیں آئی ہوتی اور نہ اس راوی کو مذکورہ شیخ سے (اس حدیث کی مذکورہ اسناد کے ساتھ حدیث کی روایت کی) ''اجازت ہوتی ہے اور نہ "وِجَادة" ہی حاصل ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] مولف موصوف اجازة اور وجادة کی تعریف کرتے ہوئے حاشیہ میں رقم طراز ہیں: "اجازة" یہ (کسی کو حدیث) روایت کرنے کا اذن دینا ہے اور کبھی راوی کو یہ اجازت اس شیخ سے بھی حاصل ہوجاتی ہے جس سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہوتی۔ اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کسی موقع پر شیخ (اذن عام اور کھلی اجازت دیتے ہوئے) یوں کہے کہ ''میں اپنے زمانہ کے لوگوں کو ان سب روایات (کے آگے بیان کرنے) کی اجازت دیتا ہوں جو مجھ سے سنی گئی ہیں (خواہ کسی نے مجھ سے براہ راست سنی ہیں اور چاہے بالواسطہ سنی ہیں)۔

"وِجَادَة" (واو کے کسرہ کے ساتھ) یہ راوی کا اپنے شیوخ میں سے کسی شیخ کی جس کی لکھائی اور تحریر کو وہ پہچانتا ہے، کتاب کو حاصل کرنا اور پھر راوی کا اس کتاب کی روایات کو اپنے شیخ سے بیان کرنا ہے۔ اجازة اور وجادة کی مفصل بحث آگے "باب طرق التحمل و صِیَغ الاداء" میں آجائے گی۔ (طحان)

یہی وجہ ہے کہ ''اسانید'' میں بحث وتحقیق کرنے والے کو "تاریخِ رواۃ" (یعنی روایانِ اسناد کے تاریخی احوال) کی معرفت کی احتیاج ہوتی ہے، کیوں کہ یہ علم رواۃ کی پیدائش اور وفات کی تواریخ اور طلبِ علم اور حصولِ علم کی خاطر کیے گئے اسفار کے اوقات کی معرفت پر مشتمل ہوتا ہے۔

حضرات محدثین نے اس مقام پر مقامِ سقوط اور ساقط روایانِ حدیث کی تعداد کے اعتبار سے ''سقوطِ ظاہری'' (یعنی وہ احادیث جن میں سقوط ظاہری ہوتا ہے، ان کو) چار اصطلاحی ناموں اور عناوین سے یاد کیا ہے، جو یہ ہیں:

(۱) مُعَلَّق (۲) مُرْسَل

(۳) مُعْضَل (۴) مُنْقَطِع

ب: ......سقوطِ خفی: (اسناد حدیث سے) سقوط کی یہ وہ قسم ہے جس پر صرف اور صرف وہ ائمہ محدثین ہی مطلع ہو سکتے ہیں جن کو (اس علم میں) بے پناہ پختگی ومہارت اور طرقِ احادیث اور عللِ اسانید کی (بھرپور) معرفت حاصل ہو۔ سقوط خفی کے (یعنی ان احادیث کے جن کی اسانید میں سقوط خفی پایا جاتا ہے) دو نام ہیں جو یہ ہیں:

(۱) مدَلَّس (۲) مُرسَل خفی

آئندہ اوراق میں احادیث کی ان چھ اقسام پر علی الترتیب مفصل بحث قارئین کرام (اور طالبان علوم حدیث) کی نذر کی جاتی ہے:

الف: ......سقوط ظاہری

(یعنی ان احادیث) کی اقسام (جن میں سقوط ظاہری پایا جاتا ہے)

۱۔ حدیث مُعَلَّق

۱۔ معلق کی تعریف:

الف: ......لغوی تعریف: معلّق یہ "عَلَّقَ الشَّيْءَ بِالشَّيْءِ" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی ہے کہ ''اس نے ایک شی کو دوسری شی کے ساتھ وابستہ کر دیا اور اس کے متعلق کر دیا، اور اس کے ساتھ باندھ دیا اور اس کو دوسری شی کے ساتھ معلّق کر دیا یعنی لٹکا دیا اور اس سند کو معلّق اس لیے کہتے ہیں کہ یہ صرف اوپر کی جانب سے متصل ہوتی ہے اور نیچے کی جانب سے منقطع ہوتی ہے گویا کہ یہ سند اس شی کی طرح ہو گئی جو چھت سے لٹکی ہوتی ہے (کہ وہ بھی اوپر کی جانب سے چھت سے متصل ہوتی ہے، جب کہ نیچے کی جانب سے لٹکی ہوتی ہے اور منقطع ہوتی ہے اور کسی کے ساتھ متصل نہیں ہوتی)۔

ب: ......اصطلاحی تعریف: محدثین کی اصطلاح میں سند معلّق اس کو کہتے ہیں جس کی ابتداء سے ایک یا ایک سے

زائد راوی پے در پے حذف ہوں۔ ❶

۲۔ (اصطلاحی) تعریف کی شرح:

(مذکورہ تعریف میں "مبدأ الإسناد" کا لفظ آیا ہے) "مبدأ السند" سے مراد سند کی وہ نچلی جانب ہے جو ہماری طرف (کے راویوں) کی ہے اور یہ (حدیث کی کتاب کے اُس) مؤلف کا شیخ ہے (جس نے اس کتاب کو تالیف کیا اور ترتیب دیا ہو جس میں یہ اسناد درج ہے) اور اسے "اوّل السند" (سند کی ابتداء) بھی کہتے ہیں اور اس کو "مبدأ السند" اس لیے کہتے ہیں کہ ہم حدیث کی قرات کی ابتداء یہیں سے کرتے ہیں۔

۳۔ حذفِ اسناد کی چند صورتیں:

الف: ......حذف اسناد کی ایک صورت یہ ہے کہ سرے سے ساری سند ہی کو حذف کر دیا جائے۔ پھر مثلاً یوں کہا جائے، "قال رسول الله ﷺ كذا" یعنی "نبی کریم ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا ہے" کہا جائے۔ (دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:) ❷

ب: ......حذف اسناد کی ایک صورت یہ ہے صرف صحابی رضی اللہ عنہ یا صحابی رضی اللہ عنہ اور تابعی رحمہ اللہ کے نام کو چھوڑ کر باقی ساری کی ساری سند کو حذف کر دیا جائے۔ ❸

۴۔ حذفِ اسناد کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے "بَابُ مَا يُذْكَرُ فِي الْفَخِذِ" کے مقدمہ میں ذکر کی ہے۔ جو یہ ہے:

"وَقَالَ أَبُوْ مُوْسٰى رضی اللہ عنہ"، غَطَّى النَّبِيُّ رُكْبَتَهُ حِيْنَ دَخَلَ عُثْمَانُ." ❹

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب "حجرۂ مبارکہ میں" داخل ہوئے تو جنابِ رسول اللہ ﷺ نے اپنی رانوں کو ڈھانک لیا۔"

یہ حدیث "معلّق" ہے، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے صرف صحابی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اس کی تمام اسناد حذف کر کے اس کو ذکر کیا ہے اور وہ صحابی حضرتِ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔

۵۔ حدیث معلّق کا حکم:

حدیث معلّق مردود ہے، کیوں کہ اس میں صحتِ حدیث کی شروط میں سے ایک شرط مفقود ہے اور وہ شرط "اتصالِ سند" ہے وہ یوں کہ یہاں ایک یا زیادہ راوی حدیث کی اسناد سے حذف ہیں، مزید یہ کہ محذوف راوی کا حال بھی ہمارے علم میں نہیں۔

---

❶ علوم الحديث لابن الصلاح، ص: ٣٤ (طحّان) اس وصف کو "تعلیق" (علوم الحدیث: ١٣١) اور ایسی حدیث اور اسناد کو مُعلّق کہتے ہیں۔ نسیم ❷ عام طور سے احادیث کے نقل و بیان میں یوں ہی ہوتا ہے (علوم الحديث، ص: ١٣١) نسیم

❸ شرح نخبة الفكر ص ٤٢ (طحّان) اور "مشکوٰۃ شریف" کی سب روایات میں ایسا ہی کیا گیا ہے (علوم الحديث، ص: ١٣١) نسیم

❹ البخاري / كتاب الصلوٰة ج ١ ص ٩٠ (طحّان)

۶۔ صحیحین کی تعلیقات کا حکم:

یہ حکم کہ ''حدیث معلّق مردود ہوتی ہے'' مطلق حدیث معلّق کے لیے ہے۔ لیکن اگر ''حدیث معلّق'' کسی ایسی کتاب میں پائی جائے جس میں حدیث کی صحت کا التزام کیا گیا ہو جیسے ''صحیحین''، تو ایسی معلّق حدیث کا حکم ''خاص'' ہے اور اس کا حکم گزشتہ میں ''صحیح حدیث'' کی بحث میں گزر چکا ہے۔ ❶

البتہ اس مقام پر اُس بحث کی دو باتوں کو یاد دلانے میں کوئی حرج نہیں، جو یہ ہیں:

ا: وہ معلّق احادیث جن کو جزم اور یقین کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے: جیسے "قَالَ" اور "ذَكَرَ" اور "حَكَى" (وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ ذکر کی جانے والی تعلیقات) کہ ان کا حکم ان اشخاص کے اعتبار سے صحت کا ہے جن کی طرف یہ منسوب ہیں۔

۲: وہ معلّق احادیث جن کو "تمریض" ❷ کے صیغہ کے ساتھ ذکر گیا ہے: جیسے "قِيلَ" ، "ذُكِرَ" اور "حُكِيَ" (وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ ذکر کی جانے والی تعلیقات) کہ ان کا حکم ان اشخاص کے اعتبار سے صحت کا نہیں جن کی طرف یہ منسوب ہیں بلکہ ایسی معلّق احادیث میں صحیح، حسن اور ضعیف ہر قسم کا احادیث ہیں البتہ صحیحین کی ایسی تعلیقات میں کوئی "واھــــــی" حدیث نہیں ہے، کیوں کہ یہ سب تعلیقات ''صحیح'' نامی حدیث کی کتاب میں ہیں۔ ❸ اور ''معلّق احادیث'' میں سے صحیح کو غیر صحیح سے پہچاننے اور اس پر اس کے مناسب حکم لگانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اس حدیث کی اسناد کے بارے میں تحقیق و جستجو کرنا ❹ (کہ اس حدیث کی اسناد کی جستجو کر کے پھر اس پر حسبِ حال حکم لگایا جائے گا)۔

---

❶ اور وہ ''صحیح حدیث'' کی بحث میں عنوان نمبر ۱۱ میں مذکور ہے، جو یہ ہے، ''شیخین رحمہما اللہ نے جو کچھ روایت کیا ہے، ان میں سے کس پر صحت کا حکم لگایا جاتا ہے''؟ (طحان)

❷ "تمريض في الكلام" کمزور اور نرم بات کرنا (القاموس الوحيد، ص: ۱۰۴۱) یعنی وہ صیغہ جو یقین اور قطعیت پر دلالت نہ کرتا ہو بلکہ کمزوری اور شک و تردّد پر دلالت کرتا ہو، جیسے فعل مجہول کے صیغے۔ نسیم

❸ علوم الحديث لابن الصلاح ص ۲۴-۲۵ (طحّان)

❹ حضرات محدثین اور علماء کرام نے بخاری شریف کی تعلیقات پر بہت تحقیق کی ہے اور ان کی متصل اسانید کو ذکر کیا ہے۔ اس باب میں سب سے عمدہ کتاب "تغليق التعليق" ہے جسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے اور اس میں تعلیقاتِ بخاری کی متصل اسانید کو جمع کیا ہے۔ (طحان)

اگرچہ تعلیقاتِ بخاری کے سلسلہ میں تحقیق و جمع کا کام دوسرے علماء نے بھی کیا ہے لیکن خود امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی دوسرے مقامات پر اپنی معلقات کو موصولاً یعنی متصل اسانید کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ لیکن پھر بھی ۱۶۰ احادیث موصولاً ذکر ہونے سے رہ گئی ہیں۔ ان معلقات کی اسناد کے ذکر و جمع کے سلسلہ میں سب سے عمدہ کا کام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ جن کی علی الترتیب اس موضوع پر تین تالیفات ہیں:

(ا) "التوفيق" جن میں بخاری کی تعلیقات کو مع سند ذکر کیا ہے۔

(۲) تغليق التعليق: جس میں معلقاتِ بخاری کے علاوہ بخاری کی ذکر کردہ موقوف روایات کو بھی مع اسناد ذکر کیا گیا ہے۔

(۳) التشويق الى وصل المهم من التعليق۔ یہ دوسری دو کتابوں کا اختصار ہے۔ جس میں اسناد کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ (علوم الحديث، ص: ۱۳۲-۱۳۳ بتصرفٍ و زيادةٍ بحواله تدريب الراوي، ص: ۱۱۷ تا ۱۲۱) نسیم

۲۔ حدیث مرسل

ا۔ مرسل کی تعریف:

الف: ......لغوی تعریف: لفظ "مُـرسَل" "اَرْسَلَ" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ''چھوڑا ہوا'' ہے۔ گویا کہ ارسال کرنے والے نے اسناد کو چھوڑ دیا اور اس کو کسی معروف راوی کے ساتھ مقید نہ کیا۔

ب: ......اصطلاحی تعریف: اصطلاح محدثین میں ''مرسل'' اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر سے ''تابعی'' کے بعد کا راوی (یعنی سند سے صحابی رضی اللہ عنہ کا نام) ساقط ہو'' ❶

۲۔ اصطلاحی تعریف کی شرح:

یعنی وہ حدیث جس کی اسناد سے وہ راوی ساقط ہو جو تابعی کے بعد ہوتا ہے اور (بدیہی بات ہے کہ) وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا ہے۔ اور (تعریف میں) ''آخر الاسناد'' (کا لفظ آیا ہے) یہ اسناد کی اس طرف کو کہتے ہیں جس میں صحابی ہو۔''

۳۔ ارسال کی صورت:

''ارسال'' کی صورت یہ ہے کہ تابعی خواہ (مرتبہ اور رتبہ میں) چھوٹا ہو یا بڑا، یہ کہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كَذَا" یا "فَعَلَ كَذَا" یا "فُعِلَ بِحَضْرَتِهٖ كَذَا۔" حضرات محدثین کے نزدیک ''حدیث مرسل'' کی یہی صورت ہے۔

۴۔ حدیث مرسل کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو امام مسلم نے اپنی صحیح کی "كتاب البيوع" میں روایت کی ہے۔ جو یہ ہے:

حدثني محمد بن رافع، حدثنا حُجَين، حدثنا الليث عن عقيل عن ابن شهاب، عن سعيد ابن المسيّب انّ رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع المزابنة "

''امام مسلم فرماتے ہیں، ''مجھے محمد بن رافع نے، وہ کہتے ہیں ہمیں حجین نے، وہ کہتے ہیں ہمیں لیث نے عقیل سے، انھوں نے ابن شہاب زہری سے، انھوں نے (مشہور تابعی) حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ سے منع فرمایا۔'' ❷

---

❶ دیکھیں نزهة النظر ص ٤٣ اور "تابعی" اس شخص کو کہتے ہیں جس کی حالت اسلام میں کسی صحابی سے ملاقات ہوئی ہو اور پھر وہ شخص اسلام پر ہی فوت ہوا ہو۔ (طحّان)

❷ "مسلم/ كتاب البيوع باب تحريم بيع الرطب بالتمر الّا لعرايا۔ ٣/ ١١٦٨ حديث رقم ٥٩. (طحّان)

"بیع مزابنة: معلوم المقدار چیز کو اٹکل اور اندازہ والی چیز کے بدلے میں بیچنے کو "بیع مزابنہ" کہتے ہیں (القاموس الوحید، ص: ٦٩٧) اور اس کی صورت یہ ہے کہ کھجور کے درخت پر جو پکی ہوئی کھجوریں لگی ہوئی ہوں ان کو خشک لگی ہوئی کھجوروں کے عوض (جن کی تول معلوم ہو) اندازہ کے ساتھ کیل کے لحاظ سے فروخت کیا جائے۔ بیع کی یہ قسم ناجائز ہے، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے (معدن الحقائق: ٢/ ٣٤) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیع سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ یہ دورِ جاہلیت کی خرید و فروخت کی رائج صورتوں میں سے ایک صورت تھی جو نامناسب تھی۔" (علوم الحديث، ص: ١٣٤ بتصرف) نسیم

حضرت سعید بن مسیّب بڑے جلیل القدر تابعی ہیں انھوں نے اس حدیث کو اپنے اور جناب رسالت مآب ﷺ کے درمیان واسطہ کو ذکر کیے بغیر روایت کیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی اسناد سے آخری راوی کو ساقط کر دیا ہے (یعنی انھیں ذکر نہیں کیا) اور یہ تابعی کے بعد کا راوی ہے اور کم از کم یہ ہے، کہ ساقط ہونے والا وہ راوی صحابی ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحابی کے ساتھ انھی جیسا کوئی تابعی بھی سند سے ساقط ہو۔ ❶

۵۔ فقہاء اور علمائے اصول کے نزدیک حدیث مرسل:

حدیث مرسل کی جو تعریف (اور صورت و مثال) ہم نے ذکر کی ہے وہ حضرات محدثین کے نزدیک ہے۔ البتہ فقہاء اور علمائے اصول کے نزدیک مرسل کی تعریف اس سے عام ہے۔ ان حضرات کے نزدیک ہر وہ حدیث مرسل ہے جس کی اسناد میں انقطاع پایا جائے (اور وہ متصل نہ ہو) خواہ وہ انقطاع کسی بھی نوعیت کا ہو۔ (یعنی چاہے وہ انقطاع حدیث کے اوّل سے ہو یا آخر سے یا درمیان سے اور ایک راوی ساقط ہو یا زیادہ، پے در پے ساقط ہوں یا متفرق۔ غرض سند میں سقوط کے سبب مردود حدیث کی جملہ اقسام ان حضرات کے نزدیک ''حدیث مرسل'' کہلاتی ہیں) ❷

یاد رہے کہ یہ خطیب بغدادی کا مذہب ہے۔

۶۔ حدیث مرسل کا حکم:

''حدیث مرسل'' اصلاً ''ضعیف اور مردود'' ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس میں صحتِ حدیث کی شروط میں سے ایک شرط۔ اتصال سند۔ ساقط ہوتی ہے اور دوسرے اس میں محذوف راوی کا حال مجہول ہوتا ہے۔ کیوں کہ احتمال اس بات کا بھی ہے کہ (تابعی کے بعد کا) ساقط راوی صحابی نہ ہو بلکہ تابعی ہو (جیسا کہ گزشتہ حاشیہ میں گزر گیا ہے) اور اس صورت میں اس غیر صحابی محذوف راوی کے (مجہول اور) ضعیف ہونے کا احتمال ہے۔ ❸

لیکن حدیث مرسل کے حکم اور اس سے استدلال کرنے میں علماء محدثین اور غیر محدثین میں اختلاف ہے۔ کیوں کہ سند میں راوی کے انقطاع ہونے کی یہ صورت سند میں کسی بھی دوسری انقطاع کی صورت سے مختلف ہے، کیوں کہ اغلب یہ ہے کہ ''حدیث مرسل'' میں ساقط ہونے والا راوی صحابی ہو اور صحابہ سب کے سب عدول ہیں اس لیے ان کی عدمِ معرفت (صحت حدیث کے حق میں) مضر نہیں۔ ❹

حضرات علماء نے حدیث مرسل کی بابت جو کچھ بھی کہا ہے ان سب کو اجمالاً ان تین اقوال میں سمویا جا سکتا ہے،

---

❶ کیوں کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک تابعی کسی دوسرے تابعی کے واسطے سے حدیث کو حاصل کرتا ہے جیسا کہ صحابہ میں بھی ایسا ہوتا رہا کہ وہ ایک دوسرے سے بھی احادیث کو سنتے اور روایت کرتے رہے' (علوم الحدیث، ص: ۱۳٤ بتصرفٍ) نسیم

❷ مابین القوسین من علوم الحدیث، ص: ۱۳۵ نسیم

❸ جب کہ صحابی کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ہر حال میں معتبر اور عادل ہوتا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۳۵) نسیم

❹ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس مقام پر دس اقوال نقل کیے ہیں۔ جن کا خلاصہ اور ان میں اہم اقوال تین ہیں۔ جو اوپر متن میں مذکور ہیں (علوم الحدیث، ص: ۱۳۵ بتصرفٍ) نسیم

جو یہ ہیں:

ا۔ حدیث مرسل ضعیف اور مردود ہے:

یہ جمہور محدثین اور اکثر فقہاء اور علمائے اصول کا مذہب ہے۔ ان سب حضرات کی دلیل محذوف اور ساقط راوی کے حال کا مجہول ہونا ہے۔ (اور راوی کی جہالت حدیث کے ضعیف اور مردود ہونے کا معروف سبب ہے) کیوں کہ محذوف راوی کے غیر صحابی ہونے کا احتمال (غالب) ہے۔

۲۔ حدیث مرسل صحیح اور قابل استدلال ہے:

یہ ائمہ ثلاثہ، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور مذہب ہے۔ جب کہ علماء کی ایک جماعت بھی اس کی قائل ہے۔ مگر ان حضرات کے نزدیک یہ شرط ہے کہ (سندِ حدیث میں) ارسال کرنے والا خود بھی ''ثقہ'' ہو اور جس کو سند سے ساقط کر رہا ہو وہ بھی ثقہ ہو (یعنی اگر تو حدیث مرسل میں ''اِرْسَالُ ثِقَةٍ عَنْ ثِقَةٍ'' ہو تو وہ صحیح اور قابلِ استدلال ہے) ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ایک ثقہ راوی ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ'' کہنے کو کبھی حلال نہیں سمجھ سکتا (اور نہ ایسا کہنے کی جرأت ہی کر سکتا) مگر اسی وقت جب اس نے اس حدیث کو کسی ثقہ راوی سے سنا ہو۔ [1]

۳۔ حدیث مرسل چند شروط کے ساتھ مقبول ہے:

یعنی مرسل حدیث چند شروط (کے پائے جانے) سے صحیح ہو جاتی ہے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ اور چند علماء کا مذہب ہے۔ یہ شروط چار ہیں، جن میں سے تین کا تعلق ارسال کرنے والے راوی سے ہے اور ایک کا تعلق ''حدیث مرسل'' سے ہے۔ یہ شروط (علی الترتیب) یہ ہیں:

(ارسال کرنے والے سے متعلق تین شروط)

۱۔ ارسال کرنے والا کوئی (جلیل القدر اور) اکابرین تابعین میں سے ہوں۔

۲۔ اور جب وہ تابعی اس محذوف راوی کا نام بتلائے تو کسی ثقہ کا نام بتلائے۔ یعنی جب اس سے محذوف راوی کے بارے میں سوال کیا جائے (اور اس کا نام وغیرہ دریافت کیا جائے) تو وہ کسی ثقہ اور معتبر و معتمد شخص کا نام بتلائے۔

۳۔ اور جب اس مرسل حدیث کی روایت میں دوسرے معتمد حفاظِ حدیث بھی شریک ہو جائیں تو وہ ارسال کرنے والے کے خلاف روایت نہ کریں۔

یعنی ارسال کرنے والے راوی کا ضبط ایسا کامل اور تام ہو کہ حدیث مرسل کی روایت میں شریک دوسرے ضابط راوی اس کی روایت میں موافق ہوں (نا کہ مخالف)۔

(ان تین شروط کا تعلق تو ارسال کرنے والے سے تھا۔ اب چوتھی اور آخری شرط ملاحظہ کیجیے جس کا تعلق حدیث مرسل سے ہے)۔

---

[1] اسی لیے حضرات تابعین رحمہم اللہ کے متعلق منقول ہے کہ وہ مرسل پر نکیر نہیں کیا کرتے تھے (علوم الحدیث، ص: ۱۳۶) نسیم

۴۔ (چوتھی شرط یہ ہے کہ) مذکورہ بالا تین شروط کے ساتھ مندرجہ ذیل امور میں سے ایک امر ملا ہوا ہو:

الف:......حدیث مرسل کسی دوسرے طریق سے ''مسند'' بھی مروی ہو۔

ب:......یا مرسل حدیث ایک دوسرے طریق سے بھی ''مرسل'' مروی ہو مگر اس طریق سے ارسال کرنے والے نے پہلی مرسل حدیث کے رجال کے علاوہ سے علم حاصل کیا ہو۔ [1]

ج:......یا وہ مرسل حدیث کسی صحابی کے قول کے موافق ہو۔

د:......یا اکثر علماء (اور فقہاء) اس مرسل حدیث کے مقتضٰی پر فتوٰی دیتے ہوں۔ [2]

پس جب یہ شرطیں پائی جائیں تو حدیث مُرسَل اور اس کی مؤید حدیث مرسَل کی اصل کی صحت ظاہر اور ثابت ہو جائے گی اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔ اور اگر ایک طریق سے مروی کوئی دوسری صحیح حدیث ان دونوں حدیثوں کے معارض ہو تو دونوں (یعنی دو مرسل احادیث اور صحیح حدیث) کے درمیان جمع و تطبیق کے متعذر ہونے کی صورت میں ہم دونوں مرسل احادیث کو ان کے طرق کے متعدد ہونے کی وجہ سے صحیح حدیث پر ترجیح دیں گے۔

یہ وضاحت تو یوں رہی، البتہ مذکورہ بالا امور، جن میں کسی ایک کا گزشتہ مذکورہ تین شروط کے ساتھ ملا ہونا ضروری ہے، کی وضاحت ان مندرجہ ذیل (مساواتِ ریاضیّہ) سے ہو سکتی ہے:

الف:......حدیث مرسل + حدیث مُسنَد = صحیح

ب:......حدیث مرسَل + حدیث مُرسَل = صحیح

ج:......حدیث مرسل + قول صحابی = صحیح

د:......حدیث مرسل + اکثر علماء کا فتوٰی = صحیح

۷۔ مرسل صحابی رضی اللہ عنہ:

(یعنی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی مرسَل حدیث اور) یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل کے بارے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس کو انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ سنا ہو یا اس فعل کا خود مشاہدہ نہ کیا ہو۔ جس کی یہ وجوہات ہو سکتی ہیں:

یا وہ صحابی کم عمر تھے۔

یا بعد میں اسلام لائے اور

یا اس موقع پر موجود نہ تھے

---

[1] یعنی دوسری مرسل حدیث کا راوی، اس کے اساتذہ اور اس کے رواۃ پہلی مرسل حدیث کے راوی اس کے اساتذہ اور رواۃِ سند سے مختلف ہوں (علوم الحدیث، ص: ۱۳٦ بتصرف) نسیم

[2] دیکھیں امام شافعی رحمہ اللہ کا ''الرسالۃ'' ص ۴۶۱ (طحان)

نوعمر صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات سے مروی اس قسم کی احادیث کی ایک بڑی تعداد ہے۔

۸۔ مُرْسَلِ صحابی رضی اللہ عنہ کا حکم:

اس بابت صحیح اور مشہور قول، جس پر جمہور نے جزم کا اظہار کیا ہے، یہ ہے کہ ایسی حدیث صحیح بھی ہے اور قابلِ استدلال بھی۔ کیوں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تابعین سے روایت کرنا از حد نادر ہے (جس کا عام حالات میں کوئی اعتبار نہیں) اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین سے روایت کرتے ہیں تو اس کو صراحۃً بیان بھی کر دیتے ہیں اور جب صحابہ صراحۃً بیان نہ کریں اور (بلاواسطہ) یہ کہیں، "قال رسول اللہ ﷺ" تو اس میں اصل یہ ہے کہ انھوں نے اس حدیث کو کسی دوسرے صحابی سے سنا ہوگا۔ اور (سندِ حدیث سے) کسی صحابی کا حذف ہونا (صحت حدیث میں) مضر نہیں جیسا کہ گزر گیا ہے۔

اور ایک قول یہ ہے کہ صحابی کی مرسل حدیث کا بھی وہی حکم ہے جو کسی دوسرے کی مرسل حدیث کا ہے۔ مگر یہ قول نہ صرف ضعیف ہے بلکہ مردود بھی ہے۔

۹۔ احادیث مرسلہ کی اہم تصنیفات:

الف:...... "المراسیل": یہ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ کی تالیفِ لطیف ہے۔

ب:...... "المراسیل": یہ ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ کی علمی یادگار ہے۔

ج:...... جامع التحصیل لاحکام المراسیل: یہ "علائی" کی تالیف ہے۔ ❶

۳...... حدیث مُعْضَل

ا۔ مُعْضَل کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: یہ "اَعْضَلَهُ" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے "کسی بات کا کسی کو عاجز اور پریشان کر دینا اور اس کو تھکا دینا۔"

ب:...... اصطلاحی معنی: (اصطلاحِ محدثین میں) "مُعْضَل وہ حدیث ہے جس کی اسناد سے دو یا دو سے زیادہ رواۃ پے در پے ساقط ہوں۔" ❷

---

❶ الرسالة المستطرفة ص ۸۵-۸۶۔ اور علائی کا نام "حافظ محقق صلاح الدین ابو سعید خلیل بن کیکلدی العلائی ہے۔ یہ دمشق میں ۶۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اور ۷۶۱ھ میں "قدس" میں وفات پائی۔ (طحان)

❷ "علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۵۹"، اور "نخبة الفكر ص ٤٤." (طحان)

معضل حدیث کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے حاکم رحمہ اللہ نے "معرفة علوم الحدیث" میں اپنی سند سے قعنبی سے روایت کی ہے۔

"عَنْ مَالِكٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَلَا يُكَلَّفُ بِالْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيْقُ ."

"امام مالک سے روایت ہے کہ انھیں یہ بات پہنچی کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: "غلام کا کھانا اور کپڑا دستور کے موافق اس کو دیا جائے گا اور اس سے اتنا ہی کام لیا جائے گا جتنا وہ کرسکتا ہے" (یہ حدیث نقل کرنے کے بعد) امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث امام مالک سے مُعْضَل ہے اس کو امام مالک نے "موطا" میں یوں ہی نقل کیا ہے۔" ❶

اور یہ حدیث اس لیے "مُعضَل" ہے، کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ اور حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پے در پے دو راوی حذف ہیں۔ اور ہمیں یہ بات کہ مذکورہ حدیث کی اسناد سے دو راوی پے در پے حذف ہیں یوں معلوم ہوئی ہے کہ مؤطا کے علاوہ دوسری کتب میں اس حدیث کی اِسناد یوں آتی ہے: "......عن مالك عن محمد ابن عجلان عن ابيه عن ابي هريرة ." ❷

۳۔ حدیث مُعْضَل کا حکم:

یہ حدیث "ضعیف" ہے اور یہ "مرسل" اور "منقطع" سے بھی زیادہ بُری حدیث ہے۔ ❸ کیوں کہ اس کی اسناد سے زیادہ راوی حذف ہیں اور حدیث مُعْضَل کا یہ حکم بالاجماع ہے۔

۴۔ حدیث مُعْضَل کا حدیث معلّق کی بعض صورتوں کے ساتھ جمع ہو جانا:

مُعْضَل اور معلّق میں عموم خصوص من وجه کا فرق ہے، اس لیے بعض مواقع میں یہ دونوں احادیث جمع ہو جاتی ہیں اور بعض مواقع میں جمع نہیں ہوتیں دونوں احادیث کے اجتماع اور عدمِ اجتماع کی صورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

الف:...... حدیث مُعْضَل، معلّق کے ساتھ ایک صورت میں جمع ہوتی ہے، کہ جب حدیث کی ابتداء سے ہی دو راوی پے در پے حذف ہوں کہ اس صورت میں ایسی حدیث ایک ہی وقت میں مُعْضَل بھی ہوتی ہے اور معلّق بھی۔

ب:......حدیث مُعْضَل کی معلّق کے ساتھ عدمِ اجتماع کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ جب اِسناد کے درمیان سے پے در پے دو راوی حذف ہوں تو اس وقت یہ حدیث معضل ہوگی نا کہ معلّق۔

۲۔ اور اسناد کے شروع سے صرف ایک راوی حذف ہو تو یہ حدیث معلّق ہوگی نا کہ مُعْضَل۔

---

❶ معرفة علوم الحديث ص٤٦ (طحّان)

❷ معرفة علوم الحديث ص٤٧ (طحّان) گویا کہ مؤطا کی روایت میں امام مالک کے بعد سند سے محمد ابن عجلان اور ان کے والد عجلان حذف ہیں۔ نسیم

❸ دیکھیں الكفاية ص٢١، تدريب الراوی ١/ ٢٩٥ (طحّان)

۵۔ معضل احادیث کے پائے جانے کے مواقع:

علامہ سیوطی رحمہ اللہ ❶ فرماتے ہیں: ''معضل، معلّق اور مرسل احادیث (کی خاص تعداد) ان کتابوں میں پائی جاتی ہے:

الف:...... ''کتاب السنن'': یہ سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ کی تصنیف ہے۔

ب:...... ''مولفات ابن ابی الدنیا۔'' ❷

۴...... حدیث منقطع

۱۔ منقطع کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ منقطع یہ ''اَلْاِنْقِطَاع'' (مصدر) سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے اور (لغوی معنی کے اعتبار سے) یہ ''اتّصال'' کی ضد ہے۔ (کہ انقطاع کا معنی کٹنا اور منقطع ہونا ہے) جب کہ اتصال کا معنی ملنا اور جڑنا ہے (اور یہ دونوں معانی ایک دوسرے کی ضد ہیں)

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) منقطع وہ حدیث ہے جس کی اسناد متصل نہ ہو چاہے اس کے انقطاع کی جو بھی صورت ہو۔ ❸

۲۔ تعریف کی شرح:

یعنی ہر وہ (حدیث جس کی) اسناد کسی بھی جگہ سے منقطع ہو (وہ حدیث منقطع کہلاتی ہے) چاہے یہ انقطاع اسناد کے شروع سے ہو یا درمیان سے یا آخر سے ہو، چناں چہ اس تعریف کی بنا پر احادیثِ مرسل، معضل اور معلّق (تینوں منقطع کی) تعریف میں داخل ہو جائیں گی۔ ❹ اور متقدمین علماء منقطع کو اکثر اس معنی میں استعمال کرتے تھے، اسی لیے امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''منقطع کے لفظ کو اکثر اس حدیث پر بولا جاتا تھا جسے تابعی سے نیچے درجے کے لوگ صحابی سے روایت کریں (یعنی اس حدیث کی اسناد میں آخری راوی اور صحابی کے درمیان تابعی سند سے ساقط ہو) جیسے کہا جائے ''مالك عن ابن عمر'' ❺ (کہ یہاں امام مالک اور صحابیِ رسول حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان تابعی سند سے حذف ہے) ❻ لیکن ''علم مصطلح الحدیث'' کے متاخرین علماء نے منقطع کی تعریف میں کچھ تخصیص کی ہے اور حدیث

---

❶ ''تدریب الراوی ۱/ ۲۱٤'' (طحّان)

❷ معضل احادیث کی جامع کوئی تالیف نہیں ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں ان کا بڑا حصہ موجود ہے جن میں سے دو کا ذکر اوپر آ گیا ہے (علوم الحدیث، ص: ۱۳۹ بتصرفٍ) نسیم

❸ التقریب مع التدریب النوع العاشر المنقطع ۱/ ۲۰۷ (طحّان)

❹ مگر بظاہر منقطع کی یہ تعریف از روئے لغت ہے جس کا اطلاق سند سے انقطاع کی ہر صورت پر ہوتا ہے اور یہ تعریف متقدمین کے نزدیک ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱٤۰ بتصرفٍ) نسیم

❺ التقریب مع التدریب ۱/ ۲۰۸ (طحّان)

منقطع کو اس صورت کے ساتھ خاص کیا ہے جس پر مرسل یا معلّق یا مُعضَل احادیث کی صورتیں منطبق نہ ہوں سکیں (اسکی مزید تفصیل شق نمبر ۳ میں آ رہی ہے)۔

۳۔ متاخرین علمائے حدیث کے نزدیک ''حدیث منقطع'':

(متاخرین محدثین کے نزدیک) منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند متصل نہ ہو اور وہ مرسل یا معلّق یا معضَل کے نام کو شامل ہو، گویا کہ ''منقطع'' ایک ایسا عام نام ہے جو اسناد کے انقطاع کی ہر صورت کو شامل ہے سوائے انقطاع کی تین صورتوں کے، جو یہ ہیں:

۱۔ اسناد کے اوّل سے راوی کا حذف ہونا۔

۲۔ اسناد کے آخر سے راوی کا حذف ہونا۔

۳۔ اور اسناد میں کسی بھی جگہ دو راویوں کے پے در پے حذف ہونا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "نخبة الفکر" اور اس کی شرح میں اسی مسلک کو اختیار کیا ہے۔ ❶

اور کبھی یہ انقطاع حدیث (کی اسناد کے درمیان) میں صرف ایک جگہ ہوتا ہے اور کبھی دو جگہ ہوتا ہے گویا کہ انقطاع دو یا تین جگہ سے ہوتا ہے:

۴۔ حدیث منقطع کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو عبدالرزاق نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے روایت کی ہے جس کی اسناد یہ ہے:

"عن ابی اسحاق، عن زید ابن یُثَیْعٍ عن حذیفة مرفوعاً: "اِنْ وَلَّیْتُمُوْهَا اَبَابَکْرٍ فَقَوِیٌّ اَمِیْنٌ." ❷

''کہ سفیان ثوری ابو اسحاق سے، وہ زید بن یُثَیع سے، وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ ''اگر تم خلافت کو ابوبکر کے سپرد کرو گے تو (وہ اس کے اہل ہیں کیوں کہ وہ) قوی (اور شجاع بھی ہیں) اور امانت کے زیور سے آراستہ (بھی) ہیں'' (اور ایسا ہی شخص خلافت کا اہل ہوتا ہے کہ رب کے سوا کسی سے ڈرتا نہ ہوں اور عدل و انصاف سے متصف ہو)۔''

پس اس حدیث کی اسناد کے وسط سے ثوری اور ابو اسحاق کے بیچ کا ایک ''شریک'' نامی راوی ساقط ہے کیوں کہ ثوری نے ابو اسحاق سے بلاواسطہ حدیث کی سماعت نہیں کی، انھوں نے تو شریک سے سماعت کی ہے اور شریک نے

---

❶ "النخبة وشرحهاله ص٤٤" (طحان) گویا کہ حدیث منقطع میں انقطاع سند کے درمیان میں ہوتا ہے اور اس میں پے در پے دو راوی سند سے ساقط نہیں ہوتے (علوم الحدیث، ص: ١٤٠ بتصرفٍ) نسیم

❷ اخرجه الحاکم فی معرفة علوم الحدیث ص٣٦، واخرجه احمد والبزار والطبرانی فی المعجم الاوسط بمعنا... دیکھیں مجمع الزوائد: ٥/ ١٧٦ (طحان)

ابو اسحاق سے حدیث کی سماعت کی ہے۔

اب سند کے اس انقطاع پر: نہ تو مرسل کا نام صادق آتا ہے (کیوں کہ اس حدیث کی اسناد میں ساقط ہونے والا راوی سند کے آخر سے ساقط نہیں)

اور نہ یہ حدیث معلّق ہی ہے (کیوں کہ اس حدیث کی ابتداء سے کوئی راوی ساقط نہیں)

اور نہ اس کو مُعضل ہی کہہ سکتے ہیں (کیوں کہ اس کی اسناد سے پے درپے دو راوی ساقط نہیں بلکہ شریک نامی صرف ایک ہی راوی ساقط ہے)۔ پس یہ حدیث "منقطع" ہے۔

۵۔ حدیث منقطع کا حکم:

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ حدیث منقطع ضعیف ہے کیوں کہ اس میں حدیثِ مقبول کی شروط میں سے ایک شرط مفقود ہے اور وہ ہے سند کا اتصال۔ دوسرے اس میں محذوف راوی کا حال نامعلوم ہے۔ ❶

(ب)......سقوطِ خفی (یعنی ان احادیث) کی اقسام (کا بیان جن میں سقوطِ خفی پایا جاتا ہے)

ا......حدیث مُدَلَّس

ا۔ مُدَلَّس کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: (لفظ مدلّس) یہ "تدلیس" (بروزن تفعیل، مصدر) سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور تدلیس کا لغوی معنیٰ "بائع کا مشتری سے سودے کے عیب کو چھپانا" ہے۔ اور "تدلیس" اصل میں "دَلَس" سے مشتق ہے جس کا معنیٰ اندھیرا اور تاریکی یا تاریکی کا ملنا (یعنی فضاء کا تاریک اور دھندلا ہونا) ہے۔ جیسا کہ "القاموس المحیط" میں ہے۔ ❷

اب گویا کہ تدلیس کرنے والا حدیث کے عیوب کو چھپا کر اس کے امر کو (مخاطب پر) تاریک کر دیتا ہے (جس سے وہ حدیث کے عیوب پر مطلع نہیں ہو پاتا) پس گویا کہ وہ حدیث "مدلّس" (یعنی عیب چھپائی گئی) ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں "تدلیس" یہ) اسناد کے عیب کو چھپانا اور اس کے ظاہر کو بنا

❶ گزشتہ میں گزر چکا ہے کہ حدیثِ مقطوع کو "منقطع" کے لفظ سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔
دوسرے مؤلف موصوف نے "احادیثِ منقطع" کے مآخذ و مصادر کو ذکر نہیں کیا۔ احادیثِ منقطعہ پر بھی کوئی مستقل تصنیف نہیں البتہ ان کی ایک بڑی تعداد "کتاب السنن لا بن منصور" اور "مؤلفات ابن ابی الدنیا" میں موجود ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۴۱ بتصرفٍ) نسیم

❷ "القاموس المحیط للعلامة فیروز آبادی ۲/ ۲۲۴" (طحّان)

سنوار کر اور آراستہ کر کے پیش کرنا ہے۔

۲۔تعریف کی شرح:

یعنی "مُدَلِّس" اسناد کے عیب کو، جو اسناد کا انقطاع ہے، چھپاتا ہے۔ چناں چہ "مُدَلِّس" اپنے شیخ کو (اسناد سے) ساقط کرتا ہے [1] اور حدیث کو اپنے شیخ کے شیخ سے روایت کرتا ہے، پھر اسناد کے "اس اِسقاط" کو چھپانے کے مختلف حیلے بہانے اختیار کرتا ہے اور اسناد کے ظاہر کو اچھا بنا کر یوں پیش کرتا ہے کہ اس اسناد کو دیکھ کر آدمی کو (متبادراً) یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ اسناد تو متصل ہے اور اس میں کسی قسم کا سقوط نہیں۔

۳۔تدلیس کی اقسام:

تدلیس کی دو بنیادی اقسام ہیں:

(۱) تدلیسِ اسناد　　　(۲) اور تدلیسِ شیوخ

(ہر ایک کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے)

۴۔تدلیسِ اسناد:

علماء ومحدثین نے تدلیس کی اس قسم کی مختلف اور متعدد تعریفات بیان کی ہیں ان میں سے جو تعریف ہماری نظر میں سب سے صحیح اور پر معنی (یعنی دقیق) ہے ہم اس کو بیان کریں گے اور یہ امام ابو احمد بن عمرو بزار اور امام ابو الحسن بن قطان نے بیان کی ہے۔ جو یہ ہے:

الف:......تدلیسِ اسناد کی (امام بزار و امام ابن قطان کی بیان کردہ) تعریف: تدلیسِ اسناد یہ ہے کہ راوی اس شخص ہے، جس سے (پہلے دوسری) احادیث کی سماعت کر رکھی ہو ایسی حدیث کو روایت کرے جو اس سے سنی نہ ہو اور یہ بھی نہ بتلائے کہ میں نے اس سے یہ حدیث نہیں سن رکھی۔" [2]

ب:...... مذکورہ تعریف کی شرح: اس تعریف کا مطلب یہ ہے کہ تدلیسِ اسناد یہ راوی کا اس شیخ سے (تدلیس

---

[1] علامہ کیرانوی رحمہ اللہ تدلیس کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں: "تدلیس یہ حدیث بیان کرنے والے کا اپنے معاصر سے ایسی روایت کرنا ہے، جو اس نے نہ سنی ہو لیکن بیان اس طرح کرے کہ گویا اس نے یہ حدیث اس سے سنی ہے، یا محدّث کا اپنے شیخ کا ایسا نام لینا تدلیس کہلاتا ہے جس سے وہ مشہور نہ ہو (القاموس الوحید ص ۵۳۷ بتصرفٍ) اور اس کی تیسری صورت اسناد سے اپنے شیخ کو ہی ساقط کر کے "شیخ الشیخ" سے اس حد... کو روایت کرنا ہے۔ جو اوپر متن میں مذکور ہے۔ تدلیس کی دو بنیادی اقسام کا تذکرہ آگے آرہا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ نعیم

[2] شرح الفية العراقى له ج۱ ص ۱۸۰ نقلاً عن البزار والى الحسن بن قطان بتصرفٍ يسير (طحّان)
یعنی ایسے الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کرے جس سے براہِ راست سننے کا گمان ہوتا ہو۔ اگرچہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے لیکن انھو نے جس شخص کی طرف نسبت کی جائے اس سے ملاقات کی شرط لگائی ہے اور بظاہر اسناد سے ملاقات ہوا ہی کرتی ہے۔ (نزهة النظر ص ۴۳) اور ابن صلاح بھی ملاقات کا اعتبار کرتے ہیں اگرچہ وہ صرف معاصرت کو بھی کافی سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ بعض حضرات نے محض "معاصرت" کو ہی مدار قرار دیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱٤۲ مع الحاشية رقم ۱ بتصرفٍ بحواله تدريب الراوى ۱/ ۲۲۳۔۲۲٤) نعیم

کر کے حدیث کو) روایت کرنا ہے جس سے (حدیث مدلَّس کے علاوہ بھی) چند دوسری احادیث سن رکھی ہوں لیکن جس حدیث میں راوی تدلیس کر رہا ہو اس کو شیخ سے نہ سنا ہو۔ بلکہ اس شیخ کے شیخ سے سنا ہو۔ اب راوی اس شیخ کو (جس سے حدیث سنی تھی) اسناد سے ساقط کر کے اس پہلے شیخ سے (جس سے حدیث نہیں سنی تھی) حدیث کو ایسے الفاظ کے ساتھ روایت کرے جو سماع کا احتمال رکھتے ہوں (کہ ان الفاظ سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ راوی نے اس شیخ سے حدیث کی سماعت کی ہے) جیسے "قَالَ" یا "عن" وغیرہ کے الفاظ ❶ تاکہ راوی دوسروں کو وہم میں مبتلا کرے، جو صراحۃً بتلاتے ہوں کہ راوی نے یہ حدیث اس شیخ سے سن رکھی ہے۔ لہٰذا، "سَمِعْتُ" یا "حَدَّثَنِیْ" وغیرہ جیسے الفاظ نہ کہے تاکہ ان الفاظ کے کہنے سے جھوٹا نہ بنے۔

(یہ تو رہی تدلیس اسناد کی تعریف کی شرح اور اس کی صورت) دوسری بات یہ ہے کہ مُدَلِّس نے اسناد سے جن کو ساقط کیا ہے وہ ایک بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

ج:...... تدلیسِ اسناد اور ارسالِ خفی میں فرق: امام ابو الحسن بن قطانِ مذکورہ بالا تعریف بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں "تدلیسِ اسناد اور "ارسال" میں یہ فرق ہے کہ "ارسال" یہ راوی کا اس سے روایت کرنا ہوتا ہے جس سے (کچھ بھی) سماع نہ کیا ہو۔ (جب کہ تدلیسِ اسناد میں اس سے ارسال کیا جاتا ہے۔ جس سے دوسری احادیث کا سماع ثابت ہو اگرچہ جس حدیث میں تدلیس کر رہا ہے وہ نہ سنی ہو) (ابن قطان کی) اس (مذکورہ عبارت) کی وضاحت یہ ہے کہ "مُدَلِّس اور مُرسِل (تدلیس اور ارسال کرنے والے) میں سے ہر ایک "ارسالِ خفی" کرتا ہے کہ وہ شیخ سے سماع کا احتمال رکھنے والے الفاظ کے ساتھ ایسی بات روایت کرتا ہے جو اس سے سن نہ رکھی ہو۔ البتہ مُدَلِّس نے مذکورہ شیخ سے اس حدیث کے علاوہ جس میں وہ تدلیس کر رہا ہوتا ہے، اور احادیث سن رکھی ہوتی ہیں جب کہ "ارسالِ خفی" کرنے والے "مُرسِل" نے مذکورہ شیخ سے کبھی کچھ نہیں سنا ہوتا، نہ تو وہ احادیث جن میں ارسال کر رہا ہوتا ہے اور نہ کوئی اور حدیث، البتہ وہ اس شیخ کا معاصر ہوتا ہے یا اس سے (کسی موقع پر) ملاقات کی ہوتی ہے۔

د:...... تدلیسِ اسناد کی مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جس کو حاکم نے علی بن خشرم تک اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، جو یہ ہے:

"قال : قال لنا ابن عيينة : عن الزهري ، فقيل له : سمعته من الزهري ؟ فقال لا ، ولا ممن سمعه من الزهري ۔ حدثني عبدالرزاق عن معمر عن الزهري۔" ❷

"علی بن خشرم کہتے ہیں "ہمیں ابن عیینہ نے (ایک حدیث کو بیان کرتے ہوئے) "عن الزهري" کہا۔

---

❶ جیسے یوں کہے: "قَالَ فُلَانٌ، عَنْ فُلَان" اسی طرح "اَنَّ" کے ذریعے تدلیس کرنا جیسے "حَدَّثَنَا فلان اَنَّ فُلَانًا" اور شیخ کے نام سے پہلے جو الفاظ لائے جاتے ہیں ان کو ذکر کیے بغیر شیخ کا نام لینا جیسے "الزهري عن فلان" وغیرہ (علوم الحدیث، ص: ۱۴۲ بتصرف یسیر) نسیم

❷ اخرجه الحاكم فى "معرفة علوم الحديث" ص ۱۳۰ (طحّان)

جب ان سے پوچھا گیا کہ "کیا آپ نے زہری سے اس حدیث کو سنا ہے؟ تو انھوں نے کہا، "نہیں (نہ تو زہری سے یہ حدیث سنی ہے) اور نہ ان سے ہی جنھوں نے زہری سے سنی ہے (بلکہ) مجھے (یہ حدیث) عبدالرزاق نے معمر کے واسطے سے زہری سے بیان کی ہے۔"

اس مثال میں ابن عیینہ نے اسنادِ حدیث سے اپنے اور زہری کے درمیان کے دو راویوں (عبدالرزاق اور معمر) کو ساقط کیا ہے۔

۵۔ تدلیسِ تسویہ: ❶

یہ بھی تدلیس کی ایک صورت ہے جو دراصل "تدلیسِ اسناد" کی ہی ایک قسم ہے۔ (جس کی تفصیل یہ ہے):

الف: تدلیسِ تسویہ کی تعریف: تدلیس تسویہ یہ ہے کہ راوی ایک حدیث کو اپنے شیخ سے روایت کرے پھر آگے سند میں دو ایسے ثقہ راویوں، جن کی ایک دوسرے سے ملاقات ثابت ہو، کے درمیان آنے والے کسی ضعیف (یعنی کم حیثیت) راوی کو گرا دے۔

آیئے! ذیل میں اس کی تفصیلی صورت کو بیان کیا جاتا ہے:

"کہ راوی ایک حدیث کو کسی ثقہ شیخ سے روایت کرے اور آگے اسناد میں وہ ثقہ اس حدیث کو ایک ضعیف سے اور وہ ضعیف پھر کسی ثقہ سے حدیث کو بیان کر رہا ہو اور واقعہ یہ ہو کہ ان دونوں ثقہ کی ایک دوسرے سے ملاقات بھی ثابت ہو۔ اب اس حدیث کو پہلے ثقہ شیخ سے سننے والا مدلّس راوی آگے بڑھتا ہے اور سند سے (ان دونوں ثقہ راویوں کے بیچ کے) ضعیف راوی کو سند سے گرا دیتا ہے اور اسناد کی یہ صورت مقرر کرتا ہے کہ اس نے اپنے ثقہ شیخ سے اور انھوں نے ایک دوسرے ثقہ سے یہ حدیث سنی ہے۔ (لیکن سند میں ضعیف راوی کے اس اسقاط کو) محتمل الفاظ کے ساتھ بیان کرے (جن سے دونوں ثقات کے ایک دوسرے سے حدیث روایت کرنے کا گمان ہوتا ہو)۔ پس (ایسا کرنے سے اس کی غرض یہ ہو کہ) وہ اسناد میں (رواۃ کے احوال کے اعتبار سے) تسویہ یعنی برابری کر دے کہ سب کے سب رواۃ ثقات بنا دے (اور درمیان میں ایسا کوئی راوی نہ چھوڑے جس کا حال ثقہ راویوں کے برابر اور ہم پلّہ نہ ہو)۔

یاد رہے کہ یہ تدلیس کی بدترین صورت ہے کیوں کہ اس صورت میں کبھی پہلا ثقہ راوی (جس کے بعد کے ضعیف راوی کو اسناد میں تسویہ ثقات کے حصول کے لیے گرا دیا گیا ہوتا ہے) تدلیس کرنے میں معروف نہیں ہوتا جب کہ تسویہ کے بعد سند پڑھنے والا اس کو مدلِّس باور کرنے لگتا ہے کہ وہ (درمیان کے ایک ضعیف راوی کو چھوڑ کر) ایک دوسرے

---

❶ علماء نے تدلیسِ اسناد کی پانچ اقسام اور صورتیں ذکر کی ہیں جن میں سب سے اہم "تدلیس تسویہ" ہے، اس لیے علماء نے تدلیس اسناد کی اس قسم کو اہتمام سے ذکر کیا ہے جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس قسم کو "تدلیس شیوخ" جس کا ذکر آگے آجاتا ہے، کے تحت ذکر کیا ہے۔ تدلیس تسویہ کی تعریف اور تفصیل اوپر متن میں بیان کی جاتی ہے۔
(علوم الحدیث، ص: ۱٤۳ بتصرفٍ و زیادۃٍ) نسیم

ثقہ راوی سے حدیث روایت کر رہا ہوتا ہے۔ اور وہ اس حدیث پر صحت کا حکم لگا دیتا ہے (کہ اس اسناد میں سب رواۃ ثقہ نظر آتے ہیں) یقیناً (ایسی اسناد میں اور) اس تدلیس میں (جو تدلیسِ تسویہ کے نام سے معروف ہے) دوسروں کو (یعنی قارئین حدیث کو) شدید دھوکا دینا ہے۔

ب:...... مشہور مدلِّس دو ہیں: (۱) بقیّہ بن ولید: ان کے بارے میں ابو مسہر کہتے ہیں ''بقیہ کی احادیث صاف نہیں ہیں'' ان سے بچ کر رہو۔ ❶

(۲) ولید بن مسلم

ج:...... تدلیس تسویہ کی مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ''ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے "العلل" میں روایت کی ہے، ابن ابی حاتم فرماتے ہیں: ''میں نے اپنے والد کو سنا آگے ابن ابی حاتم کے والد اس حدیث کو ذکر کرتے ہیں جو اسحاق بن راہویہ نے بقیّہ سے روایت کی ہے کہ بقیّہ کہتے ہیں کہ مجھے ابو وہب اسدی نے نافع سے، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں ''کسی آدمی کے اسلام کی تعریف مت بیان کرو یہاں تک کہ اس کی رائے کی پختگی کو جان لو۔'' (ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ یہ حدیث بیان کرکے) میرے والد کہتے ہیں، ''اس حدیث میں ایک ایسی بات اور کمزوری ہے جو کم ہی لوگوں کو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ اس حدیث کو ''عبید اللہ بن عمرو رحمہ اللہ نے'' "اسحاق بن ابی فروۃ" سے، انھوں نے ''نافع'' سے، انھوں نے حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے۔

مذکورہ عبید اللہ بن عمرو کی کنیت ''ابو وھب'' ہے جو قبیلہ ''بنی اسد'' سے نسبت کی وجہ سے ''اسدی'' کہلاتے ہیں۔ پس یہاں بقیّہ نے عبید اللہ بن عمرو (کا جو ثقہ راوی ہیں، نام ذکر کرنے کی بجائے ان) کی کنیت ذکر کی ہے اور انھیں بنی اسد کی طرف منسوب کیا ہے تاکہ وہ پہچانے نہ جاسکیں۔ یہاں تک کہ جب بقیّہ نے (اسناد سے ضعیف راوی) ''اسحاق بن ابی فروۃ'' کو ترک کیا تو (بھی) وہ نہ پہچانے جاسکے۔'' ❷

---

❶ میزان الاعتدال ج۱ ص ۳۳۲ (طحّان)

❷ "شرح الالفیة" للعراقی ۱/ ۱۹۰، تدریب الراوی ۱/ ۲۲۵ (طحّان)

خلاصہ یہ ہے کہ ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد ابو حاتم نے اس حدیث کو بیان کیا جو اسحاق بن راھویہ نے بقیّہ سے بیان کی۔ آگے بقیّہ اس کی یہ اسناد بیان کرتے ہیں: "حدثنی ابو وھب الاسدی عن نافع عن ابن عمر"

ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک باریک خامی ہے جس کا ادراک ہر ایک کے بس کی بات نہیں وہ یہ کہ ابو وھب اسدی کا اصلی نام عبید اللہ بن عمرو ہے جو ثقہ ہیں اور ''ابو وھب'' ان کی کنیت اور ''اسدی'' ان کی خاندانی نسبت ہے۔ انھوں نے یہ حدیث "اسحاق بن ابی فروہ" سے لی ہے جو ضعیف ہے۔ وہ آگے نافع سے اور وہ حضرتِ ابن عمرؓ سے حدیث بیان کرتے ہیں۔

اب بقیّہ نے جن سے اسحاق بن راھویہ نے حدیث کو لیا ہے، یہ کیا ہے کہ عبید اللہ بن عمرو اور نافع کے درمیان کے راوی اسحاق بن ابی فروۃ کو جو ضعیف ہیں ترک کر دیا اور اپنی اس حرکت پر پردہ ڈالنے کے لیے عبید اللہ بن عمرو کی وہ کنیت ذکر کی جس سے وہ معروف نہ تھے اور ان کی وہ خاندانی نسبت ذکر کی جس سے وہ مشہور نہ تھے۔ تاکہ روایانِ حدیث کے احوال سے واقف لوگ بقیہ کے اس جرمِ تدلیس کو سمجھ نہ سکیں اور اس سند کو ایک متصل سند سمجھیں اور یہ ''تدلیس تسویہ'' اس لیے ہے کہ یہاں ساقط ضعیف راوی دو ثقہ راویوں کے درمیان ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۴۴ بتصرف وزیادۃ) نسیم

۶۔ تدلیسِ شیوخ:

تدلیسِ شیوخ کی تعریف: یہ راوی کا اپنے شیخ سے ایسی حدیث کو بیان کرنا ہے جو اس نے اپنے شیخ سے سنی ہو۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ راوی اپنے شیخ کا ایسا نام لے، یا اس کی ایسی کنیت بیان کرے، یا ایسی نسبت بتلائے، یا اس کی ایسی کوئی صفت ذکر کرے جس سے وہ معروف نہ ہوتا کہ وہ شیخ پہچانا نہ جا سکے۔" ❶

۷۔ تدلیس شیوخ کی تعریف کی شرح:

تدلیس شیوخ یہ ہے کہ مدلّس راوی شیخ سے وہ حدیث روایت کرے جو اس سے سنی ہے یعنی تدلیسِ شیوخ میں نہ تو (کسی راوی کا) اسناد سے اسقاط پایا جاتا ہے اور نہ عدمِ ذکر، البتہ اس میں (ایک قسم کی) مغالطہ آمیزی اور شیخ کے نام یا کنیت یا نسبت یا صفت کا چھپانا پایا جاتا ہے۔ اسکی وضاحت یوں سمجھئے کہ:

ایک شیخ ہو:

جن کا نام: محمود بن احمد طحان

کنیت: ابوحفص اور

نسبت: طحان ہو

اور صفت: یہ ہو کہ ان کی داڑھی سفید ہو۔

اب ایک مدلّس راوی آئے اور (اس ہی شیخ سے حدیث روایت کرتے ہوئے یہ) کہے:

مجھے بیان کیا:

(۱) "ابن احمد" نے

(۲) یا "ابو سہیل" ❷ نے

(۳) یا "محمود حلبی" نے

(۴) یا "سفید داڑھی والے" نے

بے شک یہ سب امور شیخ پر منطبق ہوتے ہیں (اور اس پر صادق آتے ہیں) کیوں کہ:

(۱) نام کے اعتبار سے وہ شیخ = واقعی ابن احمد ہے

(۲) کنیت کے اعتبار سے وہ = ابو سہیل بھی ہے کیوں کہ سہیل اس کے ایک بیٹے کا نام ہے۔

---

❶ علوم الحدیث لا بن الصلاح ص٦٦ (طحّان)

❷ مولف موصوف نے مثال دیتے ہوئے کنیت "ابوحفص" ذکر کی ہے مگر تطبیق کے وقت اس کو "ابو سہیل" کر دیا ہے بظاہر یہ تسامح ہے۔ بندہ عاجز مترجم نے متن کی رعایت کرتے ہوئے ترجمہ میں نام نہیں بدلے مگر مقصود ایک ہی ہے کہ مدلّس راوی اسناد میں شیخ کا نام لینے کی بجائے ان کی کنیت ذکر کرے۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

(۳) نسبت کے اعتبار سے وہ = ''حلبی'' ہے کیوں کہ وہ شہرِ حلب کا باشندہ ہے۔

(۴) اور صفت کے اعتبار سے وہ = واقعی سفید ریش بھی ہے

لیکن یہ شیخ لوگوں میں ان مذکورہ بالا ناموں (اور نسبتوں اور اوصاف) سے معروف نہیں۔ اب شیخ کا ان میں سے کوئی نام رکھنا اخفاء کی ایک قسم اور شیخ کے نام میں تدلیس ہے اور مدلِّس کی یہی غرض ہوتی ہے کہ (وہ دراصل شیخ کے نام کو چھپانا چاہتا ہوتا ہے) اور اس کی وہ صفت بیان کرتا ہے جو لوگوں میں معروف نہیں ہوتی تا کہ اس کا شیخ پہچانا نہ جائے۔

رہ گئی یہ بات کہ آخر مدلِّس راوی ایسا کیوں کرتا ہے، وہ اپنے شیخ کا نام دوسروں سے کیوں چھپاتا ہے؟ تو اس کی وجہ یا تو شیخ میں کوئی عیب، یا اس کی کم عمری، یا ضعف وغیرہ ہوتی ہے۔

ب:..... تدلیسِ شیوخ کی مثال: اس کی مثال ابوبکر بن مجاھد جو ائمہ قراء میں سے ہیں، کا یہ قول ہے: "حدثنا عبداللّٰه بن ابی عبداللّٰه" ''ہمیں عبداللہ بن ابوعبداللہ نے بیان کیا'' اور اس سے ان کی مراد ''ابوبکر بن ابوداؤد سجستانی'' ہے۔ ❶

۸۔ تدلیس کا حکم:

(چوں کہ تدلیس کی تین اقسام ہیں، تدلیسِ اسناد، تدلیسِ تسویہ اور تدلیسِ شیوخ اس لیے ذیل میں تینوں کا حکم علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے)

الف:..... تدلیسِ اسناد کا حکم: یہ بے حد مکروہ ہے، علماء نے اس کی بہت زیادہ مذمت بیان کی ہے اور علماء میں اس کی سب سے زیادہ مذمت شعبہ بیان کیا کرتے تھے۔ انھوں نے تدلیسِ اسناد کی برائی بیان کرنے کے لیے بہت کچھ کہا ہے۔ اس بارے میں ان کا سب سے مشہور قول یہ ہے کہ ''تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے'' (گویا کہ شعبہ کے نزدیک ''تدلیس'' دروغ گوئی اور دروغ بافی کا دوسرا نام ہے)۔

ب:..... تدلیسِ تسویہ کا حکم: یہ تدلیسِ اسناد سے بھی دو ہاتھ آگے ہے اور اس سے کہیں بڑھ کر مکروہ اور ناپسندیدہ ہے اور ''عراقی رحمہ اللہ'' نے تو تدلیس تسویہ کے بارے میں یہاں تک کہا ہے کہ ''جو جان بوجھ کر تدلیسِ تسویہ کرتا ہے وہ اپنی عدالت و وثاقت کو مجروح کرتا ہے'' (گویا کہ تدلیسِ تسویہ کرنے والا شخص بے اعتبار قرار پائے گا)۔ ❷

ج:..... تدلیس شیوخ کا حکم: تدلیس کی اس قسم کی کراہت تدلیسِ اسناد کی کراہت سے کم درجہ کی ہے کیوں کہ

---

❶ اور یہ مثال تدلیسِ شیوخ میں اس لیے شمار ہے کہ ابوبکر بن ابی داؤد سجستانی ''عبداللہ بن ابی عبداللہ'' کے نام سے معروف نہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۴۵ بتصرفٍ) نسیم

❷ کیوں کہ یہ بڑا پُرفریب عمل ہے کہ عام آدمی اسناد کے ظاہر حال کو دیکھ کر اسے معتمد و معتبر رواۃ کی حدیث سمجھ بیٹھتا ہے پھر ظاہر ہے کہ وہ اس اسناد کے ساتھ ویسا ہی معاملہ بھی کرتا ہے۔ حالاں کہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے کہ اس حدیث کی اسناد میں ضعیف رواۃ بھی ہوتے ہیں (علوم الحدیث، ص: ۱۴۴ بتصرفٍ و زیادۃٍ) نسیم

مدلِّس نے اس کی اسناد سے کسی کو ساقط نہیں کیا۔ اس میں کراہت صرف اس وجہ سے کہ اس میں شیخ (جس سے روایت کی ہے) کی حیثیت کو ضائع کرنا اور سامع پر شیخ کی معرفت کے طریق کو بے حد دشوار بنانا ہے۔ (بہرحال) تدلیس کی اس قسم کی کراہت ان اغراض کے اعتبار سے مختلف ہوتی رہے گی، جن کی بنا پر مدلِّس نے اس کا ارتکاب کیا تھا۔

۹۔ تدلیس پر آمادہ کرنے والی اَغراض ❶ (یعنی تدلیس کے اسباب و بواعث اور محرکات):

الف:......تدلیس شیوخ پر آمادہ کرنے والی اغراض چار ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ شیخ کا ضعیف یا غیر ثقہ ہونا

۲۔ شیخ کا لمبی عمر پا کر اس دارِ فانی سے کوچ کرنا کہ پھر شیخ سے سماعت کرنے والی ایک اچھی خاصی جماعت بھی سماعتِ حدیث میں اس مدلِّس راوی کے ساتھ شریک ہو جاتی ہے۔ جو اس کے بعد (شیخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے) آئی تھی۔ ❷

۳۔ شیخ کا مدلِّس راوی سے کم عمر ہونا: یعنی شیخ مدلِّس راوی سے کم عمر ہو۔

۴۔ شیخ سے کثرت کے ساتھ روایت کرنا: کہ اس صورت میں مدلِّس راوی اپنے شیخ کا ایک ہی صورت میں کثرت کے ساتھ نام لینا پسند نہیں کرتا۔

ب:......تدلیس اسناد پر آمادہ کرنے والی اغراض پانچ ہیں جو یہ ہیں:

۱۔ علوِ اسناد کا وہم ڈالنا: یعنی مدلِّس راوی لوگوں کو اس بات کا وہم ڈالے کہ اس کی اسناد "عالی" ❸ ہے۔

۲۔ جس شیخ سے بہت سی احادیث سنی ہیں اس سے کسی حدیث کا سننا رہ جانا۔ ❹

۳،۴،۵۔ یہ وہی اغراض ہیں جو تدلیسِ شیوخ کے ضمن میں پہلے تین نمبروں میں بیان کی گئی ہیں (یعنی شیخ کا ضعیف اور غیر ثقہ ہونا، دیر سے انتقال کرنا، اور مدلِّس راوی سے کم عمر ہونا)۔

۱۰۔ مدلِّس راوی کی مذمت کے اسباب:

(محدثین کے نزدیک مدلِّس راوی کی مذمت کے) تین اسباب ہیں، جو یہ ہیں:

❶ مناسب تو یہ تھا کہ تدلیس کی تین اقسام میں سے ہر ایک کی اغراض کو جداگانہ حیثیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا مگر مؤلف موصوف نے فقط دو اقسام تدلیسِ شیوخ اور تدلیسِ اسناد کی اغراض کو ذکر کیا ہے۔ بندہ عاجز مترجم کی رائے میں اس کی وجہ اختصار پر اکتفاء کرنا نہیں بلکہ تدلیسِ تسویہ کی تدلیسِ شیوخ کے تحت داخل ہوتا ہے "کما صرّح به العلامة الحافظ ابن حجر رحمه الله" اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ بھی تدلیسِ شیوخ ہی ہے البتہ تدلیسِ تسویہ زیادہ اشد ہے کیوں کہ اس میں تدلیس کے ساتھ ساتھ ایک راوی کا اسقاط بھی ہے۔ نسیم

❷ پھر ایک شیخ سے سماعتِ حدیث میں کثرتِ شرکاء سے وہ امتیاز جاتا رہے گا جو سامعین کے کم ہونے سے مدلِّس کا مقصود ہوتا ہے۔ اور وہ ہے سماعتِ حدیث میں شیخ کے تلامذہ میں ایک امتیازی شان۔ (علوم الحدیث، ص: ۱٤٥ بتصرفٍ کثیر وزیادۃ) نسیم

❸ یعنی مدلِّس لوگوں کو یہ وہم ڈالے کہ اس کی حدیث کم واسطوں سے ہے (علوم الحدیث، ص: ۱٤٥ بتصرفٍ) نسیم

❹ تاکہ تدلیس اسناد کو اسی شیخ کی طرف منسوب کر سکے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱٤٥ بتصرفٍ) نسیم

۱۔ مدلِّس راوی کا ایسے شخص سے سماعت حدیث کا وہم ڈالنا جس سے سنا ہے (اور ظاہر ہے کہ یہ دروغ بیانی ہے) اور دروغ گوئی ایک قابلِ مذمت وصف ہے۔

۲۔ مدلِّس راوی کا (واضح اور) بے غبار صورت سے (مبہم، غیر واضح اور) احتمالی صورتوں (کے اختیار کرنے) کی طرف پھرنا (اور معاملات کو الجھانا ''کج روی'' ہے جو مذموم ہے)۔

۳۔ مدلِّس راوی کا یہ جاننا کہ اگر اس نے اس راوی کو ذکر کر دیا جس سے اس نے تدلیس کی ہے تو اس کی روایت پسندیدہ (اور دوسرے لفظوں میں مقبول) نہیں رہے گی۔ ❶ (اور ناپسندیدہ اور غیر مقبول روایت کو جان بوجھ کر چھپانا ایک علمی خیانت اور اخلاقی جرم ہے جو واقعی قابل مذمت ہے)۔

۱۱۔ مدلِّس کی روایت کا حکم:

مدلِّس کی روایت مقبول کرنے میں علماء محدثین کے متعدد اقوال ہیں جن میں دو قول زیادہ مشہور ہیں:

الف:...... مدلِّس کی روایت ہر حال میں (مطلقاً) ردّ ہے، اگرچہ وہ سماع کی صراحت بھی کر دے کیوں کہ ''تدلیس'' بذاتِ خود ایک جرح ہے (اور جرح حدیث کے ردّ کا ایک سبب ہے) مگر یہ قول غیر معتمد ہے۔

ب:...... دوسرا قول ''تفصیل'' کا ہے (یعنی مدلِّس کی روایت مطلقاً ردّ نہیں بلکہ اس کے ردّ و قبول میں تفصیل ہے) اور یہی قول صحیح اور معتمد ہے۔ (اور ''تفصیل'' کی تفصیل یہ ہے کہ):

۱۔ اگر تو مدلِّس نے سماع کی صراحت کر دی تو اس کی روایت مقبول ہوگی۔ یعنی اگر مدلِّس ''سَمِعْتُ'' وغیرہ کے الفاظ کہے (جو شیخ سے سماع پر صراحت کرتے ہیں) تو اس کی حدیث مقبول ہوگی۔

۲۔ اور اگر مدلس (شیخ سے) سماع کی صراحت نہیں کرتا تو اس کی روایت غیر مقبول ہوگی۔ یعنی اگر تو مدلِّس ''عن'' وغیرہ کے الفاظ کے ساتھ روایت کرتا ہے تو اس کی حدیث مقبول نہیں۔ ❷

۱۲۔ تدلیس کیوں کر پہچانی جا سکتی ہے؟

تدلیس کو دو میں سے ایک بات کے ذریعے پہچانا جا سکتا ہے، جو یہ ہیں:

الف:...... یا تو پوچھنے پر خود مدلِّس بتلا دے کہ اس نے اس روایت میں تدلیس کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ (گزشتہ میں) امام ابن عیینہ کے متعلق گزر چکا ہے (کہ سوال کرنے پر انھوں نے اپنی تدلیس کا اقرار کر لیا)۔

---

❶ الکفایۃ: ۳۵۸ (طحّان)

❷ علوم الحدیث لا بن الصلاح: ۶۷۔۶۸ (طحّان)

علامہ اسعدی نے اس موقع پر تیسرا قول بھی نقل کیا ہے کہ ''اگر معتمد رواۃ'' ثقہ راویوں سے تدلیس کریں تو ان کی روایت مقبول ہوگی۔ اور اگر غیر ثقہ راویوں سے تدلیس کریں تو حدیث کے مقبول ہونے کے لیے شیخ سے سماع کی صراحت ضروری ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۴۷ بتصرف بحوالہ تدریب الراوی ۲۳۰/۱) نیم

ب:...... یا "فن مصطلح الحدیث" کا کوئی ماہر امام بحث وتحقیق کے بعد تدلیس کو پہچان لے اور اس کی تصریح کر دے (جیسا کہ گزشتہ میں امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے تحقیق وتنقید کے بعد بقیہ کی روایت میں تدلیس کے پائے جانے کی صراحت کی ہے)۔

۱۳۔ تدلیس اور مدلِّسین کے بارے میں مشہور تصنیفات:

تدلیس اور مدلِّس کے بارے میں متعدد کتب لکھی گئی ہیں (جن میں سے بعض تدلیس پر اور بعض مدلِّس پر لکھی گئی ہیں، ذیل میں ہر نوع پر لکھی جانے والی) چند مشہور کتب (کا تعارف کرایا جاتا ہے جو) یہ ہیں:

الف:...... صرف اکیلے خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین کتب لکھی ہیں جن میں سے ایک مستقل کتاب مدلِّس کے اسماء کے بارے میں ہے جس کا نام "التبیین لا سماء المدلِّسین" ہے۔ [1]

جب کہ دوسری دو کتابیں تدلیس کے بارے میں ہیں۔ اور ہر ایک کتاب میں تدلیس کی ایک الگ نوع پر بحث کی گئی ہے۔ [2]

ب:...... "التبیین لا سماء المدلِّسین" یہ علامہ برہان الدین ابراہیم بن محمد بن الحلبی متوفی (۸۴۱ھ) کی تصنیف لطیف ہے۔ (یہ ایک رسالہ ہے جو چھپ چکا ہے)

ج:...... "تعریف اهل التقدیس بمراتب الموصوفین بالتدلیس" یہ علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی علمی یادگار ہے یہ بھی زیورِ طبع سے آراستہ ہو چکی ہے۔

۲...... مرسل خفی

۱۔ مرسَلِ خفی کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظِ "مُرسَل" یہ "اِرسال" (بروزنِ اِفعال) سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، جس کا معنی چھوڑ دینا ہے گویا کہ ارسال کرنے والے نے اس حدیث کی اسناد کو چھوڑ دیا اور اس کو متصل نہ کیا اور لفظ "خَفِي" یہ "جَلِي" کی ضد ہے۔ (خَفِي کا معنی پوشیدہ اور جَلِي کا معنی روشن اور ظاہر ہے) (اور اس ارسال کو خفی) اس لیے (کہتے ہیں) کیوں کہ ارسال کی یہ قسم غیر ظاہر ہوتی ہے جس کو بحث وتحقیق اور غور وتدبّر کے بعد ہی جانا جا سکتا ہے۔

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں حدیث مرسَل خفی) یہ ہے کہ راوی اپنے کسی معاصر سے یا اس شخص سے جس سے اس کی ملاقات ثابت ہو، وہ حدیث روایت کرے جو اس سے سنی نہ ہو مگر ایسے الفاظ کے ساتھ

---

[1] الکفایة ص ۳٦۱ (طحّان)

[2] الکفایة ص ۳۵۷ (طحّان)

روایت کرے جو "سماع" (پر دلالت کرنے) کا احتمال رکھتے ہوں جیسے "قَالَ" (وغیرہ کے الفاظ) ❶

۲۔ مرسَل خفی کی مثال:

اس کی مثال ابن ماجہ کی وہ روایت ہے جو انھوں نے عمر بن عبدالعزیز کے طریق سے بواسطہ عقبہ بن عامر مرفوعاً روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں، "رَحِمَ اللّٰهُ حَارِسَ الْحَرَسِ" ❷ "رب تعالیٰ فوجی دستہ کی نگہبانی کرنے والے پر رحم فرمائے۔" (اس حدیث میں ارسال اس لیے پایا جاتا ہے) کیوں کہ عمر بن عبدالعزیز کی عقبہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جیسا کہ مزّی نے "اطراف" میں ذکر کیا ہے۔

۳۔ ارسالِ خفی کو کیوں کر پہچانا جاسکتا ہے؟

ارسالِ خفی کو مذکورہ ذیل تین امور میں سے کسی ایک کے ذریعے پہچانا جاسکتا ہے:

الف:...... کسی امامِ فن حدیث کا صراحت کرنا کہ (ارسال کرنے والے) اِس راوی کی اُس راوی سے ملاقات ثابت نہیں جس سے یہ حدیث بیان کر رہا ہے یا اس نے اپنے شیخ سے مطلق نہیں سنا۔

ب:...... راویء مرسَل کا خود (اپنے بارے میں یہ) بتلا دینا کہ اس کی اپنے شیخ سے ملاقات ثابت نہیں یا یہ کہنا کہ اس نے اپنے شیخ سے کچھ نہیں سنا۔ ج:...... حدیث مرسَل کا کسی ایسے دوسرے طریق سے مروی ہونا جس میں راویء مرسَل اور اس کے شیخ جس سے وہ روایت کر رہا ہے، کے درمیان راوی مذکور ہو۔ ویسے اس تیسرے امر کی بابت علماء میں اختلاف ہے۔ کیوں کہ یہ خود ایک مستقل قسم ہے جس کا نام "المزیدُ فی متّصل الاسانید" ہے۔ ❸

۴۔ مرسَل خفی کا حکم:

(محدثین کے نزدیک) یہ حدیث ضعیف ہے، کیوں کہ یہ بھی حدیث منقطع کی ایک قسم ہے۔ پس جب اس کا انقطاع (راویء مرسَل کی تصریح یا امامِ فن کی تحقیق سے) ظاہر ہو جائے گا تو اس کا حکم حدیث منقطع کا حکم ہوگا۔

۵۔ مرسَل خفی کی بابت مشہور تصنیفات:

اس باب میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب "التَّفصیل لِمُبْهَمِ الْمَرَاسِیلِ" کو خاص شہرت حاصل ہے۔

❶ "شرح الفیة العراقی له" ۱۸۰۱ نقلاً عن "بیان الوهم والایهام" لابی الحسن بن قطان (طحّان) بظاہر تدلیس اور ارسالِ خفی یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان فرق ہے جس کو علماء نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

(۱) ابن قطان کہتے ہیں "مرسَل اس شخص کی روایت ہے جس کا اس شخص سے سماع ثابت نہیں ہوتا جس کو وہ اپنے شیخ کی حیثیت سے ذکر کرتا ہے۔ البتہ اس سے معاصرت یا ملاقات ثابت ہوتی ہے۔ جب کہ تدلیس میں مدلّس کی اپنے اس شیخ سے جس سے وہ تدلیس کرتا ہے، ملاقات و معاصرت کے ساتھ ساتھ سماع بھی ثابت ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا فرق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ معاصرت کے ساتھ اگر ملاقات کا علم نہ ہو تو وہ حدیث "مرسَل" ہے ورنہ "مدلّس"۔

بہر حال یہ علم بھی بڑی اہمیت کا مالک ہے اور اس کا ادراک انھیں ہی نصیب ہوتا ہے جو اس فن کی وسیع معلومات کے ساتھ ساتھ روایات اور ان کے طرق کا وافر علم رکھتے ہوں (علوم الحدیث، ص: ۱۴۸ ملخصاً) نسیم

❷ ابن ماجه / کتاب الجهاد ج ۲ ص ۹۲۵ حدیث رقم ۲۷۶۹ (طحّان) ❸ اس کا مفصل بیان آگے خود متن میں آ رہا ہے۔ نسیم

حدیث منقطع کے ملحقات

اَلْمُعَنْعَنْ اور اَلْمُؤَنَّن

ا۔ تمہید:

گزشتہ صفحات میں حدیث مردود کی ان چھ اقسام کا تفصیلی تعارف اور ان کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ جن کے مردود ہونے کا سبب اسناد سے انقطاع تھا۔ (خواہ انقطاع کی نوعیت جو بھی رہی ہو) لیکن جب "حدیث مُعَنعَن" اور "حدیث مُؤنَّن" میں علماء محدثین کا یہ اختلاف تھا کہ آیا یہ دونوں قسمیں حدیثِ منقطع کی اقسام ہیں یا حدیث متصل کی ہم تو میں نے حدیث کی ان دونوں قسموں کو حدیثِ مردود کی ان قسموں کے ساتھ ملانا مناسب سمجھا جنھیں سند میں انقطاع کی وجہ سے رڈ کیا جاتا ہے۔ (دوسرے لفظوں میں حدیثِ معنعن اور مؤنّن یہ دونوں حدیث مردود "بسببِ سقطٍ من الاسناد" کے ملحقات میں سے ہیں)۔

۲۔ مُعَنْعَنْ کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "مُعَنْعَنْ" "عَنْعَنَ" (بروزنِ فَعْلَلَ رباعی مجرد) سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اور اس کا معنی ہے، "اس نے "عَنْ عَنْ" کہا۔ ❶

ب:......اصطلاحی تعریف: (اصطلاحِ محدثین میں یہ) راوی کا "فلان عن فلان" کہنا ہے۔ ❷

۳۔ حدیث مُعَنعَن کی مثال:

اس کی مثال ابن ماجہ کی یہ روایت ہے:

"قال حدثنا عثمان ابن ابی شیبة ، ثنا معاویة بن هشام ، ثنا سفیان ، عن اسامةَ بن زید ، عن عثمان بن عروة عن عروة عن عائشة ، قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : "ان اللهَ وَمَلَائِکَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی مَیَامِنِ الصُّفُوْفِ" ❸

"امام ابن ماجہ فرماتے ہیں ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے، وہ فرماتے ہیں ہمیں معاویہ بن ہشام نے، وہ فرماتے ہیں: ہمیں سفیان نے اسامہ بن زید سے، انھوں نے عثمان بن عروہ سے، انھوں نے عروہ سے، انھوں نے

❶ علامہ کیرانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عنعنَ الراوی راوی کا "عن فلان ، عن فلان" کہہ کر روایت کرنا۔ (القاموس الوحید: ۱۱۳۳) جیسا کہ معنعن کی اصطلاحی تعریف میں آ رہا ہے۔ نسیم

❷ علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۶۱ (طحان) یعنی وہ حدیث جو لفظِ "عن" سے روایت کی جائے۔ (از علوم الحدیث ص ۱۵۰) نسیم

❸ ابن ماجه کتاب اقامة الصلوة والسنة فیها ج۱ ص۳۳۱ حدیث رقم ۱۰۰۵ بلفظه (طحّان)

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا، سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "رب تعالیٰ اور اس کے فرشتے (نماز کی) داہنی صفوں پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔"

۴۔ حدیث مُعَنعَن متّصل ہے یا منقطع؟

حدیث "معنعن" کو متصل یا منقطع شمار کرنے میں علماء کے دو مختلف اقوال ہیں جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

الف:...... ایک قول یہ ہے کہ حدیث معنعن کو منقطع کی ایک قسم سمجھا جائے یہاں تک کہ اس کا متصل ہونا ظاہر ہو جائے۔ مگر یہ غیر معتمد اور غیر صحیح قول ہے۔

ب:...... جب کہ صحیح اور معمول بہ قول جو جمہور محدثین، فقہاء اور اصولیین کا قول ہے، یہ ہے کہ حدیث معنعن متصل ہے۔ مگر چند شروط کے ساتھ۔ ان میں بھی دو شروط متفق علیہ ہیں جب کہ باقی کی شروط میں علماء و محدثین کا باہم اختلاف ہے۔ (ذیل میں شروطِ اتفاقیہ اور مختلفہ فیہا کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے)

وہ دو شروط جن کی بابت اتفاق ہے کہ حدیث معنعن میں ان کا ہونا ناگزیر ہے اور امام مسلم کا مذہب انھی دو شرطوں پر اکتفا کرنے کا ہے۔ یہ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ حدیث میں عنعنہ کرنے والا راوی مدلِّس نہ ہو۔

۲۔ دوسری یہ کہ دونوں کی ملاقات ممکن ہو۔ یعنی عنعنہ کرنے والے کی اس راوی سے ملاقات ہوئی ہو۔ جس سے وہ "عن" کے ساتھ روایت کر رہا ہے۔ [1]

رہی وہ اختلافی شروط جو گزشتہ مذکورہ دو ناگزیر شروط پر زائد ہیں، یہ ہیں:

۱۔ ملاقات ثابت ہو: (یعنی جن دو راویوں کے درمیان لفظ "عـــن" آ رہا ہو ان کی ایک دوسرے سے ملاقات ثابت ہو) یہ امام بخاری ابن المدینی اور دوسرے محققین کا قول ہے۔

۲۔ طولِ مصاحبت: (یعنی دونوں عرصۂ دراز تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہوں) یہ ابو المظفر سمعانی رحمہ اللہ کا قول ہے۔

۳۔ عنعنہ کرنے والے راوی کو مُعَنْعَنْ (جس سے عنعنہ کیا گیا ہے) سے روایت کا علم ہو۔ یہ ابو عمرو دانی کا قول ہے۔

۵۔ حدیثِ مُؤَنَّن کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظِ "مؤنَّن" یہ "أنَّنَ" (بروزن فَعَّلَ از بابِ تفعیل) سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ اس کا معنی ہے، اُس نے اَنَّ اَنَّ کہا۔

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں یہ) راوی کا "حَدَّثَنَا فلانٌ اَنَّ فُلَانًا قَالَ ...." کہنا ہے (یعنی وہ حدیث جو اَنَّ کے لفظ کے ساتھ روایت کی جائے اور اس میں دو راویوں کے درمیان لفظ اَنَّ آتا ہو)۔

[1] دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جن دو راویوں کے درمیان "عـــن" کا لفظ آ رہا ہو ان کے درمیان ملاقات کا امکان پایا جاتا ہو کہ دونوں کا زمانہ ایک ہو (علوم الحدیث، ص: ۱۵۱ بتصرفٍ) نسیم

٦۔ حدیث مؤنَّن کا حکم:

(حدیث مؤنَّن کی بابت علماء کے دو اقوال ہیں، جو درج ذیل ہیں:)

الف:...... امام احمد رحمہ اللہ اور علماء کی ایک جماعت کا (حدیثِ مؤنَّن کے بارے میں یہ) کہنا ہے کہ "(حکم کے اعتبار سے) یہ حدیث "منقطع" ہے۔ یہاں تک کہ اس کا متصل ہونا ظاہر ہو جائے۔ مگر یہ قول غیر معتمد (اور غیر صحیح) ہے۔

ب:...... جب کہ جمہور کا قول (جو صحیح اور معتمد ہے) یہ ہے کہ (حکم کے اعتبار سے) "اَنَّ" "عَنْ" کی طرح ہے اور مطلق اَنَّ کے ساتھ روایت کی گئی حدیث کو گزشتہ مذکورہ شروط (اتفاقیہ و اختلافیہ) کے ساتھ اتصال اور سماع پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی "حدیث مؤنَّن" یہ حکم میں "مُعَنْعَنْ" کی طرح ہے اور اس میں ان ہی شروط کا اعتبار ہے جو معنعن کی نوع میں مذکور ہیں۔

مشقی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

١۔ ضعیف احادیث کا کیا حکم ہے نیز اس پر عمل کرنے کے لیے کیا احتیاط ضروری ہے؟

٢۔ مندرجہ ذیل اصطلاحات کی تعریف کریں: مُعَلَّق، مُدَلَّس، مُرْسَل

٣۔ "اوھی الاسانید" کون سی ہیں؟ ٤۔ سقوطِ خفی سے کیا مراد ہے؟

٥۔ کیا حدیث مرسل قابل استدلال ہے؟ فریقین کے دلائل تلاش کیجیے اور راجح موقف بیان کیجیے۔

٦۔ تدلیس کی کتنی اقسام ہیں؟ ٧۔ تدلیس اسناد اور مرسل خفی میں کیا فرق ہے؟

٨۔ حدیث معنعن متصل ہے یا منقطع؟ وضاحت کریں۔

٩۔ ضعیف حدیث کو بیان کرنا جائز کیوں قرار دیا گیا ہے؟

١٠۔ فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کی کیا اہمیت ہے؟ فریقین کے دلائل کا جائزہ لیجیے۔

١١۔ تدلیس کے مقاصد اور اسباب کی روشنی میں جائزہ لیجئے کہ کیا کوئی متقی شخص بھی تدلیس کر سکتا ہے؟ مثالوں کے ساتھ واضح کیجیے۔

١٢۔ حدیثِ مُعَنْعَن اور مُؤَنَّن کا حکم بیان کیجیے۔

خالی جگہ مناسب الفاظ سے پر کریں۔

١۔ "انما الاعمال بالنیات" یہ حدیث غریب............ ہے۔

٢۔ ہر وہ حدیث جو حسن کے مرتبہ سے کم ہو............ کہلاتی ہے۔

٣۔ میزان الاعتدال............ کی تصنیف ہے اور اس کا موضوع............ ہے۔

٤۔ ایسی حدیث جس کی ابتدا سے ایک یا ایک سے زائد راوی حذف ہوں............ کہتے ہیں۔

۵۔ مرسل حدیث ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند کے آخر سے .... کے بعد .... کا نام حذف ہو۔

۶۔ "المراسیل" .... کی تصنیف ہے۔

۷۔ معلّق، مُرْسَل ، مُعْضل اور منقطع سقوط .... کی ہی شکلیں ہیں۔

۸۔ معضل .... سے .... کا صیغہ ہے۔

۹۔ اسناد کے عیب کو چھپانا اور اس کے ظاہر کو بنا سنوار کے اور آراستہ کر کے پیش کرنے کو .... کہتے ہیں۔

۱۰۔ جب حدیث کی ابتدا سے ہی دو راوی پے در پے حذف ہوں تو وہ حدیث ایک ہی وقت میں .... بھی ہوگی اور .... بھی۔

۱۱۔ دو مشہور مدلِّس .... اور .... ہیں۔

۱۲۔ مُرْسَل حدیث کے بارے میں خطیب بغدادی کی تصنیف .... کو خصوصی مقام حاصل ہے۔

۱۳۔ معنعن .... سے .... کا صیغہ ہے۔

۱۴۔ انَّنَ کا لغوی مطلب .... ہے۔

۱۵۔ حدیث .... "مرسل" سے بھی زیادہ بُری حدیث ہے۔

۱۶۔ حدیث منقطع کا ضعیف ہونا .... کی وجہ سے ہے۔

۱۷۔ تدلیسِ .... تدلیس کی بدترین شکل ہے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ مُعَلَّق اور مُعْضَل مترادف ہیں۔

۲۔ صحابہ کے ارسال کی ایک وجہ ان کا کم عمر ہونا ہے۔

۳۔ " عـن مالك اَنَّهُ بَلَغَهُ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " مرسل صحابی کی مثال ہے۔

۴۔ مُرْسَل ، مُعْضَل اور مُعَلَّق ، مُنْقَطِع کی ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔

۵۔ تدلیسِ تسویہ اور تدلیسِ اسناد مترادف المعنی ہیں۔

عملی کام: ...... لائبریری کا رخ کیجیے اور تلاش کیجیے کہ اصولیین سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور ان کی وجہ تسمیہ بھی تحریر کیجیے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف "تنویر المقیاس" نامی ایک تفسیر منسوب ہے۔ اپنے سابقہ علم کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی سند کا جائزہ لیجیے۔

ولید بن مسلم اور بقیہ بن ولید سے مروی دس مختلف احادیث کو الگ کیجیے اور معروف محققین کی ان احادیث پر تحقیق دیکھیے۔

مقصد سوم

اُس حدیث کا بیان جو
راوی میں طعن کے سبب سے مردود ہو

ا۔ راوی میں طعن سے کیا مراد ہے؟

راوی میں طعن سے یہ مراد ہے کہ اس کی عدالت (یعنی دین کے معاملہ میں اس کے لائق اطمینان ہونے) اور اس کے دین کے حق میں یا اس کے حفظ وضبط کے بارے میں کلام کیا جائے اور زبان سے اس کو مجروح قرار دیا جائے (یعنی زبان سے اس کی عیب جوئی کی جائے)۔

۲۔ راوی میں طعن کے اسباب (کیا اور کتنے ہیں؟):

(حضرات محدثین اور علماء کے بقول) راوی میں طعن کے اسباب دس ہیں جن میں سے پانچ کا تعلق اس کی عدالت سے اور دوسرے پانچ کا تعلق اس کے ضبط سے ہے۔ (ان کو ذیل میں تقسیم کر کے بیان کیا جاتا ہے)

الف:...... وہ اسباب جن کا تعلق راوی کی عدالت میں طعن سے ہے، یہ ہیں:

(ا) کذب (۲) تہمت کذب

(۳) فسق (۴) بدعت

(۵) جہالت (یعنی جہالت عین)

ب:...... وہ اسباب جن کا تعلق راوی کے ضبط میں طعن سے ہے، یہ ہیں:

(ا) زبانی غلطی کی شدت (۲) حافظہ کی خرابی

(۳) غفلت (۴) کثرتِ اوہام

(۵) مخالفتِ ثقات

(ان دس اقسام میں سے ہر ایک کا مستقل عنوان آگے تفصیل میں آجائے گا یاد رہے کہ احادیث کی ان اقسام میں مراتب کا لحاظ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ نسیم)

آگے چل کر ہم ان مذکورہ اسباب میں سے کسی ایک سبب سے مردود ہونے والی احادیث کی اقسام کو تسلسل (اور ترتیب) کے ساتھ بیان کریں گے اور ان اقسام کا آغاز ہم سب سے زیادہ سخت سببِ طعن سے کریں گے۔ اور وہ "کذب" یعنی جھوٹ بولنا ہے۔

(۱) حدیثِ موضوع ❶

جب راوی میں طعن کا سبب اس کا جناب رسالت مآب ختمی مرتبت ﷺ پر دروغ گوئی ہو تو ایسے راوی کی حدیث کو ''موضوع'' (یعنی گھڑی ہوئی بات) کے (بدنامِ زمانہ) نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ا۔ حدیثِ موضوع کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: (لغت میں) لفظ "موضوع" "وَضَعَ الشَّیْءَ" سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا مطلب کسی شی کا مرتبہ گھٹانا ہے۔ اور حدیث موضوع کا یہ نام اس کے گرے ہوئے مرتبہ کی وجہ سے رکھا گیا ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: اور اصطلاح میں ''موضوع'' اس جھوٹ کو کہتے ہیں جو رسالت مآب ﷺ کے دامنِ صدق وصداقت پر گھڑ کے اور تیار کر کے دھر دیا جائے۔ ❷

۲۔ حدیث موضوع کا مرتبہ:

یہ ضعیف احادیث کی بدترین اور گھناؤنی ترین قسم ہے۔ جب کہ بعض علماء نے اسے احادیث ضعیفہ کی ایک قسم نہیں بلکہ ایک مستقل قسم قرار دیا ہے۔ ❸

۳۔ موضوع حدیث کے روایت کرنے کا حکم:

(حضرات محدثین اور جملہ فقہاء) علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو بھی کسی حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہو، خواہ (وضع کی نوعیت کیسی ہی ہو اور چاہے) وضع کا تعلق کسی بھی مسئلہ اور مضمون سے ہو (اور چاہے اس مسئلہ کی نوعیت کسی بھی درجہ کی ہو خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا فرائض و واجبات سنن و مستحبات اور مباحات سے ہو۔ بہر حال وضع کا علم ہونے کے بعد) اسے وہ حدیث اس کے موضوع ہونے کی تصریح کیے بغیر بیان کرنا جائز نہیں۔ ❹ (اور علماء

❶ مناسب تو یہ تھا کہ راوی میں طعن کے دونوں اسباب کی جملہ اقسام کی تفصیل اسی ترتیب سے بیان کی جاتی جو مؤلف موصوف نے اجمالی تعارف میں ذکر کی ہے۔ لیکن اجمال کے بعد تفصیل میں جاتے ہوئے مؤلف موصوف نے ترتیب میں تبدیلی کر دی ہے کہ بعض انواع کا ذکر پہلے کر دیا ہے جب کہ بعض کا بعد میں اس کو اصطلاح بیان میں ''لف ونشر غیر مرتب'' کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود قارئین ملاحظہ کریں گے۔ بندہ مترجم گاہ گاہ ترتیب کی اس تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا رہے گا۔

البتہ شاید مولف موصوف نے اجمال کی تفصیل میں طعن کے مراتب کو ملحوظ رکھا ہے۔ جس سے ترتیب میں تغیر آنا بھی بدیہی امر تھا۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

❷ تدریب الراوی ۱/ ۲۷٤ (طحّان)

❸ اور اس کی وجہ صاف اور بے غبار ہے کہ حدیث موضوع کا مضمون ''حدیث'' ہوتا ہی نہیں سوائے ایک صورت کے جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔ اس میں بھی اس کے حدیث ہونے کا وہم ہوتا ہے نا کہ گمانِ غالب اور ''واضع'' (حدیث گھڑنے والا) اس وہم کا درجہ بڑھانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اسے حدیث بنا دیتا ہے۔ (اعاذنا اللہ من شرّ ذلك) (علوم الحدیث، ص: ۱٥٦ بتصرفٍ وزیادۃ کثیرۃٍ) نسیم

❹ علماء اور فقہاء کا یہ اجماع ان نام نہاد واعظین اور مبلغین کے لیے مقامِ غور اور باعثِ عبرت ہے جو محض حصولِ زر، گرمیٔ محفل اور وقتی شہرت کے لیے بے محابا موضوع احادیث سناتے ہیں اور "عوام کالانعام" سے دادِ تحسین کے ساتھ ساتھ داد و دہش بھی لیتے ہیں۔ ''ثمنِ قلیل'' کے بدلے آیات اللہ کی یہ خرید و فروخت روزِ محشر بدترین رسوائی کا سبب ہوگی۔ اللھم احفظنا منه۔ نسیم

کے) اس (اجماع) کی دلیل مسلم شریف کی یہ روایت ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے میری طرف سے ایک ایسی حدیث بیان کی جس کے جھوٹ ہونے کو وہ جانتا ہے تو وہ (بھی) دو جھوٹوں ❶ میں سے ایک جھوٹا ہے'' ❷

۴۔ حدیث گھڑنے میں ان جعل سازوں ❸ نے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے؟

ان ''جعل سازوں نے حدیث گھڑنے کے لیے دو ہتھکنڈے استعمال کیے:

الف:...... یا تو ان ''جعل سازوں'' نے خود سے ایک حدیث تراش لی، پھر (دوسرا ستم یہ ڈھایا کہ) اس کے لیے ایک اِسناد بھی تیار کر لی اور اسی جعلی سند سے اس جعلی حدیث کو روایت کرنے لگے۔ (یہ خود موضوع حدیث کی بدترین صورت ہے)۔

ب:...... یا ان لوگوں نے بعض (علماء صلحاء اور) حکماء کا کوئی قول لے لیا (یا کوئی اسرائیلی روایت لے لی۔ از علوم الحدیث ص ۱۵۵) اور (اسے بطور حدیث پیش کرنے کے لیے) اس کے لیے ایک اِسناد گھڑ لی۔ (شر کے اعتبار سے حدیث موضوع کی اس قسم کا رتبہ کم ہے)۔ ❹

۵۔ حدیث موضوع کیوں کر پہچانی جاتی ہے؟

(حدیث موضوع کے پہچاننے کے بنیادی طور پر دو ذرائع ہیں، ایک یہ کہ اس کی اِسناد کا تحقیقی جائزہ لیا جائے دوسرا یہ کہ اس کے متن میں محدّثانہ، عالمانہ، فقیہانہ اور مجتہدانہ نگاہ ڈالی جائے اور اس کے مضمون میں غور و خوض کر کے اس کی رطوبت یا یبوست کا اندازہ لگایا جائے بہر حال) قطع نظر اِسناد کے، حدیثِ موضوع کو درج ذیل چند امور سے پہچانا جا سکتا ہے:

الف:...... ''جعل ساز'' اپنی جعل سازی کا خود اقرار کرے: جیسے ابو عصمہ نوح بن ابی مریم نے اقبال جرم کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نام لگا کر قرآن کریم کی ایک ایک سورت کے (عجیب

---

❶ ایک جھوٹا وہ حدیث گھڑنے والا اور دوسرا یہ بیان کرنے والا، اور یہ مطلب نہیں کہ دو میں سے ایک جھوٹا ہے بلکہ دونوں جھوٹے ہیں۔ نسیم

❷ مقدمة مسلم بشرح النووی ۱/ ٦٢ (طحّان)

❸ اصطلاحِ محدثین میں حدیث وضع کرنے والوں کو ''وضّاع'' کے رسوائے زمانہ نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ بندہ عاجز ان نامرادوں کو اپنی خاص اصطلاح ''جعل ساز'' سے ذکر کرے گا۔ امید ہے کہ قارئین حضرات حوصلہ افزائی فرمائیں گے۔ آگے ختم کتاب تک یہی اصطلاح سپردِ قلم کی جائے گی۔ نسیم

❹ اور اس کی تیسری صورت یہ ہے کہ ''جعل ساز'' کسی ضعیف حدیث کے ساتھ کوئی قوی سند لگا دے۔ اس صورت میں اس کی نسبت تو جھوٹی نہیں ہوتی البتہ قوی سند لگا کر اس کا رتبہ بڑھانے کی سعی نامشکور میں کذب و افتراء کا پہلو ہوتا ہے اور حدیث کی اس قسم کو بھی موضوع اس لیے کہا گیا ہے کہ ''موضوع'' کی حقیقت صرف ''خالص جھوٹ'' ہی نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات ''امر واقعی'' کے ساتھ بھی وضع کا معاملہ کر لیا جاتا ہے۔ بہر حال ''موضوع حدیث'' کی یہ تیسری قسم شر کے اعتبار سے سب سے کم مرتبہ کی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۵۵ مع الحاشیه رقم ۱ بتصرف و زيادة) نسیم

وغریب فضائل) وضع کیے ہیں۔ ❶

ب:...... یا ''جعل ساز'' کوئی ایسی بات کرے جو بمنزلہ اقرار کے ہو: مثلاً وہ ایک شیخ سے حدیث بیان کر رہا ہو مگر جب ان اس سے مذکورہ شیخ کی تاریخ ولادت کے بارے میں پوچھا جائے تو (اپنی رسوائی اور جگ ہنسائی کا سبب خود پیدا کرتے ہوئے) اس کی تاریخِ ولادت وہ بتلائے کہ اس سے پہلے وہ شیخ اس دارِ فانی کو الوداع بھی کہہ چکا ہو (اور یہیں سے اس کا جھوٹ پکڑا جائے کہ کیا کوئی شخص اپنی وفات کے بعد بھی پیدا ہوا کرتا ہے) اور (دوسرا المیہ یہ ہو کہ) وہ حدیث بھی صرف اسی شیخ سے معروف ہو (تو اب اس حدیث کا موضوع ہونا اور بھی زیادہ پکا ہو گیا)۔

ج:...... یا خود راوی میں (جعل سازی کا) کوئی قرینہ ہو: مثلاً راوی رافضی ہو اور (اس کی روایت کردہ) حدیث کا تعلق فضائل اہلِ بیت سے ہو۔ ❷

د:...... یا خود روایت میں (اس کے موضوع اور جعلی ہونے کا) کوئی قرینہ ہو: (یاد رہے کہ ''جعل سازی'' پہچاننے کے اس طریق کا تعلق تائیدِ الٰہی، نورِ بصیرت و فراست، خداداد ذہانت و ذکاوت، ذوقِ سلیم، لسانِ نبوت کی نزاکتوں، لطافتوں، خوبیوں، باریکیوں اور گہرائیوں سے گہری واقفیت، عقلِ رساء، عالمانہ، محدثانہ، فقیہانہ اور مجتہدانہ کامل استعداد اور وفورِ علم سے ہے، یہ ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ بہرحال خود روایت میں اس کے جعلی ہونے کا قرینہ ہو) مثلاً (مذکورہ) حدیث کے الفاظ بڑے بودے، کمزور، پھُسپھسے اور گھٹیا ہوں ❸ (جو عامیانہ فصاحت و بلاغت کے معیار سے بھی گرے ہوں چہ جائیکہ ختمی المرتبت، صاحبِ جوامع الکلم و سبعِ مثانی ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کی بلندیوں کی ہم سری کریں اور منصبِ نبوت کے شایانِ شان ہوں) یا وہ الفاظ حسن و شعور کے مخالف ہوں یا قرآنِ کریم کے (قطعی مضامین کے) صریح خلاف ہوں۔ ❹

❶ فضائل وضع کرنے میں ہمارے اس دور کی ایک ''خانہ بدوش'' مبلغ جماعت نے سب کو شکست فاش دے کر تاریخ کی بساط کو الٹ کر رکھ دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس ''کارِ بد'' میں گزشتہ یا آئندہ زمانہ میں کوئی بھی اس عجوبہ روزگار جماعت کے قدموں کی خاک تک نہیں۔ نسیم

❷ کہ اب خود راوی کا تعلق بھی ایک خاص عقیدہ و مذہب سے ہے، جس میں بعض صورتوں میں ''دروغ گوئی'' کائنات کی سب سے بڑی نیکی ہوتی ہے۔ جسے رافضی ''تقیہ'' کے مکروہ ترین نام سے یاد کرتے ہیں اور مذکورہ حدیث بھی ان کے مذہب وعقیدہ کی ترجمان ہے۔ تو اب اس حدیث کے ''جعلی'' ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا۔ (از علوم الحدیث ص ١٥٧ بزيادة كثيرة) نسیم

❸ بقولِ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ: محض الفاظ کی رکاکت حدیث کے جعلی ہونے کا قرینہ نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ روایت بالمعنی میں الفاظ بدل ہی جاتے ہیں اور ان کا معروف معیار باقی نہیں رہتا البتہ صرفی نحوی غلطیاں اس کے تحت ضرور داخل ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ١٥٧) نسیم

❹ اسی طرح حدیث کا وہ مضمون بھی اس حکم کے تحت داخل ہے جو سنتِ متواترہ، اجماعِ قطعی اور مشہور تاریخی واقعات کی مخالفت پر مشتمل ہو اور اس کی کوئی مناسب توجیہ اور تاویل نہ ہو سکے۔ (الاسعدی)

ان کے علاوہ درج ذیل امور سے بھی حدیث کے جعلی ہونے کو معلوم کیا جا سکتا ہے:

(۱) امرِ منقول ایسا ہو کہ حالات و قرائن کے تقاضا سے پوری جماعت کو اس کا ناقل ہونا چاہیے۔ (۲) یا وہ دین کی ایک اصل ہو اور اسے نقل کرنے والے حدِ تواتر سے کم ہوں یا صرف ایک آدمی ہو۔ (۳) کسی معمولی چیز پر وعیدِ شدید کی دھمکی یا اجرِ عظیم کا وعدہ ہو۔

یاد رہے کہ بعض قرائن ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی بنا پر ایک متواتر منقول امر پر بھی وضع کا حکم لگ جاتا ہے۔

(علوم الحدیث، ص: ١٥٦۔١٥٧ بتصرفٍ وزيادةٍ) نسیم

۶۔ ''جعل سازی'' کے اسباب ومحرکات اور ''جعل سازوں'' کی اقسام:

حدیث گھڑنے کے متعدد اسباب ہیں جنھوں نے ان جعل سازوں کو اس نامشکور کام پر ابھارا۔ ہم ان میں سے چند اہم اور نمایاں اسباب کو ذیل میں ذکر کرتے ہیں:

۱۔ تقرب الی اللہ ❶:...... (یعنی رب تعالیٰ کی خوش نودی اور قرب چاہنے کے لیے حدیثیں گھڑنا) اور اس کی صورت یہ ہے کہ لوگوں کو نیکیوں پر آمادہ کرنے کے لیے اور منکرات کے ارتکاب سے ڈرانے کے لیے حدیثیں گھڑی جائیں۔ یہ ''جعل سازوں'' کی وہ جماعت ہے جو زھد وتقویٰ اور (درویشی، فقیری اور) نیکی کی طرف منسوب ہے مگر (درحقیقت) یہ بدترین ''جعل ساز'' ہیں کیوں کہ لوگ (ان کی بزرگی، درویشی، دنیا سے بے رغبتی، زھد و عبادت اور نیکی دیکھتے ہوئے) ان پر اعتبار کر کے ان کی موضوع احادیث کو قبول کر لیتے ہیں۔ ❷

انھی بدترین جعل سازوں میں سے ایک میسرہ بن عبدربہ بھی ہے جس کی بابت امام ابن حبان رحمہ اللہ ''کتاب الضعفاء'' میں ابن مہدی سے روایت کرتے ہیں کہ ابن مہدی کہتے ہیں، ''میں نے میسرہ سے پوچھا، ''تم یہ حدیثیں کہاں سے لائے ہو کہ جس نے فلاں فلاں سورت پڑھی اس کو اتنا اتنا اجر ملے گا (وغیرہ وغیرہ)؟ تو اس نے (بڑی بے باکی سے جواب دیتے ہوئے) کہا ''میں نے یہ حدیثیں (کہیں سے سنی نہیں بلکہ خود) گھڑی ہیں تا کہ لوگوں کو (قرآن کی کثرت کے ساتھ تلاوت کرنے پر) ابھاروں۔'' ❸

۲۔ مذہب کی (بے جا حمایت و) تائید: ❹

خاص طور پر سیاسی فرقوں کے مذاہب کی تائید (کے لیے احادیث گھڑنا) اور ایسا اس وقت ہوا جب فتنوں نے سر اٹھایا اور کئی سیاسی فرقے پیدا ہو گئے۔ جیسے خوارج اور شیعہ وغیرہ۔ چناں چہ ان میں سے ہر ایک فرقہ نے اپنے مذہب (کے نظریہ) کی نصرت وحمایت کے لیے حدیثیں گھڑیں جیسے رافضیوں کی یہ حدیث:

''عَلِيٌّ خَيْرُ الْبَشَرِ ، مَنْ شَكَّ فِيْهِ كَفَرَ''

''حضرت علی رضی اللہ عنہ سب سے بہتر انسان ہیں جو اس میں شک کرے وہ کافر ہے۔''

۳۔ اسلام پر طعنہ زنی ❺ (کرنے کے لیے حدیثیں گھڑنا):

یہ ''جعل سازوں'' کا وہ ''زندیق'' ٹولہ ہے جو کھلے بندوں تو اسلام کے خلاف مکر وفریب کے جال نہ بُن سکا البتہ

❶ بعض علماء نے اسے ''غلبۂ جہل'' سے بھی تعبیر کیا ہے۔ (علوم الحدیث ص ۱۵۸) نسیم

❷ اس اندھے اعتماد اور بھروسہ کی بدترین شکل وہ ہوتی ہے جب ان نام نہاد بزرگوں کے متبعین قرآن وحدیث کے صریح مضامین سامنے آ جانے پر بھی ایک نہایت پتھریلی اور تاریک آواز کے ساتھ یہ کہتے سنے جاتے ہیں ''ہمیں تو ہمارے بزرگوں۔ نے یوں ہی کہا ہے ہم تو اسی کو مانیں گے۔'' نسیم

❸ تدریب الراوی ۱/ ۲۸۳ (طحان)

❹ اسے ''زیادتِ تعصب'' کا بھی عنوان دیا گیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۰۹...... نسیم)

❺ اسے ''بے دینی'' کا نام بھی دیا گیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۵۹) نسیم

اہم مقصد کے حصول کے لیے ان نامرادوں نے یہ خبیث اور کمینہ راستہ اختیار کیا۔ چناں چہ ان لوگوں نے اسلام پر طعن دراز کرنے (اسلام کے خلاف دامِ ہم رنگِ زمین بچھانے، سینوں میں اسلام کے خلاف حسد اور نفرت کی آگ بھڑکانے) اور اسلام کے صاف اور روشن چہرہ کو بدنما اور داغ دار بنانے (اور درپردہ بغض وعداوت کی سرانڈ نکالنے کے لیے) بے شمار احادیث گھڑیں۔ انھی بے دین زندیقوں میں ایک نمایاں نام ''محمد بن سعید شامی'' کا بھی ہے، جس پر زندیقیت کی یہی فردِ جرم عائد کرتے ہوئے اسے پھانسی کے پھندے پر جھلا دیا گیا تھا۔ اِسی (بدبخت) نے (مدعیانِ نبوت کے دجالوں کو دائرہ اسلام میں قدم رکھنے کی راہ ہموار کرنے کے لیے) حمید کے واسطے سے حضرتِ انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث نقل کی ہے (جسے پڑھ کر غلام احمد قادیانی نے بھی کورچشمی کے ساتھ بے سوچے سمجھے نبوت کا دعویٰ کر کے خود کو نذرِ آتشِ جہنم کر دیا) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ اِلَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ.'' ❶

''میں سب نبیوں پر مہر لگانے والا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا مگر اللہ چاہے تو۔''

(مگر علماء نے اسلام کی پیٹھ میں پیوست کیے جانے والے اس خنجر اور توحید و رسالت کی مضبوط دیوار میں لگائی جانے والی اس نقب کا سخت ترین محاسبہ کیا اور بالآخر اس فتنہ کو پیوندِ خاک کر کے چھوڑا) چناں چہ نقاد محدثین نے احادیث کے ان کھوٹے سکوں کو سب پر آشکارا کر دیا۔ ''سب تعریفیں اسی اللہ کی ہیں، اسی کا سارا احسان ہے!

۴۔ امراء وسلاطین کا تقرب (اور ان کی چاپلوسی اور خوشامد پرستی):

یعنی بعض کمزور ایمان لوگوں نے حکام وقت کی بے دینیوں اور مذہبی انحرافات کے مناسب (دوسرے لفظوں میں ان کے غیر شرعی رجحانات اور ناجائز کاموں کو سندِ جواز فراہم کرنے کے لیے) احادیث گھڑیں۔ اس کی نہایت دلچسپ مثال امیر المومنین (عباسی خلیفہ) مہدی اور غیاث بن ابراہیم نخعی کوفی کا قصہ ہے۔

ہوا یوں کہ ایک دفعہ غیاث امیر المؤمنین مہدی سے ملنے گیا۔ اتفاق سے اس وقت خلیفہ صاحب کبوتر بازی میں مشغول تھے۔ (موقع کو غنیمت جانتے ہوئے کہ یہی وقت خلیفہ کی خوش نودی حاصل کرنے کا ہے) غیاث نے فوراً ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک سندِ متصل کے ساتھ ایک حدیث گھڑ کے سنا دی کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''لَا سَبَقَ اِلَّا فِيْ نَصْلٍ، اَوْ خُفٍّ اَوْ حَافِرٍ اَوْ جَنَاحٍ.''

''شرط لگانا (جائز) نہیں مگر صرف تیراندازی میں یا اونٹ یا گھوڑے دوڑانے میں یا کبوتر بازی میں۔''

اس حدیث میں غیاث نے خلیفہ کی (چاپلوسی) کے لیے ''اَوْ جَنَاحٍ'' کے الفاظ بڑھا دیئے مگر خلیفہ (چوں کہ خود بھی صاحبِ علم تھا اور علماء کی مجالس میں بھی بیٹھتا تھا اس لیے اس) نے بھی اس کا ارادہ بھانپ لیا اور ان کبوتروں کو ذبح کرنے کا حکم دیا اور (اپنے اس عمل کی وضاحت کرتے ہوئے) کہنے لگا: ''میں نے ہی غیاث کو اس (فعلِ بد) پر ابھارا۔''

❶ تدریب الراوی ۱/ ۲۸۴ (طحّان)

(کہ نہ میں کبوتروں میں لگا ہوتا اور نہ یہ میری خوش نودی کے لیے مجھے حدیث گھڑ کے سناتا)۔

اور ساتھ ہی اس خوشامد پرست ''جعل ساز'' کو (محل سرا سے) نکلوادیا اور اس کے ساتھ اس کی نیچ خواہشات کے بالعکس معاملہ کیا۔ (کہ آیا تو تھا وہ خلیفہ کا مقرب بننے مگر دھکے دَے کر نکلوا دیا گیا)۔

۵۔طلب معاش اور شکم بندگی (پیٹ پوجا):

(یہ پہلوں سے کم درجے کے جعل سازوں کا ٹولہ ہے جن کی ہمت، حوصلہ اور ارادوں کی عظمت بس پیٹ تک محدود ہوتی ہے) جیسے وہ قصہ گو لوگ جو لوگوں کو ایران طوران اور واہی تباہی کے قصے سنا سنا کر روئی کماتے ہیں۔ چناں چہ یہ لوگوں کو ان کا جی بہلانے کے لیے انوکھے قصے سناتے ہیں۔ تاکہ لوگ انھیں سن کر (خوش ہوں اور) ان کو چار پیسے دے دیں۔ اس میدان میں ابوسعید مدائنی نے بڑی شہرت پائی ہے۔

۶۔شہرت اور نام کی حرص و آرزو:

اس گھٹیا جذبہ کو آبرومند کرنے کے لیے ''جعل ساز'' یہ کرتا ہے کہ وہ ایسی اجنبی احادیث بیان کرتا ہے جو کسی شیخ کے پاس نہ ہوں (اور یوں لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگتا ہے کہ فلاں ایسی احادیث جانتا ہے جو کسی سے سنی نہیں گئیں) چناں چہ ایسے لوگ حدیث کی سند کو بدل دیتے ہیں تاکہ لوگ (ایسی حدیث کو سن کر) حیرت زدہ رہ جائیں اور لوگ (اس جعل ساز سے) ان کے سننے کو لپکیں۔ اس باب میں ابودحیہ اور حماد نصیبی کا نام خاص طور پر لیا جاتا ہے۔ [1]

۷۔احادیث گھڑنے (کے جواز اور عدم جواز) کی بابت فرقہ کرامیہ [2] کے مذاہب:

کرامیہ نامی ایک بدعتی فرقہ صرف ترغیب و ترھیب کے لیے احادیث گھڑنے کے جواز کا قائل ہے اور اس باب میں ان لوگوں کی دلیل یہ حدیث ہے، ''مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا'' (جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا) جس کے بعض طریق میں ''لِيُضِلَّ النَّاسَ'' کے کلمات کا اضافہ ہے (یعنی جہنم میں ٹھکانا اس شخص کا بنے گا جو لوگوں کو بے راہ کرنے کی لیے جنابِ رسالت مآب ﷺ پر قصداً جھوٹ بولے گا تاکہ انھیں راہِ راست پر لانے کے لیے۔ اور یہی کرّامیہ کا مذہب ہے کہ وہ لوگوں کو دین پر لانے اور گناہوں کے راستہ پر چلنے سے بچانے کے لیے احادیث گھڑنے کے جواز کے قائل تھے اور اس کی دلیل میں وہ یہ اضافی جملہ پیش کرتے ہیں جو اس حدیث کے بعض طرق میں آیا ہے) مگر محدثین، محققین اور حفاظِ حدیث کے نزدیک یہ اضافہ ثابت نہیں۔

اور بعض (نامراد) یہ کہتے ہیں، ''ہم نبی کریم ﷺ کی نصرت و حمایت میں جھوٹ بولتے ہیں ناکہ آپ ﷺ کی مخالفت میں۔'' مگر یہ پرلے درجہ کا گھٹیا قول ہے کیوں کہ جنابِ رسالت مآب ختمی المرتبت ﷺ کی شریعت بیضاء

---

[1] تدریب الراوی ۱/ ۲۸۶ (طحّان)

[2] کرامیہ یہ ایک بدعتی فرقہ ہے۔ جو محمد بن کرّام (متوفی ۸۶۹ھ) کی طرف منسوب ہے۔ (المنجد العربی فی الاعلام ص۴۵۹ کالم نمبر ۱) نسیم

چہار دانگ عالم میں اپنا نور پھیلانے کے لیے ان جھوٹوں اور دجالوں کی محتاج نہیں۔ یقیناً یہ گمان فاسد اہل اسلام کے اجماع کے خلاف ہے ❶ اور امام الحرمین شیخ ابو محمد جوینی تو اس باب میں اسقدر مبالغہ فرمایا کرتے تھے کہ وہ ان جعل سازوں کو بالیقین کافر کہتے تھے۔ ❷

۸۔ بعض مفسرین کا غلطی سے اپنی تفاسیر میں موضوع احادیث شامل کرنا:

بعض مفسرین نے اس غلطی کا ارتکاب کیا کہ انھوں نے بعض موضوع احادیث کو ان کے وضع پر صراحت کیے بغیر، اپنی تفاسیر میں شامل کرلیا خصوصاً، وہ احادیث جو قرآنِ کریم کی ہر ہر سورت کے فضائل کی بابت حضرتِ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہیں۔ ایسے متساہل مفسرین میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

(۱) ثعلبی (۲) واحدی

(۳) زمخشری (۴) بیضاوی

(۵) اور شوکانی ❸

۹۔ موضوع احادیث پر مشہور تالیفات:

الف:...... "کتاب الموضوعات" یہ عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ متوفی ۵۶۰ھ کی یادگار تصنیف ہے اور اس فن میں قدیم ترین کتاب ہے (جس کو مصدرِ اوّل کہنا بے جا نہ ہوگا) البتہ ابن جوزی رحمہ اللہ بعض احادیث پر وضع کا حکم لگانے

❶ کرامیہ کے ہی قریب قریب آج بھی ایک مذہبی فرقہ پایا جاتا ہے کہ جب ان کے باطل عقائد کی تردید میں قرآن وحدیث کے قطعی دلائل پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اپنی تائید میں یہ سخیف اور بودی دلیل پیش کرتے ہیں، "آپ یہ دیکھیں کہ اللہ ان لوگوں سے کام کتنا لے رہا ہے اور انھوں نے زمین کے چپے چپے پر پھر کر دین پھیلانے کے لیے کتنی محنت کی ہے" "اعاذنا الله من سوء الفهم وسفساف الامور وان الله غنيٌّ عن العالمين"۔ نسیم

❷ اور امام الحرمین کے نزدیک یہ جرم اس قدر گھناؤنا ہے کہ اگر کسی سے ایک مرتبہ اس فعلِ شنیع کا ارتکاب ثابت ہو جائے تو تمام عمر اس کی روایت مردود ہوگی اور تو اور توبہ بھی کرلے تب بھی اس کے حق میں یہی حکم ہے۔ (علوم الحديث، ص: ۱۵٦ بتصرفٍ وزيادة بحواله مقدمة عبدالحق دهلوی) علامہ اسعدی نے اس مقام پر وضع احادیث کے چند اور اسباب ومحرکات بھی لکھے ہیں مثلاً (۱) اصحاب افتاء کا اپنی فتاویٰ کی تائید میں احادیث گھڑنا جیسے ابو الخطاب ابن دحیہ کرتا تھا۔ (۲) بعض لوگوں کے مسودات میں ان شاگردوں، زیر کفالت افراد یا اولاد کا موضوع احادیث کو شامل کردینا اور ان کا ان احادیث کو صحیح سمجھ کر روایت کردینا۔ جیسے حماد بن سلمہ کے ساتھ ہوا۔ (۳) اور کبھی کسی حاجت نے خواہ دینی تھی یا دنیاوی اس فعلِ مکروہ پر ابھارا۔ (علوم الحديث مخلصاً ص ۱٦۰۔۱٦۱) نسیم

❸ لیکن اس تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ قرآن کی بابت مروی جملہ فضائل ہی موضوع ہیں، صحیح نہیں بلکہ فضائلِ سوَر کا ایک بہت بڑا حصہ صحیح احادیث پر مبنی ہے۔ اس کے لیے کسی امامِ فن اور نقاد محدث ومفسر کی تحقیق وتصریح کی حاجت ہے۔ اور اس کی رہنمائی کے لیے سب سے معتمد ومعتبر مأخذ امام ابن کثیر کی شہرۂ آفاق تالیف "تفسير القرآن العظيم" ہے۔ یاد رہے کہ وضع احادیث کا تعلق صرف تفسیر سے ہی نہیں بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اس کا تعلق اقوام وافراد کی منقبت ومذمت، انبیاء سابقین کے قصوں، بنی اسرائیل کے احوال، کھانے پینے کی چیزوں جانوروں، جھاڑ پھونک، دعا اور نوافل کے اجر وثواب سے ہے۔ (علوم الحديث، ص: ۱٦۱ ملخصاً) نسیم

میں متساہل ہیں۔ اسی لیے متاخرین علماء نے ان پر (اور ان کی کتاب پر سخت) تنقید کی ہے اور ان کی فروگزاشتوں کا تعاقب کیا ہے۔

ب:...... اللآلی المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة: یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ جیسی قد آور شخصیت کا علمی شاہکار ہے۔ جو دراصل علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی کتاب کا اختصار ہے۔ اس میں علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ کی فرو گزاشتوں کا تعاقب (ان کے تساہلات پر تنقید) اور ان احادیث کا اضافہ ہے جو علامہ سے ذکر ہونے سے رہ گئی تھیں۔ (گویا کہ یہ کتاب اضافہ واختصار اور تنقید وتعقیب کا حسین مجموعہ ہے)۔

ج:...... تنزیه الشریعة المرفوعة عن الاحادیث الشنیعة الموضوعة: یہ ابن عراق کنانی متوفی ۹۶۳ھ کی تالیف ہے جو مذکورہ بالا دونوں کتابوں کی تلخیص ہے۔ یقیناً (اپنی حسن وخوبی کے اعتبار سے) یہ ایک جامع مرتب اور مفید کتاب ہے۔

(۲) حدیث متروک ❶

جب راوی میں طعن کا سبب "جھوٹ کی تہمت" ہو تو ایسی حدیث کو (اصطلاحِ محدثین میں) "متروک" کہتے ہیں اور یہ راوی میں طعن کا دوسرا سبب ہے (جس کا تعلق راوی کی عدالت یعنی اسباب طعن کی پہلی قسم سے ہے)۔

ا۔ متروک حدیث کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ "متروك" "التَّرْك" مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے (جس کا لغوی معنی ہے چھوڑا ہوا)۔ اور جب بچہ انڈے سے نکل آتا ہے تو عرب اس (انڈے کے خالی رہ جانے والے خول) کو "اَلتَّـرِيْـكَةُ" بمعنی "متروكه" (یعنی چھوڑا ہوا) کہتے ہیں، جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ❷

ب:...... اصطلاحی تعریف: (اصطلاحِ محدثین میں) یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد میں کوئی راوی ایسا ہو جس پر دروغ گوئی کی تہمت ہو۔ ❸

۲۔ راوی پر کذب بیانی کی تہمت کے اسباب (یعنی راوی کے "متهم بالكذب" ہونے کے اسباب):

راوی کے متہم بالکذب ہونے کے اسباب دو میں سے ایک ہیں، جو یہ ہیں:

ا۔ مذکورہ حدیث صرف اس راوی سے ہی مروی ہو اور وہ (قرآن وحدیث سے مستنبط) معلوم قواعد وضوابط کے

---

❶ حدیث کی اس نوع کو سب سے پہلے علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے "نخبۃ الفکر" میں ذکر کیا ہے۔ جب کہ اس سے پہلے علامہ ابن صلاح اور علامہ نووی رحمہ اللہ نے (اپنی اپنی کتب میں حدیث کی) اس (قسم) کو ذکر نہیں کیا۔ (طحان)

❷ دیکھیں "القاموس المحیط لفیروزآبادی" ۳/ ۳۰۶" (طحان)

❸ "نخبة الفكر و شرحها نزهة النظر ص۴۷" (طحان)

خلاف ہو۔ ❶

۲۔ دوسرا یہ کہ وہ راوی اپنی روزمرہ کی گفتگو میں تو جھوٹ بولنے کی بابت مشہور ہو مگر اس سے کسی حدیث میں جھوٹ بولنا ثابت نہ ہو۔ ❷

۳۔ حدیث متروک کی مثال:

اس کی مثال "عمرو بن شَمِر جُعفی کوفی" کی یہ حدیث ہے:

"عن جابر، عن ابی الطفیل عن عليّ وعمّار قالا، "كَانَ النَّبِیُّ يَقْنُتُ فِي الْفَجْرِ وَيُكَبِّرُ يَوْمَ عَرَفَةَ مِنْ صَلٰوةِ الْغَدَاةِ وَيَقْطَعُ صَلٰوةُ الْعَصْرِ اٰخِرَ اَيَّامِ التَّشْرِيْقِ."

"عمرو کوفی، جابرؒ سے، وہ ابوطفیل سے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں: یہ دونوں صحابی فرماتے ہیں کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر میں قنوت پڑھا کرتے تھے اور عرفہ کے دن فجر کی نماز سے ہی تکبیر پڑھتے تھے اور ایام تشریق کے آخری دن عصر کی نماز میں تکبیر کہنا ختم کر دیتے تھے۔"

(اس حدیث کی اسناد میں) عمرو بن شَمِر کوفی (ہے، اس) کے بارے میں امام نسائی، دارِ قطنی اور دوسرے (معتمد اور محقق) محدثین یہ کہتے ہیں کہ (عمرو بن شمر) "متروك الحديث" ہے۔ ❸

۴۔ حدیثِ متروک کا مرتبہ:

گزشتہ میں بیان کیا جاچکا ہے کہ ضعیف حدیث کی بدترین قسم "موضوع" ہے اور اس کے بعد متروک کا درجہ ہے، پھر مُنْکَر ہے، پھر مُعَلَّل، پھر مُدرَج، پھر مَقْلُوْب اور پھر مُضْطَرِب ہے۔ ان احادیث میں یہ درجہ بندی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کی ہے۔ ❹

---

❶ "قواعد معلومہ" سے مراد وہ قواعدِ عامہ ہیں جن کو حضرات علماء نے عام نصوصِ صحیحہ کے مجموعہ سے مستنبط کیا ہو جیسے یہ مشہور قاعدہ "الاصل براءة الذمة" (یعنی معاملات میں اصل کسی شخص کا کسی ذمہ سے بری ہونا ہے) (طحان) اسی طرح یہ مشہور قاعدہ "الغرم بالغنم" یعنی "چٹی بھی وہی بھرے گا جو فائدہ اٹھائے گا" وغیرہ۔ نسیم

❷ لیکن اگر ایسا راوی اپنی روزمرہ گفتگو میں جھوٹ نہیں بولتا تو اس کی حدیث مقبول ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۶۳) نسیم

❸ میزان الاعتدال ۳/ ۲۶۸ (طحان) اور "متروک الحدیث" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی حدیث جھوٹ کی تہمت کی بنا پر غیر مقبول ہے (علوم الحدیث، ص: ۱۶۳-۱۶٤) نسیم

❹ دیکھیں تدریب الراوی ۱/ ۲۹۵، نخبة وشرحها ص٤٦ ومابعدها (طحان)

مولف موصوف نے حدیثِ متروک کا حکم نہیں بیان کیا، اس حدیث کا حکم یہ ہے کہ اگر راوی اپنی اس حرکت سے توبہ کر لے تو اس کی جو روایات قواعد معلومہ عامہ مستنبطہ کے خلاف نہ ہوں وہ مقبول ہوں گی۔ (علوم الحدیث، ص: ۱٦٤ ملخصاً وزيادة) بحوالہ مقدمہ عبدالحق دھلوی) نسیم

۳...... حدیث منکر

جب راوی میں طعن کا سبب زبانی غلطی کی شدت، یا غفلت کی کثرت یا فسق (و کبائر کا ارتکاب) ہو تو ایسی حدیث کو ''منکر'' کہتے ہیں اور یہ راوی میں طعن کا تیسرا، چوتھا اور پانچواں سبب ہے۔ ❶

ا۔ مُنکَر کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: (لفظِ مُنکَر) یہ ''انــکـار'' مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس کا لغوی معنیٰ ''اقرار کی ضد'' ہے۔ (یعنی وہ حدیث جس کا انکار کیا گیا ہو)

ب:......اصطلاحی تعریف: علماء محدثین نے اس کی متعدد تعریفات بیان کی ہیں جن میں سے دو زیادہ مشہور ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ یہ وہ حدیث ہے جس کی اِسناد میں ایک راوی ایسا ہو جو کثرت کے ساتھ زبانی غلطیاں کرتا ہو یا بہت زیادہ غفلت کا شکار رہتا ہو یا اس کا فاسق ہونا عالم آشکارا ہو گیا ہو۔ ❷

یہ تعریف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کی ہے مگر اس کو دوسرے کی طرف منسوب کیا ہے ❸ اور اسی تعریف کو علامہ عمر بن محمد بیقونی رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۸۰ھ) نے اپنے منظوم رسالہ ''الـمـنظومة البيقونية'' میں اختیار کیا ہے، چناں چہ وہ کہتے ہیں:

وَمُـنْـكَـرٌ اِنْـفَـرَدَ بِـهِ رَاوٍ غَـدَا
تَـعْـدِيْـلُـهٗ لَا يَـحْـمِـلُ التَّـفَـرُّدَا

اور ''مُنْکَر'' وہ حدیث ہے جس کو روایت کرنے والا ایک راوی ہو اور وہ ایسا ایک راوی کہ اس کی تعدیل اس کے تفرد کا تحمل نہ کر سکے (یعنی اس راوی کی عدالت ایسی ہو کہ اس کے تفرد کو احادیث میں قبول نہ کیا جاتا ہو دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس حدیث کا راوی اعتماد اور اعتبار میں اس درجہ کا نہ ہو جس کے تفرد کو قبول کیا جا سکے)۔

۲۔ منکَر وہ حدیث ہے جس کو ایک ضعیف راوی اس حدیث کے خلاف روایت کرے جسے ایک ثقہ راوی روایت

❶ چوں کہ ان تینوں اسبابِ طعن پر مشتمل احادیث کا ایک ہی نام ہے اور وہ ہے ''منکر'' اس لیے ان تینوں اسباب کو گزشتہ متن میں مذکورہ اسباب کی ترتیب سے ہٹ کر تفصیل بیان ہوتے وقت تشکیل پانے والی ترتیب کے تحت تیسرا چوتھا اور پانچواں سبب کہہ دیا۔ وگرنہ ''فسق'' اسبابِ طعن متعلق بعدالت میں سے تیسرا، فحش غلطی متعلق بہ ضبط میں سے پہلا اور غفلت کی کثرت متعلق بعدالت میں تیسرا سبب ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

❷ یہ تعریف ہی مذکورہ مبحث اور اسبابِ طعن کے زیادہ مناسب ہے۔ جب کہ دوسری تعریف جو اوپر متن میں آ رہی ہے، کا بظاہر زیادہ تعلق طعن کے ساتویں سبب ''مخالفت ثقات'' سے ہے جیسا کہ آگے آ جائے گا۔ (علوم الحديث، ص: ١٦٥ ملخصاً) نسیم

❸ دیکھیں ''الـنـخبة وشرحها ص ٤٧ (طحان) یعنی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے متنِ نخبۃ میں یہ تعریف ذکر کر کے شرح میں اس کی نسبت اوروں کی طرف کر دی ہے۔ (علوم الحديث، ص: ١٦٦) نسیم

کرے۔“ ❶

یہ ہے وہ تعریف جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور اس پر اعتماد کیا ہے (اور اس تعریف کو پسند کیا ہے) کیوں کہ اس تعریف میں ایک قید پہلی تعریف سے زیادہ ہے اور وہ ہے ”ضعیف راوی کا ثقہ راویوں کی روایت کی مخالفت کرنا۔“

۲۔ حدیث منکر اور شاذ کے درمیان فرق:

(محدثین نے ان دونوں قسموں میں درج ذیل فرق بتلایا ہے)

الف:...... شاذ وہ حدیث ہے جس کو مقبول راوی ❷ اس حدیث کے خلاف روایت کرے جو درجہ میں اس سے اعلیٰ ہو۔

ب:...... جب کہ منکر وہ حدیث ہے جس کو ضعیف راوی اس حدیث کے خلاف روایت کرے جس کے راوی ثقہ ہوں۔

بیان کردہ مذکورہ فرق سے یہ معلوم ہوا کہ حدیث کی یہ دونوں اقسام مخالفتِ ثقات کی شرط میں تو باہم مشترک ہیں البتہ اس امر میں دونوں قسمیں الگ الگ ہو جاتی ہیں کہ ”شاذ“ کا راوی مقبول ہوتا ہے جب کہ ”منکر“ کا راوی ضعیف ہوتا ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ ”جو شخص ان دونوں قسموں کو ایک کہتا ہے اس نے غفلت کا ثبوت دیا ہے۔“ ❸

۳۔ پہلی تعریف کے مطابق حدیث مُنکر کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث جو نسائی اور ابن ماجہ نے ابوزکیر یحییٰ بن محمد بن قیس سے روایت کی ہے جو یہ ہے:

”عن هشام بن عروة، عن ابيه، عن عائشة مرفوعاً: ”كُلُوْا الْبَلَحَ بِالتَّمْرِ فَإِنَّ ابْنَ آدَمَ اِذَا اَكَلَهُ غَضِبَ الشَّيْطَانُ“ ❹

”ابوزکیر ہشام بن عروہ سے، وہ اپنے والد (عروہ) سے اور وہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”کچی کھجوروں کو پکی کھجوروں کے ساتھ (ملا کر) کھایا کرو کہ

---

❶ دیکھیں النخبة و شرحها ص ۳۷ (طحّان)

❷ یہاں مقبول سے مراد وہ راوی ہے جو راوی ءِ صحیح اور راویِٔ حسن دونوں کو شامل ہے۔ یعنی ایسا راوی جو عادل ہو اور اس کا ضبط تام ہو (یہ راوی ءِ صحیح ہے) اور ایسا راوی جو عادل ہو اور اس کا ضبط کمزور ہو (یہ راویِٔ حسن ہے) (طحّان)

❸ دیکھیں ”النخبة و شرحها ص ۳۷“ حافظ رحمہ اللہ نے اس قول میں ابن صلاح کی طرف اشارہ کیا ہے جنھوں نے اپنی تالیف ”علوم الحدیث ص ۸۰“ میں ان دونوں قسموں کو ایک قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ، ”حدیثِ منکر دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے جیسا کہ ہم نے حدیث شاذ (کی تعریف) میں بیان کیا ہے کہ ”شاذ“ منکر کے معنی میں ہے۔ (طحّان)

❹ رواہ ابن ماجہ / کتاب الاطعمة باب اكل البلح بالتمر ۲/ ۱۱۰۵ حديث رقم ۳۳۳۰ (طحّان)

ابن آدم جب ''کچی پکی'' کھجور کو (ملا کر) کھاتا ہے تو شیطان غصہ سے بھڑک اٹھتا ہے۔''

(یہ حدیث روایت کرنے کے بعد) امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ''یہ حدیث منکر ہے کیوں کہ ابوزکیر اس کی روایت میں متفرد ہیں اور ابوزکیر نیکوکار بزرگ ہیں، اگرچہ امام مسلم رحمہ اللہ نے متابعات میں ان کی روایات تخریج کی ہیں مگر (اس کے باوجود) یہ اس درجہ کے نہیں جن کے تفرد کو قبول کر لیا جائے۔'' ❶

ب:...... دوسری تعریف کے اعتبار سے حدیث منکر کی مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جو ابن ابی حاتم نے حبیب بن حبیب زیّات سے روایت کی ہے جو یہ ہے:

'' عن ابی اسحاق، عن العیزار بن حریث، عن ابن عباس، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: "مَنْ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکَاۃَ وَحَجَّ الْبَیْتَ وَصَامَ وَقَرَی الضَّیْفَ دَخَلَ الْجَنَّۃَ "

''حبیب زیّات'' ابواسحاق سے، وہ عیزار بن حریث سے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو نماز ادا کرے اور زکوٰۃ دیتا رہے اور بیت اللہ کا حج کرے اور روزے رکھتا رہے اور مہمانوں کی مہمان نوازی کرے وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

(اس روایت کی اسناد پر کلام کرتے ہوئے) ابوحاتم کہتے ہیں:

''یہ حدیث منکر'' ہے کیوں کہ اس حدیث کو حبیب کے علاوہ دوسرے ثقہ راویوں نے بھی ابواسحاق سے موقوفاً روایت کیا ہے اور وہ حدیث (اس موقوف اسناد کے ساتھ) ''معروف'' ہے (نا کہ منکر)۔'' ❷

۴۔ حدیث منکر کا رتبہ:

منکر کی دونوں مذکورہ بالا تعریفوں سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حدیث منکر ''بے حد ضعیف'' حدیث کی ایک قسم ہے کیوں کہ حدیث منکر یا تو ایسے ضعیف راوی کی روایت ہوتی ہے جس میں زبانی اغلاط کی کثرت یا غفلت کی کثرت یا فسق جیسے عیوب پائے جاتے ہیں یا پھر یہ ایسے ضعیف راوی کی روایت ہوتی ہے جو اسی حدیث کی روایت میں ثقہ راویوں کی روایت کی مخالفت کر رہا ہوتا ہے۔

❶ بلکہ بعض ائمہ نے تو ان کو ضعیف اور غیر لائق احتجاج قرار دیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۶۵ بحوالہ نزھۃ النظر ص ۴۵ وتدریب الراوی ۱/ ۲۳۹۔۲۴۰) اور پہلی تعریف اور اس کی مثال میں تطبیق یوں ہے کہ مذکورہ روایت کی اسناد میں ابوزکیر ایک ایسا راوی ہے جو اس مرتبہ کا نہیں کہ روایتِ حدیث میں اس کے تفرد کو قبول کیا جا سکے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اس کے تفرد کی تصریح کی ہے۔ اس بنا پر یہ حدیث منکر کہلائے گی کہ اس کی اسناد میں تفردِ روایت کے حق میں ایک نااہل راوی آ گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم

❷ تدریب الراوی ۱/ ۲۴۰ (طحّان)
اور دوسری تعریف کے مطابق مثال کے ساتھ تعریف کی مطابقت یوں ہے کہ اس کی اسناد میں ایک ضعیف راوی ہے جو ثقات کے مخالف روایت کر رہا ہے کہ ثقہ راوی کی حدیث معروف اور موقوف ہے اور ضعیف راوی کی حدیث منکر اور مرفوع ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم

اور منکر کی ان دونوں صورتوں میں بے حد ضعف ہے، اس لیے جیسا کہ ''متروک'' کی بحث میں گزر چکا ہے ''حدیث منکر کا مرتبہ شدتِ ضعف میں'' متروک حدیث کے بعد کا ہے۔

۴......حدیث معروف [1]

ا۔معروف کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ معروف ''عَـرَفَ'' فعل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے (جس کا معنی ہے پہچانا ہوا اور شناخت کیا ہوا)۔

ب:......اصطلاحی تعریف: ''(اصطلاحِ محدثین میں) یہ وہ حدیث ہے جس کو ایک ثقہ راوی اس حدیث کے خلاف روایت کرے جس کو ایک ضعیف راوی نے روایت کیا ہو۔'' [2]

اس معنی کے اعتبار سے ''حدیث معروف'' منکر کے مقابل ہے یا اس کی مزید دقیق تعبیر ان لفظوں کے ساتھ کی جاسکتی ہے کہ ''حدیث معروف'' منکر کی اس تعریف کے بالمقابل ہے جس پر حافظِ ابن حجر رحمہ اللہ نے اعتماد کیا ہے (اور اس کو پسند کیا ہے)۔ [3]

۲۔معروف کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو گزشتہ میں حدیث منکر کی دوسری تعریف کے ضمن میں (مثال نمبر۲ کے تحت) گزر چکی ہے۔ جو یہ ہے:

''مَنْ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَحَجَّ الْبَيْتَ وَصَامَ وَقَرَى الضَّيْفَ دَخَلَ الْجَنَّةَ .''

''جس نے نماز قائم کی، زکوۃ ادا کی، بیت اللہ کا حج کیا، (رمضان کے) روزے رکھے اور مہمانوں کی مہمان نوازی کی وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

لیکن اس مقام پر وہ حدیث لی گئی ہے جو ثقات کے طریق سے ہے جس کو انھوں نے حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کیا ہے۔ یعنی یہاں یہ حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کلام ہے نا کہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اور مذکورہ روایت میں حبیب کی روایت کردہ مرفوع روایت کے بالعکس ہے۔ کیوں کہ ابن ابی حاتم حبیب کی مرفوع روایت ذکر

[1] حدیث معروف کو (عموماً) اس جگہ ذکر نہیں کیا جاتا کیوں کہ یہاں تو حدیثِ مردود کی اقسام کو بیان کیا جارہا ہے۔ البتہ ہم ''حدیث معروف'' کو یہاں اس کی قسم ''منکر'' کی مناسبت سے لے کر آئے ہیں۔ یاد رہے کہ حدیث معروف ''مقبول'' کی اقسام میں سے ہے جو قابلِ احتجاج و استدلال ہوتی ہے جیسا کہ معروف ہے (طحّان)

[2] نخبة الفكر مع شرحها ۳۷ (طحّان)

[3] اس سے منکر کی اس تعریف کی طرف اشارہ ہے جو دراصل منکر کی دوسری تعریف ہے کہ منکر وہ حدیث ہے جس کو ایک ضعیف راوی اس حدیث کے خلاف روایت کرے جس کو ایک ثقہ راوی نے روایت کیا ہو۔ نسیم

کرنے کے بعد یہ کہتے ہیں:

''یہ روایت منکر ہے کیوں کہ اس حدیث کو حبیب کے سوا دوسرے راویوں نے بھی ابو اسحاق سے موقوفاً روایت کیا ہے اور وہ حدیث (اس موقوف اسناد کے ساتھ) معروف ہے (نا کہ منکر)۔'' ❶

۵......شاذّ اور محفوظ

۱۔ شاذ کی تعریف:

الف:......لفظ ''شَــاذّ'' ''شَذَّ'' فعل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے۔ اور اس کا معنی الگ تھلگ ہونا اور تنہا رہ جانا ہے۔ پس ''شاذ'' کا معنی ''جمہور سے الگ ہونے والا'' ہے۔

ب:...... اصطلاحی تعریف: (اصطلاحِ محدثین میں) یہ وہ حدیث ہے جس کو ایک مقبول راوی اس حدیث کے خلاف روایت کرے جس کو اس سے مرتبہ میں فائق راوی نے روایت کیا ہو۔'' ❷

۲۔ تعریف کی شرح:

''مقبول'' سے وہ راوی مراد ہے جو عادل ہو اور اس کا ضبط تام ہو یا عادل تو ہو چاہے ضبط کمزور ہو۔ اور اس سے فائق راوی سے مراد وہ راوی ہے جو ضبط کی زیادتی یا کثرتِ عدد یا دوسری وجوہ ترجیحات میں سے کسی ایک وجہ سے راوی مقبول سے زیادہ راجح ہو۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ شاذ کی تعریف میں علماء کے متعدد اقوال ہیں مگر مذکورہ تعریف وہ ہے جسے حافظِ ابن حجر رحمہ اللہ نے پسند کیا ہے اور (اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے) یہ کہا ہے ''اصطلاح کے اعتبار سے شاذ کی یہی تعریف معتمد اور معتبر ہے۔'' ❸

۳۔ شذوذ کہاں واقع ہوتا ہے؟

شذوذ سند میں بھی ہوتا ہے اور متن میں بھی (اس اعتبار سے شاذ کی دو قسمیں بن جاتی ہیں ''شَــاذُ السَّنَدِ'' اور ''شَاذُ الْمَتْنِ'' ذیل میں دونوں میں سے ہر ایک کی مثال پیش کی جاتی ہے)

الف:......سند میں شذوذ (یعنی شاذ السند) کی مثال: (اس کی مثال) وہ حدیث ہے جو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ

❶ مؤلف موصوف نے منکر کے بیان میں یہ ''ابو حاتم'' کا قول قرار دیا جب کہ معروف کی مثال میں اسے ''ابو حاتم'' کے بیٹے کا قول قرار دے دیا ہے۔ بظاہر یہ تسامح ہے۔ درست کیا ہے؟ اس کے لیے ''تـدریـب الـراوی ج ۱ ص ۲٤٥'' کی مراجعت کی جائے۔ بندہ عاجز کے پاس مذکورہ مآخذ موجود نہیں۔ البتہ علامہ اسعدی نے بھی عـلـوم الـحـدیـث ص ۱۹۲ میں اس کو ''ابو حاتم'' قول قرار دیا ہے۔ اور حوالہ ''تدریب'' کا ہی دیا ہے۔ اہلِ علم سے التجاء ہے کہ وہ اصل ماخذ کی مراجعت کر کے درست قول لے لیں۔ بظاہر یہ ''ابو حاتم'' کا قول ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ نسیم

❷ دیکھیں ''النخبة مع شرحها'' ص ۳۷ (طحّان)

❸ النخبة مع شرحها ص ۳۷ (طحّان)

نے ابن عیینہ کے طریق سے روایت کی ہے، جو یہ ہے:

"عن عمرو بن دینار، عن عوسجة، عن ابن عباس، "انَّ رَجلاً تُوُفِّي عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَدَعْ وَارِثًا اِلَّا مَوْلًى هُوَ اَعْتَقَهُ" ❶

"ابن عیینہ، عمرو بن دینار سے، وہ عوسجہ سے، وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ، "ایک شخص کا عہدِ رسالت میں انتقال ہو گیا اور اس نے سوائے اس آقا کے جس نے اسے (اس کی زندگی میں) آزاد کر دیا ہوا تھا، اور کوئی وارث نہ چھوڑا۔"

ابن جریج وغیرہ نے ابن عیینہ کی متابعت میں اس روایت کو موصولاً روایت کیا ہے۔ لیکن حماد بن زید نے ان حضرات کے برخلاف اس حدیث کو عمرو بن دینار سے بواسطہ عوسجہ کے (مرسلاً) روایت کیا اور (اپنی اسناد میں) حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ذکر نہیں کیا۔

اسی لیے ابو حاتم (دونوں احادیث کی اسنادی حیثیت پر کلام کرتے ہوئے) فرماتے ہیں:

"(دونوں میں) محفوظ روایت "ابن عیینہ" کی ہے۔" پس حماد اگرچہ عادل اور اہلِ ضبط ہیں مگر ابو حاتم نے ان کے مقابلے میں ان کی روایت کو ترجیح دی ہے جو عدد میں ان سے زیادہ ہیں۔" ❷

ب:...... متن میں شذوذ (یعنی شاذ المتن) کی مثال: (اس کی مثال) وہ حدیث ہے جو ابو داؤد اور ترمذی نے عبدالواحد بن زیاد کی حدیث سے روایت کی ہے جو یہ ہے:

"عن الاعمش، عن ابی صالح، عن ابی هريرة مرفوعاً: "اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمُ الْفَجْرَ فَلْيَضْطَجِعْ عَنْ يَمِيْنِهِ" ❸

"عبدالواحد بن زیاد، اعمش سے، وہ ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ، "جب تم میں سے کوئی فجر کی نماز ادا کر لے تو (کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے) اپنے داہنے پہلو پر لیٹ جائے۔"

---

❶ رواہ ابو داؤد کتاب الفرائض حدیث رقم ۲۹۰۵ بمعناہ (طحّان)

❷ اور یہی شاذ کی تعریف ہے کہ اس حدیث کو روایت کرنے والا اپنے سے فائق راویوں کی حدیث کے خلاف روایت کرے اب مذکورہ حدیث کے ایک راوی حماد بن زید ہیں جو اس کو مرسلاً روایت کر رہے ہیں۔ اور اس حدیث کے دوسرے راوی ابن عیینہ، ابن جریج اور دوسرے حضرات ہیں جو اس کو موصولاً روایت کر رہے ہیں۔ اب حماد بن زید اور ابن عیینہ اور ابن جریج وغیرہ سب حضرات ثقہ عادل اور اہلِ ضبط ہیں لیکن ابن عیینہ حماد بن زید سے کثرت تعداد کی بنا پر فائق ہیں۔ لہٰذا حماد کا اپنے سے فائق راوی کے خلاف حدیث روایت کرنا شذوذ کہلائے گا کہ حماد اس کو مرسل اور ابن عیینہ موصول روایت کر رہے ہیں۔ پس حماد کی روایت شاذ اور ابن عیینہ وغیرہ حضرات کی حدیث محفوظ کہلائے گی۔ "کما صرّح به ابو حاتم" ۔نسیم

❸ رواہ ابو داؤد ۔ کتاب الصلوٰۃ حدیث رقم ۱۲۶۱ بمعناہ، ورواہ الترمذی ۔ کتاب الصلوٰۃ حدیث رقم ۴۲۰ بلفظہ۔

بیہقی (اس حدیث کے شاذ المتن ہونے کو بتلاتے ہوئے) کہتے ہیں: ''اس حدیث میں عبدالواحد نے متعدد (ثقہ) رواۃ کی مخالفت کی ہے، کیوں کہ دوسرے حضرات نے اس کو نبی کریم ﷺ کا فعل بنا کر روایت کیا ہے جب کہ عبدالواحد اسے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا قول بنا کر روایت کر رہے ہیں۔ اب عبدالواحد جو اعمش کے ثقہ اصحاب میں سے ہیں وہ اس لفظ میں متفرد ہیں۔'' ❶

۴۔ محفوظ:

مذکورہ بالا تفصیل کی بنا پر ''محفوظ'' وہ حدیث ہے جو ''شاذ'' کے بالمقابل ہو۔ بہرحال (محفوظ کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کہ) یہ وہ حدیث ہے جسے ایک سے زیادہ ثقہ رواۃ کسی ثقہ راوی کے برخلاف روایت کریں۔''

اور اس کی مثال مذکورہ بالا دونوں احادیث ہیں جنھیں شاذ کی نوع میں بطور مثال کے ذکر کیا ہے۔ لیکن ان میں وہ احادیث مثال بنیں گی جو ''اوثق'' طریق سے مروی ہوں۔ ❷

۵۔ شاذ اور محفوظ حدیث کا حکم:

یہ بات (گزشتہ میں) معلوم (ہو چکی) ہے کہ حدیثِ شاذ ''مردود'' اور حدیثِ محفوظ ''مقبول'' ہے۔ ❸

مشقی سوالات

درج ذیل سوالات کے جواب دیں۔

۱۔ راوی میں پائے جانے والے اسباب طعن کی نشان دہی کیجیے۔

۲۔ موضوع حدیث کی اصطلاحی تعریف کریں نیز اس کے روایت کرنے کا کیا حکم ہے؟

۳۔ حدیث گھڑنے کے لیے جعل سازوں نے کیا کیا ہتھکنڈے استعمال کیے نیز موضوع حدیث کی پہچان کیوں کر ممکن ہے؟

---

❶ اگرچہ عبدالواحد ثقہ ہیں جو اس حدیث کو حضرتِ ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کا قول بنا کر روایت کر رہے ہیں مگر دوسرے رواۃ کثرتِ تعداد کی بنا پر اس سے فائق ہیں جو اسے نبی کریم ﷺ کا فعل بنا کر روایت کرتے ہیں۔ اس حدیث کو "شاذ المتن" کہیں گے کہ ایک ثقہ راوی اس کے متن کو ان ثقہ رواۃ کے متن کے خلاف روایت کر رہا ہے جو درجہ میں اس سے فائق ہیں۔ پس عبدالواحد کی روایت ''شاذ'' اور دوسرے حضرات کی روایت ''محفوظ'' کہلائے گی۔ اس مقام پر علامہ اسعدی نے "علوم الحدیث ص ۱۹۰" میں مضطرب بلکہ متضاد عبارات نقل کی ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اہل علم مذکورہ حوالہ کی مراجعت کر لیں۔ نسیم

❷ پس شاذ کی طرح اس کی بھی ایک مثال "محفوظ الاسناد" اور دوسری مثال "محفوظ المتن" کہلائے گی۔ مثلاً ''محفوظ الاسناد'' کی مثال وہ روایت ہوگی جس کو ابن عیینہ، ابن جریج اور دوسرے حضرات نے روایت کیا ہے جس کے ''محفوظ'' ہونے کی امام ابوحاتم نے تصریح کی ہے۔ اور "محفوظ المتن" کی مثال وہ روایت بنے گی جس کو عبدالواحد کے برخلاف امام اعمش کے دوسرے ثقہ اصحاب نے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس کی تصریح کی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

❸ البتہ قبولیت کے درجہ کا انحصار رواۃِ حدیث کے احوال پر ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۹۰) نسیم

۴۔ جعل سازی کے اسباب ومحرکات پر روشنی ڈالیں۔

۵۔ موضوعات پر لکھی جانے والی مشہور کتب کا تعارف کرائیں۔

۶۔ حدیث منکر پر بحث کریں۔

۷۔ شاذ السند اور شاذ المتن سے کیا مراد ہے؟

۸۔ حدیث منکر اور شاذ میں کیا فرق ہے؟ نیز ان دونوں میں موجود اشتراک کی بھی وضاحت کیجیے۔

۹۔ شاذ اور محفوظ حدیث کی اختصار کے ساتھ وضاحت کریں۔

درج ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ کے ساتھ پر کریں۔

۱۔ راوی میں طعن کے اسباب کی تعداد.......... ہے۔

۲۔ موضوع کا لغوی مطلب .... ہے۔

۳۔ ....کا نام نمایاں زندیقوں میں ہے۔

۴۔ ابوسعید مدائنی نے .... میں شہرت پائی۔

۵۔ متہم بالکذب راوی کی روایت کو..........کا نام دیا جاتا ہے۔

۶۔ عمرو بن شمر جعفی کوفی ....راوی ہے۔

۷۔ ضعیف حدیث کی بدترین قسم موضوع ہے اور اس کے بعد..........کا درجہ ہے، پھر.......... ہے، پھر.........، پھر ....، پھر..........اور پھر.......... ہے۔

۸۔ حدیث معروف ....کے مقابلے میں ہے۔

۹۔ ....وہ حدیث ہے جسے ایک سے زیادہ ثقہ راوی کسی ثقہ راوی کے برخلاف استعمال کرے۔

۱۰۔ حدیث شاذ..........اور حدیث محفوظ .... ہے۔

۱۱۔ ....ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں مخالفت ''اسناد میں تقدیم وتاخیر'' کی صورت میں کی گئی ہو۔

عملی کام: ......سورتوں کے فضائل بیان کرنے میں جن مفسرین نے احتیاط سے کام نہیں لیا اور موضوع احادیث تک بیان کردی ہیں۔ ان کی تفاسیر سے کم از کم ایک ایک مثال تلاش کیجیے۔

عملی کام: ......محفوظ اور منکر کے مذکورہ اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس حدیث پر تحقیق کیجیے اور بتائیے کہ آیا یہ منکر ہے یا محفوظ اور ساتھ میں وجہ بھی ذکر کیجیے:

”انا محمد بن علی بن الحسن ، قال سمعت ابی قال انبأنا ابو حمزة عن عاصم عن الاسود بن هلال عن ابی هريرة قال اَمَرَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِثَلَاثٍ بِنَوْمٍ عَلٰی وِتْرٍ وَالْغُسْلِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَصَومِ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ۔“

(٦) حدیث مُعَلَّل

جب راوی میں طعن کا سبب "وھم" ہو تو اس حدیث کو "مُعَلَّل" کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہ راوی میں طعن کا چھٹا سبب ہے۔ ❶

ا۔ مَعَلَل کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: (لفظ مُعَلَّل) دراصل اَعَلَّهُ بِكَذَا (بابِ اِفْعَال) سے اسم مفعول کا صیغہ "مُعَل" ہے (جس کا معنی ہے "بیمار کیا ہوا") اور یہی مشہور صرفی قیاس ❷ ہے اور یہی فصیح لغت ❸ بھی ہے۔ رہ گیا حضرات محدثین کا (حدیث کی اس قسم کو) "مُعَلَّل" کے لفظ سے تعبیر کرنا تو وہ غیر مشہور لغت ہے ❹ اور جن محدثین نے حدیث کی اس قسم کو "معلول" کے نام سے پکارا ہے تو ان کی یہ تعبیر عربیت اور لغت کے ماہرین کے نزدیک نہ صرف کمزور بلکہ خراب (اور ردّی) ہے۔ ❺

ب:......اصطلاحی تعریف: (اصطلاح محدثین میں) مُعَلَّل وہ حدیث ہے جس میں ایک ایسی "علّت" کا پتا لگے جو حدیث کی صحت میں قادح (اور اس پر اثر انداز) ہو، جب کہ اس کا ظاہر اس علت سے محفوظ نظر آتا ہو۔" ❻

(یعنی بظاہر وہ حدیث بے عیب ہو مگر اس کے اندر ایک ایسے عیب کا علم ہو جو اس کی صحت کو مجروح کر دے۔ (علوم الحدیث، ص: ١٦٧) نسیم)

٢۔ علت کی تعریف:

"علت" اس پوشیدہ اور گہرے سبب (اور عیب) کو کہتے ہیں جو حدیث کی صحت کو مجروح کردے" ❼

---

❶ جب کہ دراصل یہ اسبابِ طعن متعلق بہ ضبط میں سے چوتھا سبب ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم

❷ یعنی مشہور صرفیہ قواعد کی رو سے مصدر اِعْلَال کا اسم مفعول "مُعَلّ" آتا ہے۔ نسیم

❸ کیوں کہ "اِعلال" کا معنی ہی مذکورہ سبب طعن کے مناسب ہے۔ نسیم

❹ کیوں کہ مُعَلَّل کا لفظ باب تفعیل کے مصدر عَلَّلَهُ کا مفعول بہ بنتا ہے جس کا معنی کسی کا دل بہلانا ہے اسی سے "تَعْلِيْلُ الْأُمِّ وَلَدَهَا" ہے یعنی ماں کا بچے کو بہلانا (طحان)

اور بظاہر یہ معنی مذکورہ سبب طعن کے غیر مناسب ہے اس لیے حضرات محدثین کا حدیث کی اس قسم کو مُعَلّ کی بجائے جو فصیح ہے، "مُعَلَّل" کہنا اس معنی میں غیر مشہور اور غیر فصیح لغت ہے جو بظاہر تسامح پر محمول ہے۔ نسیم

❺ کیوں کہ ثلاثی مزید فیہ از بابِ اِفْعَال کا اسم مفعول "مَفْعُوْل" کے وزن پر نہیں آتا۔ دیکھیں "علوم الحدیث لا بن الصلاح ص ٨١ (طحّان) اور صاحبِ "القاموس الوحید" (ص ١١١٧) نے اس کو نادر الوقوع قرار دیا ہے۔ نسیم

❻ "علوم الحدیث لا بن الصلاح ص ٩٠ " (طحّان)

❼ "علوم الحدیث لا بن الصلاح" ص ٩٠ (طحّان)

چناں چہ علّت کی مذکورہ تعریف سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ حضراتِ محدثین کے نزدیک "عـلّـت" میں دو شرطوں کا پایا جانا ناگزیر ہے (جن میں سے ایک کا تحقق کافی نہ ہوگا)، جو یہ ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ اس علت میں غموض ❶ اور خفا (یعنی عدمِ وضوح اور پوشیدگی) ہو۔

۲۔ دوسری یہ کہ وہ علت حدیث کی صحت کو مجروح کر دینے والی بھی ہو۔

پس اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بات نہ پائی گئی مثلاً یہ کہ وہ علت (مخفی، گہری اور پوشیدہ نہ ہو بلکہ) ظاہر (اور عیاں) ہو یا یہ کہ وہ علت صحتِ حدیث پر اثر انداز نہ ہو تو اس صورت میں اس کو اصطلاحی 'علّت' نہ کہیں گے۔

۳۔ کبھی لفظ "علّت" کا اطلاق اپنے غیر اصطلاحی معنی پر بھی ہو جاتا ہے:

مذکورہ بالا عبارت میں ہم نے "علّت" کی جو تعریف ذکر کی ہے، وہ حضرات محدثین کی اصطلاح ہے۔ لیکن علماء کبھی کبھی لفظ 'علّت' کا اطلاق حدیث کے کسی بھی "طعن" پر کر دیتے ہیں اگر چہ وہ طعن پوشیدہ یا حدیث کی صحت کو مجروح کرنے والا نہ بھی ہو۔ (ذیل میں لفظِ 'علّت' کے غیر اصطلاحی اطلاق کے دونوں محل ذکر کیے جاتے ہیں)۔

الف:......لفظ 'علّت' کے غیر اصطلاحی اطلاق کی پہلی قسم: مثلاً راوی کے کذب، یا غفلت یا خراب حافظہ وغیرہ کو علّت کہہ دینا اور تو اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے تو "نسخ" تک کو 'علّت' کہہ دیا ہے۔ ❷

ب:...... 'علّت' کے غیر اصطلاحی اطلاق کی دوسری قسم: ایسی مخالفت کو 'علّت' کہہ دینا جو صحتِ حدیث پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ جیسے ایسی حدیث کو مُـرْسَل روایت کرنا جس کو کسی ثقہ راوی نے موصول روایت کیا ہو (اب اس 'ارسال' کو 'علّت' کہہ دینا اس لفظ کا غیر اصطلاحی اطلاق ہے کیوں کہ ایسا 'ارسال' صحتِ حدیث کو مجروح نہیں کرتا)۔

اسی بناء پر بعض علماء نے (یہاں تک) کہہ دیا ہے کہ، "بعض صحیح احادیث ایسی بھی ہیں جو صحیح ہونے کے ساتھ ساتھ 'مُعلّل ❸ بھی ہیں'۔

۴۔ اس فن کی عظمت و جلالت، دقّت و نزاکت اور اس کے ماہرین کا بیان:

"علوم الحدیث" میں عِلَل حدیث کی معرفت کا فن بڑا جلیل القدر، عظیم الشان اور دقیق ہے (کہ اس کی جزئیات کی واقفیت بڑی گہری تحقیق کی طالب ہوتی ہے اور اس تک معرفت و رسائی ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں ہوتا) کیوں کہ اس میں ان غامض اور پوشیدہ عِلَل کو ظاہر کرنے کی احتیاج ہوتی ہے جن تک رسائی صرف علوم الحدیث کے نقاد

❶ کسی جگہ کے اتنے نیچے ہونے کو 'غموض' کہتے ہیں جہاں کچھ نظر نہ آئے اور "غموض الکلام" کلام کے غیر واضح ہونے کو کہتے ہیں (القاموس الوحید، ص: ۱۱۸۳) یعنی علت ایسا گہرا سبب ہوتا ہے جس پر تقریباً مطلع نہیں ہوا جاتا۔ نسیم

❷ جب کہ ان امور میں سے کوئی بھی مخفی نہیں ہوتا چہ جائیکہ غامض بھی ہو البتہ یہ امور صحتِ حدیث پر اثر انداز ضرور ہوتے ہیں (از علوم الحدیث ص۱٦۸ بزیادۃ) نسیم

❸ کہ یہاں لفظِ 'علّت' غیر اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے ورنہ جس حدیث میں "علتِ اصطلاحیہ" پائی جائے وہ "صحیح" نہیں ہو سکتی۔ نسیم

ماہرین کو ہی حاصل ہوتی ہے اور ان کی معرفت پر صرف انھی (اعلیٰ درجہ کے باکمال محققین) علماء کو دسترس اور قدرت ہوتی ہے جو زبردست حافظہ، وسیع معلومات اور پختہ فہم و بصیرت رکھتے ہیں۔ اس لیے اس بحرِ ناپیدا کنار میں قدم رکھنے کی جرات کرنے والے علماء وائمہ کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ جیسے ابن المدینی، امام احمد، امام بخاری، ابو حاتم اور دارقطنی (جیسے عبقری اور اساطینِ علم وفن حضرات علماء وائمہ)۔

۵۔ تعلیل کس اسناد میں در آتی ہے؟

تعلیل ایسی اِسناد میں گھس آتی ہے جو بظاہر صحت کی جملہ شروط کی جامع ہوتی ہے، کیوں کہ ضعیف حدیث کی علتوں کی جستجو کرنے کی (بظاہر) ضرورت نہیں ہوتی، کیوں کہ وہ تو خود مردود اور غیر معمول بہ ہوتی ہے۔ [1]

٦۔ کن امور کے ذریعے ''علت'' کو تلاش کیا جاسکتا ہے؟

(کسی بھی صحیح حدیث میں) علت کو درج ذیل امور سے ڈھونڈا جاسکتا ہے:

الف:......راوی کا تفرد

ب:......کسی دوسرے راوی کا (روایتِ حدیث میں) اس کی مخالفت کرنا۔

ج:......ایسے قرائن جو مذکورہ بالا دونوں شقوں کو شامل ہوں۔

یہ مذکورہ امور اس فن کے ماہر کو راوی کے اس وہم پر مطلع اور متنبہ کرتے ہیں جو اُس سے مذکورہ حدیث میں سرزد ہوا ہوتا ہے۔ اس کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

مثلاً راوی نے اس حدیث کو موصول روایت کیا ہو، جب کہ تحقیق کے بعد اس کا مرسل ہونا معلوم ہوا ہو یا راوی نے اس کو مرفوع روایت کیا ہو۔ جب کہ غور و تدبر کے بعد اس کا موقوف ہونا ظاہر ہوا ہو یا بحث وتنقید کے بعد یہ معلوم ہو کہ راوی نے دو حدیثوں کو خلط ملط کر دیا ہے کہ ایک کے مضمون کو دوسری کے مضمون میں شامل کر دیا ہو۔ غرض اس طرح کے دوسرے اوہام جو راوی سے سرزد ہوئے ہوں (کہ مذکورہ بالا امور ماہر نقاد محدث کو ان اوہام پر متنبہ کرتے ہیں) جس سے اُسے ان (امور کے واقع ہونے) کا گمان غالب ہو جاتا ہے اور وہ حدیث کے غیر صحیح ہونے کا حکم لگا دیتا ہے۔

۷۔ حدیث معلّل کی معرفت کا طریقہ کون سا ہے؟

حدیث معلّل کی معرفت کا طریقہ یہ ہے کہ

پہلے حدیث کے سب طرق کو جمع کیا جائے۔

پھر رواۃ کے اختلاف کا جائزہ لیا جائے (کہ کون سا راوی کس درجہ کا ہے، کس کا مرتبہ کس سے کتنا مختلف ہے)۔

پھر ان کے ضبط و اِتقان کا موازنہ ومقارنہ کیا جائے (کہ کس کا ضبط تام اور کس کا خفیف ہے)

[1] یعنی ضعیف حدیث کا ضعف اس درجہ کا کھلا اور ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے عیوب وعلل کی جستجو کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اور نہ اس پر عمل کرنے کی اجازت ہی ہوتی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱٦۸ بزیادۃٍ) نسیم

پھر جا کر معلول روایت پر (حسبِ تحقیق کوئی) حکم لگایا جائے۔

۸۔ ''علّت'' کن کن مواقع میں ہوتی ہے؟

(بظاہر علت دو ہی مواقع میں ہوسکتی ہے، یا تو اسناد میں یا پھر متن میں۔ ذیل میں ہر ایک کا اختصار کے ساتھ تعارف ملاحظہ کیجیے!)

الف:......علت (یا تو) اسناد میں واقع ہوتی ہے۔ اور اکثر یہی ہوتا ہے جیسے کسی اسناد میں موقوف یا مرسل ہونے کی علّت۔

ب:......اور (یا) علت متن میں واقع ہوتی ہے۔ مگر ایسا کم ہوتا ہے۔ جیسے نماز میں بسم اللہ کی قراءت کی نفی کی حدیث۔

۹۔ کیا ''علت فی الاسناد'' متن کو بھی مجروح کرتی ہے؟

(علت کا دائرۂ اثر کہاں تک پھیلا ہوتا ہے اس کی دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں کہ)

الف:......کبھی تو ''علت'' اسناد کو مجروح کرنے کے ساتھ ساتھ متنِ حدیث کو بھی مجروح کر دیتی ہے جیسے کسی حدیث کا (موصولاً مروی ہونا مگر بعد تحقیق کے اس کا) ''ارسال'' کی علّت کے ساتھ پایا جانا (کہ اس سے سند کے ساتھ ساتھ متن بھی غیر مقبول گردانا جاتا ہے)۔

ب:...... اور کبھی علت صرف اسناد کو ہی مجروح کرتی ہے۔ جب کہ متنِ حدیث (سند کے مجروح ہونے کے باوجود) صحیح رہتا ہے۔

اس کی مثال یعلی بن عبید کی روایت ہے جو یہ ہے:

"عن سفيان الثوری، عن عمرو بن دينارٍ عن ابن عمر مرفوعاً "اَلْبَیِّعَانِ بِالْخِیَارِ"

''یعلی، سفیان ثوری سے، وہ عمرو بن دینار سے اور وہ حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ ''دو خرید و فروخت کرنے والے (جب تک کہ وہ مجلسِ عقد سے جدا نہیں ہوجاتے) خیار کے ساتھ ہیں (چاہیں تو عقد نافذ کر دیں اور چاہیں تو عقد فسخ کر دیں)۔''

(اب اس روایت کی سند میں علّتِ غامضہ خفیہ یہ ہے کہ) یعلی کو سفیان ثوری کے قول، ''عمرو بن دینار'' کی بابت سفیان ثوری پر وہم ہو گیا کہ دراصل وہ ''عبداللہ بن دینار'' ہیں (مگر یعلی کو یہ وہم ہوا کہ سفیان نے ان کا نام عمرو بن دینار بتلایا ہے) لیکن (اس کے باوجود بھی) یہ متن صحیح ہے اگرچہ اسناد میں (ایک راوی کا نام ذکر کرنے کی) غلطی کی علّت ہے (مگر یہ غلطی متنِ حدیث میں مضر نہیں) کیوں کہ عمرو بن دینار ہوں یا عبداللہ بن دینار دونوں ثقہ راوی ہیں۔ اور (اسناد میں) ایک ثقہ کی جگہ دوسرے ثقہ راوی کا نام لے لینا متنِ حدیث کے حق میں مضر نہیں ہوتا اگرچہ سند کے رواۃ کے شمار میں ''غلطی'' شمار ہوتا ہے۔

۱۰۔ عِلَل حدیث کی مشہور تصانیف:

الف:......"کِتَابُ العِلَل" مؤلف ابن المدینی متوفی ۲۳۴ھ

ب:......"عِلَلُ الْحَدِيثِ" مولف ابن ابی حاتم رحمہ اللہ متوفی ۳۲۷ھ

ج:......"اَلْعِلَلُ وَمَعْرِفَةُ الرِّجَالِ" مولف امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ متوفی ۲۴۱ھ

د:......"اَلْعِلَلُ الْكَبِيْرُ وَالْعِلَلُ الصَّغِيْرُ" مؤلف امام ترمذی رحمہ اللہ متوفی ۲۷۰ھ

ھ:......"اَلْعِلَلُ الْوَارِدَةُ فِي الْاَحَادِيْثِ النَّبَوِيَّةِ" مولف امام دارقطنی رحمہ اللہ متوفی ۳۸۵ھ

اور یہ کتاب اس فن کی جامع ترین اور وسیع ترین کتاب ہے۔

(۷) مخالفتِ ثقات

جب راوی میں طعن کا سبب اس کا ثقات رواۃ کی مخالفت کرنا ہو، تو راوی کے ثقات کی مخالفت کرنے سے فنِ علوم الحدیث کی پانچ ❶ اقسام وجود میں آتی ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

مُدْرَج مَقْلُوْب

اَلْمَزِيْدُ فِي مُتَّصِلِ الْاَسَانِيْدِ

مُضْطَرِب اور مُصَحَّف

یاد رہے کہ مخالفت ثقات راوی میں طعن کا ساتواں سبب ہے۔ (جب کہ اسباب طعن متعلق بضبط کی یہ پانچویں قسم ہے)

(اور مخالفتِ ثقات سے پانچ قسموں کے پیدا ہونے کی اجمالی تفصیل یہ ہے کہ)

۱۔ اگر تو مخالفت کی صورت یہ ہو کہ اسناد کے لانے میں کوئی تبدیلی کر دی گئی ہو یا سندِ موقوف کو سندِ مرفوع میں مدغم کر دیا (اور ملا دیا) گیا ہو تو ایسی حدیث کو "مُدْرَج" کہیں گے۔

۲۔ اور "مخالفت" اسناد میں تقدیم و تاخیر کی صورت میں کی گئی ہے تو ایسی حدیث کو "مَقْلُوْب" کہیں گے۔

۳۔ اور اگر مخالفت کی صورت یہ ہو کہ سند میں (دوسری معتبر اسناد کے بالمقابل) کسی راوی کا اضافہ اور زیادتی ہو تو اس کو "المزيد في متّصل الاسانيد" کا نام دیا جاتا ہے۔

۴۔ اور اگر مخالفت کی یہ صورت ہو کہ ایک راوی کی جگہ دوسرے راوی کا نام رکھ دیا گیا ہو یا متن میں ایسا ٹکراؤ اور

---

❶ اور ان میں سے ہر ایک کو مستقل ایک علم کا نام اور مقام دیا گیا ہے۔ (علوم الحديث، ص: ۱۷۱)
علامہ اسعدی نے شاذ اور منکر کو بھی ان اقسام میں شمار کر کے ان کی تعداد سات بتلائی ہے۔ جب کہ مؤلف موصوف نے ان کے مخالفتِ ثقات کے تحت شمار ہونے کی طرف اشارہ کر کے انھیں الگ سے گنوا دیا ہے۔ مگر مآل دونوں کی عبارات کا ایک ہی ہے کہ واقعی یہ کل سات قسمیں ہیں۔ خواہ انھیں اکٹھے ذکر کرو، خواہ دو کو ایک دوسرے کا قسیم ہونے کی بنا پر الگ اور باقی پانچ کو الگ ذکر کرو۔
دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ چونکہ شاذ کے بالمقابل محفوظ اور منکر کے بالمقابل معروف کی صحیح اور مقبول احادیث کی اقسام آتی ہیں اس لیے اُن دونوں کو ان پانچ اقسام سے الگ ذکر کیا ہے۔ دیکھیں حوالہ بالا۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

تعارض پیدا ہو گیا ہو (جس کے ختم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو) اور (کسی ایک بات کے لیے) کوئی وجہِ ترجیح نہ ہو تو اس حدیث کو ''مضطرب'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۵۔ اور اگر مخالفت کی صورت یہ ہو کہ (متن کے) صرف الفاظ بدل دیئے گئے ہوں، جب کہ اسناد اپنی ترتیب پر باقی ہو تو ایسی حدیث کو ''مُصَحَّف'' کہتے ہیں (جس کا دوسرا نام ''مُحَرَّف'' بھی ہے) [1]

آئندہ اوراق میں ان میں سے ہر ایک کی تفصیلی بحث کو علی الترتیب قارئین کی نذر کیا جاتا ہے۔

ا......حدیث مُدْرَج

ا۔ مدرَج کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ ''مُدْرَج'' ''اَدْرَجْتُ الشَّيْءَ فِي الشَّيْءِ'' سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ایک شی کو دوسری میں داخل کیا جائے اور اس کے ساتھ ملا دیا جائے۔ (یعنی مُدرَج وہ ہے جس میں کچھ ملا دیا گیا ہو)

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد کے سیاق (یعنی تسلسل اور ربط، یا دوسرے لفظوں میں ترتیب) کو بدل دیا گیا ہو یا بغیر فصل کے (ظاہر کیے) اس کے متن میں وہ عبارت داخل کر دی جائے جو اس کا حِصّہ نہ ہو۔ [2] (مگر بظاہر وہ اضافہ متن کا حصہ ہی معلوم ہو)

۲۔ مُدرَج کی اقسام:

(اضافہ کی ممکنہ دو صورتوں کے اعتبار سے) حدیث مدرج کی دو قسمیں ہیں (کیوں کہ اضافہ یا تو اسناد میں ہوگا تو اسے) ''مدرج الاسناد'' (کہیں گے) اور (یا اضافہ متن میں ہوگا تو وہ حدیث) ''مدرج المتن'' (کہلائے گی) (ذیل میں ان دونوں قسموں کی تعریف، صورتیں، اقسام اور مثالوں کو پیش کیا جاتا ہے، جب کہ مدرج کی جملہ اقسام کا حکم سب سے آخر میں درج کیا جائے گا)۔

الف:......''مُدْرَجُ الْإِسْنَادِ''

ا۔ مدرج الاسناد کی تعریف: یہ وہ حدیث ہے جس کی اسناد کے سیاق کو بدل دیا گیا ہو۔

۲۔ ادراج فی الاسناد کی صورت: اس کی ایک صورت یہ ہے کہ راوی ایک اسناد ذکر کر رہا ہو کہ اتنے میں اسے کوئی امر پیش آ جائے (یا کوئی ضرورت و حاجت پیش آ جائے) اور (اس امر اور ضرورت و حاجت کے حسبِ حال) وہ اپنی کوئی بات کرے (جو بظاہر اس کے اسناد سنانے کے بعد ہوئی تھی) مگر کوئی سننے والا یہ گمان کر بیٹھے کہ یہ بات (جو

---

[1] دیکھیں: النخبة وشرحها ص٤٨-٤٩ (طحّان)

[2] دیکھیں ''النخبة مع شرحها ص٤٨'' (طحّان)

ابھی راوی نے اپنی کسی ضرورت کے تحت کی ہے) اس اسناد کا متن ہے۔ چناں چہ وہ سننے والا اس بات کو اس اسناد کے ساتھ اسی طرح راوی سے آگے روایت کرے جس سے اسناد کا سیاق بدل جائے۔

۳۔ مُدرَج فی الاسناد کی مثال:

اس کی مثال ثابت بن موسیٰ زاھد کا قصہ ہے جس کی روایت میں یہ الفاظ ہیں، "مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ" "جورات کوزیادہ نمازیں پڑھے گا اور اس کا چہرہ دن میں خوب صورت (اور روشن) ہوگا۔ ❶

اِس قِصہ کی حقیقت یہ کہ ایک دن ثابت بن موسیٰ قاضی شریک بن عبداللہ کو ملنے گئے۔ جب وہ ان کی مجلس میں داخل ہوئے تو اس وقت قاضی صاحب حدیث املاء کرواتے ہوئے یہ سند بیان کر رہے تھے:

"حدثنا الاعمش ، عن ابی سفیان عن جابر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم۔۔۔۔"

قاضی شریک اس قدر املاء کروا کر (ذرا دیر کو) خاموش ہو گئے تا کہ مُسْتَمْلِي ❷ اس قدر اسناد لکھ لے۔ اتنے میں ان کی نظر ثابت بن موسیٰ پر پڑ گئی تو (ان کے روشن اور نورانی چہرے کو دیکھ کر بے ساختہ) کہہ اٹھے، "مَنْ كَثُرَتْ صَلَاتُهُ بِاللَّيْلِ حَسُنَ وَجْهُهُ بِالنَّهَارِ". اور اس جملہ سے ان کی مراد "ثابت بن موسیٰ" تھے۔ جن کے زہد و ورع کو دیکھ کر انھوں نے بے ساختہ یہ کہہ دیا تھا مگر ثابت بن موسیٰ اس کو "اس اسناد" کا متن گمان کر بیٹھے۔ چناں چہ (بعد میں) وہ اس جملہ کو اسی اسناد کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ ❸

ب:...... مُدْرَجُ الْمَتْنِ

ا۔ مُدرَج المتن کی تعریف:

یہ وہ حدیث ہے جس کے متن میں تفصیل بیان کیے بغیر کوئی عبارت ملا دی جائے جو اس حدیث کی عبارت کا حصہ نہ ہو۔ (دوسرے لفظوں میں متنِ حدیث میں غیر متن کو داخل کرنے کا نام "ادراج فی المتن" ہے)۔

۲۔ "ادراج فی المتن" کی قسمیں (اور صورتیں):

(اصولی طور پر "ادراج فی المتن" کی) تین (ہی) صورتیں (ہو سکتی ہیں)، جو یہ ہیں:

الف:...... یا تو ادراجِ حدیث ابتداء میں ہوگا۔ اگر چہ ایسا کم ہوتا ہے مگر متنِ حدیث کے بیچ میں ادراج کرنے کی

---

❶ اخرجه ابن ماجه باب قيام الليل ج۱/ ص۴۲۲ حدیث رقم ۱۳۳۳ (طحّان)

❷ مُسْتَمْلِي اس شخص کو کہتے ہیں جو طلباء کی کثرت کے وقت درسِ حدیث میں محدث کی آواز کو آخر تک پہنچائے۔ (طحّان)

❸ علامہ اسعدی نے "ادراج فی الاسناد" کی دو اور صورتیں بھی لکھی ہیں جن کو بندہ عاجز مترجم نے طوالت کے خوف سے قلم انداز کر دیا ہے۔ دیکھیں: علوم الحدیث ، ص: ۱۷۳ ، ۱۷٤......نعیم

بہ نسبت ابتداء میں ادراج کا وقوع زیادہ ہے۔

ب:......یا پھر ادراج حدیث کے بیچ میں ہوگا۔ بہ نسبت پہلی قسم کے اس کا وقوع کم ہے۔

ج:......اور یا ادراج حدیث کے آخر میں ہوگا۔ اور زیادہ تر یہی ہوتا ہے۔ [1]

۳۔ "ادراج فی المتن" کی (تینوں صورتوں کی) مثالیں:

الف:......(پہلی صورت یعنی) آغازِ حدیث میں ادراج واقع ہونے کی مثال: آغاز حدیث میں ادراج کا (عموی) سبب یہ ہوتا ہے کہ راوی ایک کلام کو ذکر کرتا ہے، پھر کسی حدیث کے ذریعے اس کی دلیل لانے کا ارادہ کرتا ہے مگر وہ اس حدیث کو (اپنے گزشتہ مذکورہ کلام کے ساتھ) بلافصل لے آتا ہے (اور حدیث ذکر کرتے وقت مثلاً یہ نہیں کہتا کہ میری اس بات کی دلیل یہ ارشاد نبوی ہے وغیرہ وغیرہ) جس سے سننے والے کو یہ وہم ہو جاتا ہے کہ یہ پورا کلام ہی حدیث ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو خطیب نے ابوقطن اور شبابہ سے الگ الگ شعبہ کے واسطے سے نقل کی ہے کہ شعبہ محمد بن زیاد سے اور وہ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ، وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ."

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "وضو خوب پورا کیا کرو، (ان) ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ کی ہلاکت ہے (جنھیں وضو میں دھویا نہ جائے)۔

اس حدیث میں "اسبغوا الوضوء" کا جملہ (حدیث نہیں بلکہ) حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے جس کو حدیث کے متن میں (اور اس کے بھی آغاز میں) ملا دیا گیا ہے۔ جیسا کہ خطیب امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت میں یہ بات واضح اور عیاں کرتے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے آدم سے، انھوں نے شعبہ سے، انھوں نے محمد بن زیاد سے اور انھوں نے حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَسْبِغُوا الْوُضُوْءَ فَإِنَّ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ قال: 'وَيْلٌ لِّلْأَعِقَابِ مِنَ النَّارِ"

"وضو پورا پورا کیا کرو کیوں کہ جنابِ رسالت مآب ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، (ان) ایڑیوں کے لیے دوزخ کی آگ سے ہلاکت ہے (جنھیں وضو میں اچھی طرح دھویا نہ جائے)۔"

خطیب (یہ حدیث بیان کرنے کے بعد) کہتے ہیں: "ابوقطن اور شبابہ کو شعبہ سے روایت کرنے میں وہم ہوا ہے۔ (کہ انھوں نے حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے کلام کو بھی حدیث سمجھ کر اسے متن کے ساتھ ملا کر ذکر کر دیا) جیسا کہ ہم نے اس کو بیان کیا ہے کیوں کہ (ان کے علاوہ بھی) رواۃ کی ایک بڑی تعداد نے اسی حدیث کو شعبہ سے روایت کیا ہے۔ جیسے

[1] "تدریب الراوی ۱/ ۲۷۰" (طحان)

آدم کی شعبہ سے روایت۔ ❶

ب: ......(دوسری صورت یعنی) وسطِ حدیث میں ادراج واقع ہونے کی مثال: (اس کی مثال) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث ہے جو ابتدائے وحی کے بارے میں (زبانِ زدخلائق) ہے کہ:

"كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَنَّثُ فِيْ غَارِ حِرَاءٍ - وَهُوَ التَّعَبُّدُ - اَللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ" ❷

"(وحی کی ابتداء سے پہلے) جنابِ رسول اللہ ﷺ غارِ حراء میں کئی کئی راتوں تک تحنث، یعنی عبادت فرمایا کرتے تھے۔"

اس روایت میں "وھو التَّعَبُّدُ" کے الفاظ زہری کا کلام ہے جو حدیث (کے وسط) میں درج ہو گیا ہے (جو بظاہر حدیث کا ایک ٹکڑا لگتے ہیں مگر امام زہری اس سے "تحنّث" کی تشریح کر رہے ہیں)۔

ج: ......(تیسری صورت یعنی) حدیث کے آخر میں ادراج واقع ہونے کی مثال: حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے:

"لِلْعَبْدِ الْمَمْلُوْكِ اَجْرَانِ ، وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ، وَالْحَجُّ وَبِرُّ اُمِّيْ ، لَاَحْبَبْتُ اَنْ اَمُوْتَ وَاَنَا مَمْلُوْكٌ" ❸

"مملوک غلام کو دو اجر ملتے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر جہاد فی سبیل اللہ، حج بیت اللہ اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنا نہ ہوتا تو میں غلام بن کر مرنا پسند کرتا۔"

اس حدیث میں "والذی نفسی بیدہ" سے لے کر آخر تک کا ٹکڑا حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ کیوں کہ لسانِ نبوت سے ایسے کلام کا صدور ناممکن ہے کیوں کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کا غلام بننے کی تمنا کرنا محال ہے۔ دوسرے آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ بھی اس دارِ فانی سے رحلت فرما چکی تھیں کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ حسن سلوک فرماتے۔

---

❶ تدریب الراوی ۱/ ۲۷۰ (طحّان)

دراصل یہاں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پہلے ایک بات ارشاد فرمائی ہے کہ وضو پورا کیا کرو اور کسی عضو کو ادھورا نہ رکھا کرو۔ اس کی دلیل میں آگے وہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد کو ذکر کرتے ہیں کہ ایڑی جیسے چھوٹے سے عضو میں کوتاہی کرنے پر بھی اتنی سخت وعید ہے اس لیے وضو پورا کیا کرو۔ مگر حضرتِ ابو ہریرہؓ نے اپنا قول اور اس کی دلیل میں حدیث بلافصل ذکر کر دی جس کو بعض لوگ حدیث کا حصہ سمجھ بیٹھے مگر امام بخاری کی روایت سے یہ فرق واضح ہو جاتا ہے کہ پہلا جملہ حدیث کا ٹکڑا نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

❷ البخاری باب بدء الوحی ۱/ ۲۲ حدیث رقم ۳ (طحّان)

❸ البخاری کتاب العتق ۵/ ۱۷۵ حدیث رقم ۲۵۴۸ بلفظه (طحّان)

۳۔ (حدیث میں) اِدراج کے (وقوع کے) اسباب ومحرکات:

(حدیث میں) اِدراج کے متعدد اسباب ومحرکات ہیں جن میں سے چند مشہور یہ ہیں:

الف:......کسی حکمِ شرعی کا بیان (جیسا کہ ادراج کی پہلی صورت کی مثال میں گزرا)

ب:......حدیث کے اختتام سے پہلے الفاظِ حدیث سے کسی حکمِ شرعی کا استنباط کرنا (دوسرے لفظوں میں الفاظ حدیث سے کسی مفید مضمون کو اخذ کرنا جیسا کہ تیسری صورت کی مثال میں گزرا)

ج:......حدیث کے کسی نامانوس لفظ کی تشریح کرنا (جیسا کہ ادراج کی دوسری صورت کی مثال میں گزرا)۔

۴۔ ادراج کا ادراک کیوں کر ہوتا ہے؟

مضمونِ حدیث میں ادراج کو درجِ ذیل امور میں سے کسی ایک کے ذریعے معلوم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ کسی دوسرے طریق سے مذکورہ حدیث کا مفصّل وارد ہونا (جس سے مدرج کلام کا عیاں ہو جائے جیسا کہ ابوقطن اور شبابہ کی روایت کا اِدراج امام بخاری کی روایت سے عیاں ہوا)

۲۔ کسی ماہرِ فن محقق امام کا ادراج کی تصریح کرنا

۳۔ خود راوی کا اقرار کرنا کہ اس نے کلامِ حدیث میں ادراج کا ارتکاب کیا ہے۔

۴۔ (منصب نبوت کے بلند و برتر مرتبہ ومنصب کے شایانِ شان نہ ہونے کی بنا پر) ایسے کلام کے لسانِ نبوت سے صدور کا ناممکن اور محال ہونا۔ (جیسا کہ ادراج کی تیسری صورت کی مثال میں گزرا)۔

۵۔ ادراج (کی سب صورتوں) کا حکم:

حضرات علماء، محدثین اور فقہاء وغیرہ سب کا اس بات پر اجماع ہے کہ "ادراج فی الحدیث" حرام ہے البتہ (حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا طبقہ اس حکم سے بالا جماع مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح) اس حکم سے وہ صورت (بھی) مستثنیٰ ہے جس میں حدیث کے کسی لفظ کی تشریح اور تفسیر بیان کی جائے کہ یہ غیر ممنوع ہے۔ اسی لیے امام زہری جیسے حضرات ائمہ حدیث نے بھی ایسا کیا۔

۶۔ "ادراج" پر لکھی جانے والی مشہور کتب:

الف:......"اَلْفَصْلُ لِلْوَصْلِ الْمُدْرَجِ فِی النَّقْلِ" اس کے مصنف خطیب بغدادی رحمہ اللہ متوفی ۴۶۳ھ ہیں۔

ب:......"تَقْرِیبُ الْمَنْهَجِ بِتَرْتِیبِ الْمُدْرَجِ" یہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے جو دراصل خطیب رحمہ اللہ بغدادی کی کتاب کی تلخیص بھی ہے اور اس پر (مفید) اضافہ بھی۔

(۲) حدیث مقلوب

۱۔ حدیثِ مقلوب کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "مقلوب" "قَلْب" مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ایک شی کو اوندھا کرنا ہے ❶ (یعنی ایک شی کو الٹنا پلٹنا اور اس کے سامنے کو پھیر کر پیچھے کرنا یا اس کے برعکس کرنا، اسی طرح اندر کو باہر یا باہر کو اندر اور دائیں کو بائیں یا اس کے برخلاف کرنا۔ کما فی "القاموس الوحید ص۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ نسیم)

ب: ......اصطلاحی تعریف: "(محدثین کی اصطلاح میں) قلب یہ حدیث کی سند یا متن میں ایک لفظ کی جگہ دوسرے لفظ کے لانے یا ان میں تقدیم وتاخیر وغیرہ کرنے کو کہتے ہیں۔" ❷

۲۔ قلب کی اقسام:

بنیادی طور پر حدیث مقلوب دو بڑی قسموں میں بٹتی ہے، جو یہ ہیں:

مقلوب السند اور

مقلوب المتن . (ذیل میں ہر ایک قسم کو مفصل بیان کیا جاتا ہے)

الف:......مقلوب السند: یہ وہ حدیث ہے جس میں تبدیلی اس کی سند میں واقع ہوئی ہو اور سند میں اس تبدیلی کی دو (امکانی) صورتیں ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ کسی راوی کے نام میں تقدیم وتاخیر کر دی جائے۔ جس کی صورت یہ ہو کہ اس کے اور اس کے والد کے نام کو آگے پیچھے کر دیا جائے۔ جیسے ایک حدیث کو جو حضرت "کعب بن مُرّہ" سے مروی ہو، اس کو کوئی راوی "مُرّہ بن کعب" بنا کر ان سے روایت کر دے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک راوی کے نام کی جگہ کسی دوسرے کا نام رکھ دیا جائے (یعنی ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی ذکر کیا جائے) اور ایسا حدیث کو غریب (یعنی نامانوس) بنانے کی غرض سے کیا جائے۔ جیسا حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے مروی کسی مشہور حدیث کو "نافع" کی حدیث بنا کر پیش کرنا (یعنی سالم کی جگہ نافع کا نام رکھ دینا)۔

رواۃِ حدیث میں سے جن لوگوں نے اس فعل کے ارتکاب میں خوب نام کمایا ان میں سے ایک نام "حماد بن عمرو نصیبی" کا ہے۔

مقلوب السند کی دوسری صورت کی مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جو حماد نصیبی نے اعمش سے، انھوں نے

---

❶ دیکھیں "القاموس المحیط لفیروز آبادی ۱/ ۱۲۳ (طحّان)

❷ انظر النخبة مع شرحها ص۴۹، و "النکت" للحافظ ابن حجر رحمہ اللہ ۲/ ۸۶۴ کلاھما بمعناہ (طحّان)

ابو صالح سے اور انھوں نے حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بیان کی ہے، جو یہ ہیں:

"اِذَا لَقِيْتُمُ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ طَرِيْقٍ فَلَا تَبْدَءُ وْهُمْ بِالسَّلَامِ."

"جب تمھاری مشرکوں سے کسی راستہ میں ملاقات ہو جائے تو انھیں سلام کرنے میں پہل مت کرو۔"

یہ حدیث مقلوب السند ہے اسے حماد نصیبی نے بدل ڈالا ہے کہ اسے اعمش سے بنا کر روایت کیا ہے حالاں کہ یہ سہیل بن ابی صالح سے معروف ہے کہ وہ اس کو اپنے والد ابو صالح سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ سے اس بیان کرتے ہیں کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ حدیث اسی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ قلب کی اس نوع میں ایسا کرنے والے راوی کو "سارق الحدیث" کا نام دیا جاتا ہے۔

ب:...... مقلوب المتن: یہ حدیث کی وہ قسم ہے جس میں اس کے متن کو بدل دیا گیا ہوتا ہے اور اس کی (بھی) (اصولی طور پر) دو (ہی) صورتیں (ہو سکتی) ہیں:

۱۔ متن میں قلب کی ایک صورت یہ ہے کہ راوی اس کے متن میں تقدیم و تاخیر کر دے (یعنی حدیث کے بعض الفاظ کو آگے پیچھے کر دے)

اس کی مثال مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں ان سات آدمیوں کا ذکر ہے جنھیں رب تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا دوسرا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان سات آدمیوں میں سے ایک وہ بھی ہے، "جو صدقہ کرے اور اس کو (یوں) چھپا کر کرے۔ یہاں تک کہ داہنے ہاتھ تک کو خبر نہ ہو کہ بائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔" اس حدیث کا یہ ہے وہ جملہ جس کو بعض راویوں نے بدل ڈالا ہے کہ دراصل یہ جملہ یوں ہے، "یہاں تک کہ بائیں ہاتھ تک کو اس کی خبر نہ لگے کہ اس کے داہنے نے کیا خرچ کیا ہے۔" [1]

یعنی مسلم میں یہ جملہ "حَتّٰى لَا تَعْلَمَ يَمِيْنُهٗ مَا تُنْفِقُ شِمَالُهٗ" ہے، جب کہ دراصل یہ جملہ یوں ہے، "حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهٗ")

۲۔ قلب فی المتن کی دوسری صورت یہ ہے کہ راوی ایک حدیث کی اسناد دوسری حدیث کے متن کے ساتھ اور اس کی اسناد کو پہلی کے متن کے ساتھ جوڑ دے (یعنی دو حدیثوں کے متن و اسناد کو ایک دوسرے سے ادل بدل دے) اور ایسا وہ (کسی شخص کے) امتحان وغیرہ لینے کی غرض سے کرے۔

اس کی (سب سے مشہور) مثال اہلِ بغداد کا وہ قصہ ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ پیش آیا جب انھوں نے امام صاحب کے سامنے سو احادیث کے ساتھ یہی معاملہ کیا (کہ ایک کا متن دوسری کے ساتھ اور اُس کی اسناد اس کے ساتھ لگا کر) پھر امام صاحب کے حافظہ کا امتحان لینے کے لیے ان سے ان سو احادیث کے بارے میں سوال کیا تو امام صاحب نے وہ سو کی سو احادیث اسی اسناد اور متن کے ساتھ سنا دیں جو اہل بغداد کے قلب کرنے سے پہلے کی صورت پر تھیں

[1] رواہ مسلم مقلوبا فی کتاب الزکاۃ باب فضل اخفاء الصدقۃ ۔ ۲/ ۷۱۵ حدیث رقم ۹۱ (طحان)

اور کسی ایک حدیث کی اسناد اور متن میں خطا نہ کی۔'' ❶

۳۔ قلب کے اسباب ومحرکات:

ایک راوی کو قلب پر آمادہ کرنے والے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں، جو یہ ہیں:

الف:......اِغراب (یعنی نامانوس سند یا متن سنا کر دوسروں کو تعجب اور حیرت میں ڈالنے) کے قصد سے قلب کرنا تاکہ لوگ اس کی حدیث روایت کرنے اور اس سے وہ حدیث لینے کی طرف مائل ہوں۔ ❷

ب:......دوسرے کا امتحان لینے، اس کے حفظ کی پختگی جانچنے اور اس کے ضبط کی تمامیت کے پرکھنے کی غرض سے حدیث میں قلب کرنا۔

ج:......بلا ارادہ لغزش اور خطا میں جا پڑنا بھی حدیث میں قلب واقع ہونے کا ایک سبب ہے۔

۴۔ قلب کا حکم:

قلب کا حکم سببِ قلب کے حسبِ حال مختلف ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا:

الف:......اگر تو قلب کا مقصد ''اِغراب'' ہے (جس کی وضاحت گزشتہ میں گزر چکی ہے) تو یہ بات بے غبار ناجائز ہے۔ کیوں کہ دراصل یہ حدیث بدلنا ہے جو ''جعل سازوں'' کا کام ہے۔

ب:......اور اگر قلب کا مقصد (کسی دوسرے کا) امتحان (لینا) ہے تو یہ بات کسی محدث کی استعداد اور اس کے حافظ کی پختگی پرکھنے کی غرض سے جائز ہے۔ مگر اس میں یہ شرط ہے کہ اختتامِ مجلس سے پہلے پہلے صحیح (سند اور متن) کو بیان کر دے۔

ج:......اور اگر قلب کا منشا خطا اور نسیان (یعنی بھول چوک) ہے تو اب خطا کار کے معذور ہونے میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اگر راوی سے ایسا بکثرت ہوتا ہے تو اس سے اس کا ضبط بھی متاثر ہوگا اور وہ ضعیف بھی قرار دیا جائے گا۔ ❸

(یہ تو رہی قلب کی تفصیل، اس کی صورتیں اور ہر ایک صورت کا حکم۔ اب ذیل میں حدیث مقلوب کا اجمالی حکم ملاحظہ کیجیے!)

۵۔ حدیث مقلوب کا حکم:

''حدیثِ مقلوب'' ضعیف اور مردود کی ایک قسم ہے جیسا کہ یہ بات معلوم (اور معروف ہے) اور اس کے

---

❶ اس قصہ کی تفصیل کے لیے دیکھیں ''تاریخ بغداد ۵/ ۲۰'' (طحان)

❷ گویا کہ نامانوس اسناد یا متن والی حدیث سنا کر یہ راوی دوسروں پر اپنی علمی فوقیت اور برتری جتلاتا ہے کہ میرے پاس ایسی حدیث ہے جو کسی کے پاس نہیں (علوم الحدیث، ص: ۱۷۸ بزیادۃٍ کثیرۃ) نعیم

❸ جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ ایسے راوی کی حدیث بھی ضعیف اور مردود قرار پائے گی۔ جیسا کہ اوپر حدیث مقلوب کے حکم میں اس کا ذکر آ رہا ہے (علوم الحدیث، ص: ۱۷۹ بتصرفٍ) نعیم

ضعیف اور مردود ہونے کی وجہ اس میں ثقات رواۃ کی مخالفت کا پایا جانا ہے۔

۶۔حدیث مقلوب کی مشہور تالیفات:

الف:......کتاب "رَافِعُ الْاِرْتِیَابِ فِی الْمَقْلُوْبِ مِنَ الْاَسْمَاءِ وَالْاَلْقَابِ": یہ خطیب بغدادی کی تالیف لطیف ہے اور کتاب کے نام سے ہی یہ بات عیاں ہے کہ اس کا موضوع خاص صرف حدیث مقلوب کی وہ قسم ہے جس میں ''قلب'' اسناد میں واقع ہوتا ہے۔

۳......المزید فی متّصل الاسانید

ا۔تعریف:

الف......لغوی تعریف: لفظ المزید "الزیادۃ" مصدر سے مفعول کا صیغہ ہے اور لفظِ ''متصل'' یہ منقطع کی ضد ہے اور ''اسانید'' یہ ''اِسناد'' کی جمع ہے۔ (چناں چہ مزید کا معنی زیادہ کیا ہوا اور متصل کا معنی ملایا ہوا ہے) ❶

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) یہ وہ حدیث ہے جس کی سند میں ایک راوی کا اضافہ کر دیا گیا ہو جس سے بظاہر وہ متصل لگے۔ ❷

۲۔"المزید فی متّصل الاسانید" کی مثال:

اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ابن مبارک نے روایت کیا ہے، جو یہ ہے:

"قال: حدثنا سفیان عن عبدالرحمن بن یزید، حدثنی بُسر بن عبید اللہ، قال: سمعت أبا إدریس، قال: سمعت واثلۃ یقول: سمعت ابا مرثد یقول: سمعت رسول اللہ علیہ وسلم یقول:" "لَا تَجْلِسُوْا عَلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا اِلَیْهَا." ❸"

''ابن مبارک کہتے ہیں، ''ہمیں سفیان نے عبدالرحمٰن بن یزید سے بیان کیا، وہ کہتے ہیں مجھے بُسر بن عبید اللہ نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں میں نے ابوادریس کو سنا، وہ کہتے ہیں میں نے واثلہ کو سنا، وہ کہتے ہیں میں نے ابومرثد رضی اللہ عنہ کو سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

''نہ تو قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف (منہ کر کے) نماز ہی پڑھو''

۳۔اس مثال میں زیادتی (کیوں کر ہے؟):

اس مثال میں دو مقامات پر اضافہ اور زیادتی ہے پہلی جگہ ''سفیان'' کے لفظ میں اور دوسری جگہ ''ابوادریس کے لفظ

---

❶ اور پوری عبارت کا مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ حدیث جس کو متصل اسانید (والی احادیث) میں زائد کیا جائے (علوم الحدیث، ص: ۱۸۰) نسیم

❷ دیکھیں: النخبۃ مع شرحھا ص۴۹ (طحان)

❸ رواہ مسلم، کتاب الجنائز: ۷/ ۳۸، والترمذی: ۳/ ۳۶۷ کلاھما بزیادۃِ ابی ادریس وحذفھا (طحّان)

میں اور دونوں جگہوں میں اس اضافہ کا سبب (راوی کا) وہم ہے۔ (جس کی تفصیل درج ذیل ہے):

الف:......رہی لفظِ ''سفیان'' کی زیادتی اور اس کا اضافہ تو اس کا سبب ابن مبارک سے نیچے کے راویوں کا وہم ہے (جو یہ سمجھے کہ ابن مبارک کے بعد سند میں سفیان بھی ہیں) چوں کہ ثقات راویوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اس حدیث کو ابن مبارک سے روایت کیا جس میں ان کے بعد عبدالرحمٰن بن یزید کا نام ہے اور انھوں نے دونوں کے درمیان سفیان کو ذکر نہیں کیا اور تو اور بعض ثقہ راویوں نے ابن مبارک کے بعد روایت کو "اخبرنا" کے صریح الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے (نا کہ "عن" کے صیغہ کے ساتھ)۔

ب:......دوسرا اضافہ ''ابوادریس'' کے نام کا ہے۔ دراصل یہ خود ابن مبارک کا وہم ہے۔ کیوں کہ متعدد ثقات رواۃ نے یہی حدیث عبدالرحمٰن بن یزید سے روایت کی ہے مگر انھوں نے (بُسر بن عبیداللہ کے بعد) ابوادریس کا نام نہیں لیا۔ بلکہ بعض نے تو بُسر بن عبداللہ کے واثلہ سے (بلاواسطہ) سماع کرنے کی صراحت کی ہے (کہ بسر نے ابوادریس سے نہیں بلکہ واثلہ سے سنا ہے)۔

۴۔ سند میں زیادتی کے ردّ ہونے کی شروط:

(اور یہی دراصل "المزید فی متصل الاسانید" کے حکم کی تفصیل بھی ہے۔ چناں چہ) سند میں مذکورہ زیادتی کے رد ہونے اور راوی کی اس زیادتی کو اس کا وہم گردانے کی دو شرطیں ہیں، جو یہ ہیں:

الف:...... مذکورہ سند میں زیادتی نہ کرنے والا راوی زیادتی کرنے والے راوی سے زیادہ متقن و مستحکم اور پختہ ہو۔

ب:...... دوسری شرط یہ ہے کہ زیادتی کے مقام میں (دوسرے طریق سے مروی حدیث میں زائد راوی کے ذکر کے بغیر بلاواسطہ) سماع کی تصریح ہو۔

لہٰذا اگر یہ دونوں مذکورہ شروط نہ پائی گئیں یا دونوں میں سے ایک شرط مفقود ہوئی تو وہ زیادتی راجح اور مقبول قرار پائے گی اور اس زیادتی سے خالی اسناد کو ''منقطع'' گردانا جائے گا مگر وہ انقطاع خفی ہوگا (نا کہ ظاہر و باہر) اور یہی وہ (اسناد اور) حدیث ہوتی ہے جس کو ''مرسَل خفی'' کے نام سے پکارتے ہیں۔ (جو اس "المزید فی متصل الاسانید" حدیث کے بالمقابل ہے جس میں شروطِ ردّ مفقود اور معدوم ہوں)۔

۵۔ (اسناد میں) زیادتی کے وقوع (کے امکان) کے دعویٰ پر چند اعتراضات (کا جائزہ اور ان کے جوابات):

وقوعِ زیادتی کے دعویٰ پر دو اعتراضات کیے جاتے ہیں، جو یہ ہیں:

الف:......اگر تو زیادتی سے خالی اسناد زیادتی کے مقام میں حرف "عن" کے ساتھ ہو تو اس اسناد کو منقطع قرار دینا (زیادہ) مناسب ہے۔

ب:......اور اگر زیادتی کے مقام پر ''سماع'' کی صراحت ہو تو اس میں احتمال ہے کہ راوی نے پہلے اس زائد راوی سے حدیث کو سنا ہو پھر بعد والے راوی سے بلاواسطہ بھی اس حدیث کو سنا ہو۔ ان دونوں باتوں کے یہ جوابات دیئے

جاسکتے ہیں:

الف: ...... پہلا اعتراض درست ہے اور بات وہی ہے جو معترض نے کہی ہے (کہ ایسی اسناد کو منقطع کہنا ہی زیادہ مناسب ہے)۔

ب: ...... رہا دوسرا اعتراض تو اس میں مذکورہ احتمال (اگرچہ) ممکن ہے لیکن علماء نے ایسی زیادتی پر بغیر ایسے قرینہ کے "وہم" ہونے کا حکم نہیں لگایا جو اس زیادتی کے وہم ہونے پر دلالت کرتا ہو۔

۶۔ "المزید فی متّصل الاسانید" کی مشہور تالیفات:

اس باب میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب "تمییز المزید فی متّصل الاسانید" کو خاص شہرت حاصل ہے۔

۴...... حدیثِ مضطرب

۱۔ حدیثِ مضطرب کی تعریف:

الف: ...... لغوی تعریف: لفظ "مضطرب" یہ "الاضطراب" مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی کسی امر کا بگڑنا اور اس کے نظام کا برباد ہونا ہے اور اس کی اصل "اضطراب الموج" (لہروں میں جوش آنا) سے ہے اور ایسا اس وقت کہا جاتا ہے جب لہریں بہت زیادہ اٹھ رہی اور جوش مار رہی ہوں اور لہروں کے تھپیڑے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔

ب: ...... اصطلاحی معنی: "(محدثین کی اصطلاح میں) مضطرب اس حدیث کو کہتے ہیں جو ایسے مختلف [1] طرق سے مروی ہو جو سب کے سب قوت میں یکساں ہوں" [2] (یعنی قوت و مرتبہ میں ان سب طرق کا درجہ ایک ہو)۔

۲۔ تعریف کی شرح:

یعنی مضطرب وہ حدیث جو ایسی متعدد پر ایک دوسرے کے متعارض، مزاحم اور متضاد اشکال پر مروی ہو کہ ان سب میں کبھی بھی تطبیق و توفیق نہ بٹھلائی جا سکے۔ مگر وہ سب کی سب صورتیں (اور طرقِ حدیث) ہر اعتبار سے قوت (و مرتبہ) میں ایک دوسرے کے مساوی ہوں کہ وجوہِ ترجیح میں سے کسی ایک وجہِ ترجیح کی بنا پر بھی ایک طریق کو دوسرے طریق پر ترجیح نہ دی جا سکے (ایسی الجھی اور پیچیدہ حدیث کو مضطرب کہتے ہیں)۔

۳۔ (حدیث میں) اضطراب کے پائے جانے کی شروط:

مضطرب کی تعریف اور اس کی شرح کے تناظر میں یہ بات سامنے آتی ہے کہ کسی حدیث کو اس وقت تک مضطرب

---

[1] چاہے اس حدیث کا راوی ایک ہو اور اختلاف دو یا تین مرتبہ روایت کرنے سے حدیث میں در آیا ہو اور یا یہ اختلافِ طرق رواۃ کے تعدد کی وجہ سے ہو جس کی تفصیل آگے متن میں آ رہی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۸۲ بتصرفٍ وزیادۃٍ) نعیم

[2] علوم الحدیث لا بن الصلاح ۹۳۔۹۴، التقریب مع التدریب ۱/ ۲۶۲ کلاھما بمعناہ. (طحّان)

نہیں کہہ سکتے جب تک کہ اس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں، جو یہ ہیں:

الف:......حدیث کی روایات میں اختلاف پایا جائے (اور اختلاف بھی ایسا کٹھن اور شدید ہو) کہ ان روایات کو جمع کرنا ممکن نہ ہو سکے۔

ب:......اس حدیث کی جملہ روایات (اور سب کے سب طرق) قوت (ومرتبہ) میں (ایک دوسرے کے) مساوی (اور ہم پلہ) ہوں کہ کسی ایک روایت (اور طریق) کو دوسری (روایت اور طریق) پر ترجیح دینا ممکن نہ ہو البتہ (ان دونوں مذکورہ شروط سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ) جب کسی ایک روایت کو دوسری پر ترجیح دی جا سکے یا کسی مقبول ومعتمد صورت میں سب روایات میں تطبیق کا امکان نکل آئے تو اس کا وصفِ اضطراب جاتا رہے گا (اور اب وہ حدیث مضطرب نہ رہے گی) پھر ہم حالت (یعنی صورتِ) ترجیح میں راجح روایت پر اور جمع وتطبیق کی صورت میں سب روایات پر عمل کریں گے۔

۴۔ مضطرب کی اقسام:

(بنیادی طور پر) مواقع اضطراب (یعنی جن مقامات پر اضطراب واقع ہوتا ہے) کے اعتبار سے حدیث مضطرب کی دو (ہی) قسمیں (ہو سکتی) ہیں، ایک (وہ قسم ہے جس میں اضطراب سند حدیث میں ہوتا ہے، اسے) "مضطرب السند" (کہتے ہیں) اور دوسری (وہ قسم ہے جس میں اضطراب حدیث کے متن میں ہوتا ہے، وہ) "مضطرب المتن" (کہلاتی ہے) (یاد رہے کہ) سند میں اضطراب کی صورت زیادہ پیش آتی ہے۔

(اب ذیل میں ہر ایک قسم کی مثال اور وقوعِ اضطراب کی صورت بیان کی جاتی ہے!

تنبیہ: مضطرب کی دونوں قسموں کا حکم اوپر شروط کے ذکر کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے)

الف:......مضطرب السند: (اس کی تعریف اوپر قوسین میں بیان ہو چکی ہے) اور اس کی مثال جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ انھوں نے دربارِ رسالت میں عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں آپ (ﷺ) کو دیکھتا ہوں کہ (اب) آپ (ﷺ) بوڑھے ہو چکے ہیں (کہ ریشِ مبارک میں سفیدی کا نور جھلکنے لگا ہے اور اعضاء شریفہ میں وہ استحکام اب نظر نہیں آتا بلکہ مضمحل۔ رہے ہیں) (اس پر رسالت مآب ختمی المرتبت ﷺ نے) فرمایا: "مجھے (سورۂ) ھود اور اس جیسی (مضامین والی) سورتوں (کے مضامین کی ہیبت وعظمت) نے بوڑھا کر دیا ہے۔" [1]

(اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے) امام دارقطنی فرماتے ہیں: یہ حدیث مُضطرب ہے کیوں کہ یہ صرف ابو اسحاق کے طریق سے مروی ہے اور اس حدیث میں ابو اسحاق پر دس اعتبار سے اختلاف کیا گیا ہے (یعنی اس حدیث میں دس صورتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے) مثلاً

---

[1] رواہ الترمذی کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ الواقعۃ ۹/ ۱۸۴ مع شرح التحفۃ الاحوذی" البتہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں، "شَیَّبَتْنِیْ ھُوْدٌ وَالْوَاقِعَۃُ وَالْمُرْسَلَاتُ ...... الحدیث" (مجھے سورۂ ھود، سورۂ واقعہ اور سورۂ مرسلات نے بوڑھا کر دیا) اور اس حدیث کو حسن اور غریب کہا ہے۔ (طحان)

بعضوں نے اس کو ''مرسل'' روایت کیا ہے
کسی نے اس کو ''موصول'' روایت کیا ہے
کسی نے اسے حضرتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ''مسند'' قرار دیا ہے
تو کسی نے اس کو حضرتِ سعد رضی اللہ عنہ سے ''مسند'' ٹھہرایا ہے
اور کسی نے اس کو سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ''مسند'' گردانا ہے

غرض ان کے علاوہ اور بھی اختلافات ہیں۔ جب کہ اس حدیث کے سب رواۃ ثقہ ہیں، کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا ممکن نہیں۔ اور جمع و تطبیق بھی متعذر اور دشوار ہے۔'' ❶

ب:......مضطرب المتن: (اس کی تعریف بھی اوپر قوسین میں بیان ہو چکی ہے) اور اس کی مثال ترمذی کی وہ حدیث ہے جو انھوں نے شریک سے روایت کی ہے جو یہ ہے:

''عن ابی حمزہ، عن الشعبیّ، عن فاطمة بنتِ قیس رضی اللہ عنہا قالت: ''سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنِ الزَّکٰوةِ فَقَالَ: ''اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکَاةِ۔'' ❷

''شریک ابوحمزہ سے، وہ شعبی سے اور فاطمہ بنتِ قیس رضی اللہ عنہا سے بیان کرتے ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی (بندوں کا) کچھ حق ہے۔''

(یہ تو امام ترمذی کی روایت ہوئی) اور ابن ماجہ نے بھی اس حدیث کو اس طریق سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

''لَیْسَ فِی الْمَالِ حَقٌّ سِوَی الزَّکٰوةِ۔'' ❸

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''مال میں زکوٰۃ کے سوا اور کوئی (واجب) حق نہیں ہے۔''

(ان دونوں روایات کو جو اسنادی قوت میں ہم پلہ ہیں، سامنے رکھتے ہوئے اور کسی وجہ ترجیح کو نہ پاتے ہوئے) عراقی کہتے ہیں: ''یہ ایسا اضطراب ہے جس کی تاویل نہیں ہو سکتی۔''

۵۔ اضطراب کن سے سرزد ہوتا ہے؟

الف:......کبھی تو اضطراب ایک ہی راوی سے سرزد ہوتا ہے، وہ یوں کہ وہ ایک ہی حدیث کو (ایک سے زیادہ) مختلف طریق سے روایت کرتا ہے۔

ب:......اور کبھی اضطراب (متعدد راویوں یعنی) ایک جماعت سے واقع ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک راوی

❶ تدریب الراوی ۱/ ۲۶۵ (طحّان)
❷ رواہ الترمذی، کتاب الزکوٰۃ ۳/ ۴۸ حدیث رقم ۶۰۹ بلفظہ (طحّان)
❸ رواہ ابن ماجہ، کتاب الزکاۃ ۱/ ۵۷۰ حدیث رقم ۱۷۸۹ بلفظہ (طحّان)

حدیث کو اس طریق سے روایت کرتا ہے جو دوسروں کی روایت کے مخالف ہوتا ہے۔

۶۔ حدیث مضطرب کے ضعیف ❶ ہونے کا سبب (کیا ہے):

حدیث مضطرب کے ضعیف ہونے کا سبب یہ ہے کہ (اس حدیث میں) پایا جانے والا اضطراب (خواہ وہ متن میں ہو یا سند میں) رواۃ کے عدمِ ضبط کی غمازی کرتا ہے (اور راوی کا عدمِ ضبط حدیث کے ضعیف اور مردود ہونے کا سبب ہوتا ہے)۔

۷۔ حدیث مضطرب کی مشہور تالیفات:

اس باب میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تالیف لطیف "المقترب فی بیان المضطرب" کو خاص شہرت حاصل ہے۔

۵...... حدیث مُصَحَّف

ا۔ حدیثِ مُصَحَّف کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "مُصَحَّف" "تصحیف ❷ (بروزن تفعیل) مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کا لغوی معنیٰ "صحیفہ" کے پڑھنے میں غلطی کرنا ہے اور اسی سے لفظِ "صَحَفِیّ" ہے۔ یہ اس شخص کو کہتے ہیں جو صحیفہ پڑھنے میں خطا کرے۔ ❸ چناں چہ غلط پڑھنے کی وجہ سے وہ بعض الفاظ کو بدل ڈالے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) تصحیف یہ حدیث کے کسی کلمہ کو ثقہ راویوں کے روایت کردہ لفظوں کے علاوہ سے لفظاً یا معنیً بدلنا ہے ❹ (یعنی مصحف وہ حدیث ہوگی جس کے کسی کلمہ کو ثقہ راویوں کے خلاف لفظی یا معنوی اختلاف کے ساتھ روایت کیا جائے)۔

۲۔ فنِ تصحیف کی دقت و اہمیت:

یہ بھی ایک بڑا جلیل القدر اور اہم فن ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ ان پوشیدہ غلطیوں کو سامنے لانے سے ہوتا ہے جو بعض راویوں سے سرزد ہوئی ہیں، اسی لیے اس کام کے لیے صرف انھی حفاظ علماء نے کمرِ ہمت باندھی جو فنِ حدیث

---

❶ مولف موصوف نے مضطرب کے ضعف کا سبب بیان کرنے کے ضمن میں اس کا حکم بھی بیان کردیا ہے اگرچہ پہلے شروط کے بیان میں مجمل جبکہ یہاں صراحۃً بیان کیا ہے کہ حدیثِ مضطرب ضعیف اور مردود ہوتی ہے جب کہ اس میں نہ تو تطبیق ممکن ہے اور نہ ترجیح اور اس کا مرتبہ مقلوب کے بعد کا ہے جیسا کہ گزشتہ میں "متروک" کے بیان میں حافظ ابن حجر کے قول میں بیان ہوا ہے۔ نعیم

❷ علامہ کیرانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

صَحَّفَ الْكَلِمَةَ حروف میں اشتباہ کی وجہ سے غلط پڑھنا یا لکھنا، اس کی وضع سے ہٹانا۔

صَحَفِيّ استاد کے بغیر صحیفہ اور کتاب سے علم حاصل کرنے والا (اور اسی بنا پر پڑھنے میں خطا کا مرتکب ہو)

مُصَحَّف تبدیل شدہ، اصل وضع سے ہٹا ہوا۔ (القاموس الوحید ص ۹۱۲ کالم نمبر ۲) نعیم

❸ القاموس المحیط لفیروز آبادی ج ۳/ ص ۱٦٦ (طحّان)

❹ نخبة الفکر ص ٤٩، وتوضیح الافکار، کلاهما بمعناه (طحّان)

میں عبقریت و حذاقت، اور (دقتِ نظر) جیسی اونچی صفات کے ساتھ متصف تھے۔ جیسے امام دارِ قطنی۔

۳۔ حدیث مصَحّف کی تقسیمات:

علماء محدثین نے حدیث مصحّف کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے، جن میں سے ہر ایک تقسیم ایک الگ اعتبار سے ہے۔ لیجئے! وہ تقسیمات یہ ہیں!

الف:......محل کے اعتبار سے تقسیم: حدیث مصحّف اپنے محل کے اعتبار سے دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ تصحیف فی الاسناد:......(یہ حدیث مصحف کی وہ قسم ہے جس میں تصحیف اس کی اسناد میں ہو) اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے شعبہ نے "عوام بن مُرَاجِم" سے روایت کیا ہے مگر ابن معین نے لفظِ مُرَاجِم کو "مُزَاحِم" بنا کر روایت کیا ہے۔

۲۔ تصحیف فی المتن:......(یہ حدیث مصحّف کی وہ قسم ہے جس کے متن میں تصحیف کی گئی ہو) اس کی مثال حضرت زید بن ثابت کی یہ حدیث ہے، "اَنَّ النَّبِیَّ اِحْتَجَرَ فِی الْمَسْجِدِ.........." جب کہ ابن لہیعہ نے اس میں تصحیف کرتے ہوئے یہ کہا: "اَنَّ النَّبِیَّ اِحْتَجَمَ فی المسجد.........." (کہ "اِحْتَجَرَ" کا معنی کسی شے کو (بچہ وغیرہ کو) گود میں لینا ہے جب کہ "اِحْتَجَمَ" کا معنی پچھنے لگوانا ہے)

(یہ پہلی تقسیم کی دو صورتیں ہوئیں۔ اب دوسری تقسیم کی تفصیل ملاحظہ کیجیے!)

ب:......منشا (اور باعث) کے اعتبار سے تقسیم: "حدیث مصحّف" منشا اور باعث کے اعتبار سے بھی دو قسموں میں تقسیم ہوتی ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ تصحیف بصر:......(یعنی وہ حدیث مصحف جس میں تصحیف کا سبب ضعف بصارت یا رداءتِ عبارت ہو کہ یا تو نگاہ اتنی کمزور ہو کہ لفظ صاف نہ دِکھتا ہو یا عبارت اس قدر خراب ہو کہ صحیح پڑھی نہ جاسکے۔ بہرحال) تصحیفِ بصر کا مطلب یہ ہے کہ قاری پر تحریر کا خط مشتبہ ہو جائے اور اس کا سبب چاہے خراب لکھائی ہو یا الفاظ پر نکتوں کا نہ ہونا ہو (مثلاً اگر لفظ مجرم کو بغیر نکتوں کے لکھا جائے تو کوئی اس کو مُحَرَّم بھی پڑھ سکتا ہے اور کوئی مُجرم بھی) اور زیادہ تر تصحیف کی یہی صورت (تصحیفِ بصر) پیش آتی ہے۔

اس کی مثال یہ حدیث ہے: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ وَاَتْبَعَهُ سِتًّا مِّنْ شَوَّالَ.........." (جس نے رمضان کے روزے رکھے اور ان کے پیچھے شوال کے چھ روزے بھی رکھے.........الحدیث)

مگر ابو بکر صُولی نے اس حدیث میں لفظ "سِتًّا" میں تصحیف کرتے ہوئے اس کو "شَیْئًا" بنا کر روایت کیا ہے۔ (اور ستًّا اور شیئًا میں جو فرق ہے وہ اہلِ علم پر مخفی نہیں)۔

۲۔ تصحیفِ سمع:......یعنی (یہ حدیث مصحّف کی وہ قسم ہے جس میں) تصحیف کا سبب یا تو (قوتِ سماعت کی (کمزوری اور) خرابی ہو یا سامع کا (محدث سے اتنا) دور ہونا ہو (کہ الفاظ صاف سنائی نہ دیتے ہوں) اور ان صورتوں میں سامع پر بعض کلمات "وزنِ صرفی" کے ایک ہونے کی وجہ سے مشتبہ ہو جائیں۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے جو "عَـاصِـمِ الْاَحْوَلِ" سے مروی ہے جس کو بعض لوگوں نے تصحیف کر کے "وَاصِلِ الْاَحْدَبِ" کر دیا ہے۔ (اور اس اشتباہ کا سبب عاصم اور واصل کا "فَـاعِل" کے وزن پر یعنی ایک وزن پر اور احول اور احدب کا "اَفْعَل" کے وزن پر ہونا ہے)

(اب حدیث مصحف کی تیسری تقسیم اور اس کی آگے مزید قسموں کا حال سنیے!)۔

ج:......لفظ یا معنی کے اعتبار سے تقسیم: حدیث مصحف کی لفظ اور معنی کے اعتبار سے بھی دو قسمیں ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ لفظوں میں تصحیف:...... تصحیف کی یہی صورت اکثر پیش آتی ہے۔ گزشتہ مذکورہ مثالیں لفظی تصحیف کی بھی ہیں۔

۲۔ معنی میں تصحیف:...... اس کی تفسیر یہ ہے کہ راویٔ مُصَحِّف (تصحیف کرنے والا) حدیث کے الفاظ (سے تو تعرض نہ کرے بلکہ ان) کو اپنے حال پر رہنے دے۔ مگر ان کا مطلب وہ بیان کرے جو اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ اس راوی نے اس لفظ کا مطلب کچھ اور سمجھا ہے (دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ راوی لفظ نہ بدلے مگر معنی بدل دے)۔

(اس کی نہایت دلچسپ مثال سمجھنے سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ "عَنَزَة" نام کا عربوں میں ایک قبیلہ بھی ہے اور "عنزہ" اس چھوٹی برچھی یا پھل دار لاٹھی کو بھی کہتے ہیں جس کو نمازی اپنے سامنے سترہ بنانے کی غرض سے گاڑ لیتا ہے۔ اب ایک حدیث میں جس میں ایک کھلے میدان میں نبی کریم ﷺ کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے، یہ آیا ہے کہ آپ ﷺ نے اس وقت سترہ بنانے کے لیے ایک "عنزہ" (چھوٹی برچھی) اپنے سامنے گاڑ لی اور اس کی طرف رخ فرما کر نماز ادا کی۔ حسنِ اتفاق سے ابوموسیٰ نامی ایک صاحب بھی گزرے ہیں جو "عنزہ" قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مذکورہ بالا نماز کا واقعہ پڑھ کر وہ کیا سمجھے ذیل میں ملاحظہ کیجیے!)

معنی میں تصحیف کی مثال، "ابوموسیٰ عنزی" کا یہ قول ہے، "ہم وہ قوم ہیں جنھیں ایک (ایسا) اعزاز حاصل ہے (جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں) وہ یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ہماری طرف رُخ فرما کر نماز ادا کی۔"

اس قول سے ابوموسیٰ عنزی کی مراد یہ حدیث ہے، "اَنَّ الـنَّبِیَّ صَلّٰی اِلٰی عَنَزَة" [1] نبی کریم ﷺ نے (ایک کھلے میدان میں) ایک لاٹھی (کو سترہ بنا کر زمین میں گاڑا اور اس) کی طرف رخ فرما کر نماز ادا کی۔"

کہ (اس حدیث میں لفظ "عَـنَـزَہ" پڑھ کر) ابوموسیٰ عنزی کو یہ وہم ہوا کہ شاید جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ان کے قبیلہ کی طرف رخ فرما کر نماز ادا کی تھی۔ حالاں کہ (یہاں) عنزہ (سے مراد عنزہ نامی قبیلہ نہیں بلکہ عنزہ) اس لاٹھی کو کہتے ہیں جسے نمازی اپنے سامنے (سترہ بنانے کی غرض سے) گاڑتا ہے۔"

۴۔ (حدیث مصحف کی بابت) حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تقسیم:

(یہ تو رہی حدیث مصحف کی تقسیمات کی ایک تفصیل) جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تصحیف کی ایک اور تقسیم بھی ذکر کی ہے اور (اس کے اعتبار سے) انھوں نے حدیث مصحف کی دو قسمیں بنائی ہیں، جو یہ ہیں:

[1] اَلْعَنَزَةُ۔ نیچے پھل لگا ہوا ڈنڈا۔ بوڑھوں کے ٹیک لگانے کی چھڑی۔ (القاموس الوحید ص ۱۱۳۲ کالم نمبر ۲) نسیم

الف:......مُصَحَّف: یہ حدیث کی وہ قسم ہے جس میں تبدیلی حروف کے نقطوں کے اعتبار سے ہو جب کہ خط اپنی صورت پر باقی ہو۔ ❶

ب:......مُحَرَّف:......یہ حدیث کی وہ قسم ہے جس میں تبدیلی حروف کی شکل کی اعتبار سے ہو جب کہ خط کی صورت باقی ہو۔ ❷

۵۔ کیا تصحیف کے ارتکاب سے راوی کی وثاقت مجروح ہو جاتی ہے؟

(یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس میں تفصیل ہے:)

الف:......اگر تو راوی سے تصحیف کا وقوع شاذ و نادر ہو تو اس سے اس کا ضبط مجروح نہیں ہوتا کیوں کہ خطا اور معمولی (اور قابلِ درگزر) تصحیف سے کوئی انسان خالی نہیں۔

ب:......البتہ جب راوی سے ایسا (بار بار اور) کثرت کے ساتھ ہو تو اس سے اس کا ضبط مجروح ہو جاتا ہے اور یہ اس کے ضبط کے کمزور ہونے کی دلیل بن جاتی ہے اور ایسا راوی (فن حدیث میں) اس شان کا نہیں رہتا (جس کی روایات مقبول ہوں)

۶۔ کسی راوی سے کثرت کے ساتھ تصحیف کیوں کر ہوتی ہے؟

تصحیف میں جا پڑنے کا غالب سبب احادیث کو اساتذہ اور شیوخ سے حاصل کرنے کی بجائے ان کو کتابوں اور صحیفوں سے حاصل کرنا ہے (جیسا کہ تصحیف کی لغوی تحقیق کے حوالہ سے گزشتہ میں حاشیہ میں بیان ہوا) اس لیے حضرات ائمہ کرام نے ایسے شخص سے (جو کتابوں سے حدیث اخذ کرتا ہو) حدیث لینے سے خبردار کیا ہے اور (واشگاف لفظوں میں) کہا ہے، "حدیث کو کسی "صَحَفِی" سے (ہرگز) نہ لیا جائے" یعنی جو کتابوں سے حدیث لیتا ہو (اس سے نہ لیا جائے)۔

۷۔ تصحیف پر مشہور تصنیفات:

الف:......"التصحیف" یہ امام دارقطنی رحمہ اللہ متوفی ۳۸۵ھ کی تالیف ہے۔

ب:......"اصلاح الخطاء المحدثین" یہ علامہ خطّابی رحمہ اللہ متوفی ۳۲۸ھ کا علمی جواہر پارہ ہے۔

❶ اس کو "مصحّف النقط" بھی کہتے ہیں اور اس کی مثال گزشتہ میں گزر چکی ہے جیسے لفظ مُراجم کو مُزَاحم بنا دینا کہ اس میں خط کی صورت (مراجم) تو باقی ہے مگر نقطوں کے مقامات بدل دیئے گئے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۸۷ بتصرفِ کثیر) نسیم

❷ اس کو "مصحف الشکل" بھی کہتے ہیں کہ اس میں خط کے اپنی صورت پر باقی رہتے ہوئے حروف کی شکل بدل جاتی ہے۔ اور اس سے مراد حروف کی حرکات کا بدلنا ہے۔ ورنہ حرف کی شکل بدلنے سے خط کی صورت کا بدلنا ناگزیر ہے۔ اس کی مثال حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہ لفظ ہے: "یوم کُلَاب" جس کو تصحیف کر کے بعض نے "یَوْمُ کِلَابٍ" پڑھ دیا ہے کہ دونوں صورتوں میں خط کی صورت باقی ہے۔ مگر حرکات بدلنے سے حروف کی صورت بدل گئی ہے کہ کُلَاب کا معنی ایڑ ہے جب کہ کِلَابٌ یہ "کلب" کی جمع ہے۔ اب پہلی بات کا مطلب یہ ہے کہ وہ دن ایڑ لگانے یعنی گھڑ سواری کے جوہر دکھانے کا دن تھا جب کہ دوسری بات کا مطلب بہت سخیف ہے کہ وہ "کتوں کا دن" تھا۔ واللہ اعلم۔ (ھذا ما استفدت من علوم الحدیث للاسعدی) یاد رہے کہ اکثر حضرات نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی اس تقسیم وتفریق کو تسلیم نہیں کیا بلکہ مصحف اور محرف کو ہم معنی اور ایک قسم قرار دیا ہے۔ (دیکھیں: حوالہ بالا حاشیہ نمبر ا، بحوالہ حاشیہ نزھۃ النظر از محمد غیاث الصباغ، ص: ۹۲......نسیم)

ج:...... "تصحیفات المحدثین" یہ ابو احمد عسکری رحمہ اللہ متوفی ۳۸۲ھ کی تالیفی یادگار ہے۔

حدیث مصحّف کی تقسیمات کا وضاحتی نقشہ

تقسیمات الحدیث المصحف

- باعتبار محل کے
  - تصحیف فی السند (مصحف الاسناد)
  - تصحیف فی المتن (مصحف المتن)
- باعتبار منشأ وسبب کے
  - تصحیف سمع
  - تصحیف بصر
- باعتبار لفظ یا معنی کے
  - تصحیف لفظ
  - تصحیف معنی

یہ چھ اقسام علی الترتیب یوں ہوں:

(۱) مصحّف الاسناد　　(۲) مصحف المتن

(۳) مصحّف السمع　　(٤) مصحّف البصر

(۵) مصحف اللفظ　　اور (٦) مصحف المعنیٰ

اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بیان کردہ دو قسمیں ملا کر کل آٹھ قسمیں بنیں۔ وہ دو یہ ہیں:

(۷) مُصحَّف (جس کو "مصحَّف النقط" بھی کہتے ہیں)

(۸) محرَّف (جس کو "مصحَّف الشکل" بھی کہتے ہیں۔ (نسیم)

(۸) راوی سے جہالت کا بیان [1]

ا۔ جہالت بالراوی کی تعریف:

الف:...... **لغوی تعریف:** لغۃً لفظ جہالت "جَهِلَ" فعل کا مصدر ہے (جس کے معنی نہ جاننا اور لاعلم ہونا ہیں) جو "عَلِمَ" (جاننے) کی ضد ہے۔ اور جہالت بالراوی سے مراد راوی سے عدم معرفت ہے۔

[1] یہ راوی میں اسبابِ طعن میں سے آٹھواں سبب ہے (طحان)
جو دراصل اسبابِ طعن متعلق بعدالت میں سے پانچواں سبب ہے۔ طعن کے اس سبب کو 'جہالتِ راوی' سے بھی موسوم کرتے ہیں اور اس سے مراد حدیث روایت کرنے والے کا سند میں مذکور کسی راوی سے لاعلم اور جاہل ہونا ہے خواہ اس کی ذات سے یا اس کے احوال سے جیسا کہ اوپر مفصلاً آ جاتا ہے۔ اسی لیے بندہ عاجز مترجم نے "جہالت بالراوی" کا ترجمہ "راوی کی جہالت" سے نہیں بلکہ 'راوی سے جہالت' یعنی 'راوی سے لاعلم ہونا' کے ساتھ کیا ہے: "کما لا یخفی علی ذی الفہم" نسیم

ب:...... **اصطلاحی تعریف**: (اصطلاحِ محدثین میں یہ) راوی کی ذات یا حال سے لاعلم ہونا ہے۔

۲۔ جہالت بالراوی کے اسباب:

جہالت بالراوی کے تین بنیادی اسباب ہیں، جو یہ ہیں:

الف:...... راوی کی کثرتِ صفات: (یعنی جن الفاظ وکلمات سے راوی کو ذکر کیا جاتا ہے ان کی کثرت ہونا) جیسے راوی کے نام یا کنیت یا لقب، یا وصف یا پیشہ یا نسب وغیرہ کے ذکر کی کثرت ہونا مگر خود راوی ان میں سے کسی ایک کے ساتھ معروف ہوتا ہے۔ چناں چہ کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے اسے اس کے غیر معروف نام یا لقب وغیرہ کے ساتھ ذکر کیا جائے جس سے اسے کوئی اور راوی گمان کیا جانے لگے۔ یوں ایسا کرنے سے راوی کے حال سے لاعلمی اور جہالت حاصل ہوتی ہے (اور وہ راوی مجہول بن جاتا ہے)۔

ب:...... راوی کی قلت روایت: (راوی سے جہالت کا ایک سبب یہ ہے کہ) اس کی قلت روایت کی وجہ سے اس سے اکثر حدیث نہ لی جاتی ہو (یعنی اس سے نقلِ روایت کا سلسلہ بہت محدود ہو) بلکہ بسا اوقات تو اس سے روایت کرنے والا صرف ایک ہی شخص ہوتا ہے۔

ج:...... راوی کے نام کو صراحۃً ذکر نہ کرنا: یعنی اختصار وایجاز وغیرہ کی غرض سے اس کا پورا نام ذکر نہ کیا جائے۔ ایسے راوی کو جس کا نام صراحت کے ساتھ سند میں مذکور نہ ہو "مبہم" کہتے ہیں۔

۳۔ جہالت بالراوی کی تینوں اقسام کی علی الترتیب مثالیں:

الف:...... راوی کی کثرتِ صفات کی مثال: اس کی دلچسپ مثال مشہور راویٔ حدیث، "محمد بن سائب بن بشر کلبی" ہیں کہ بعض نے انھیں ان کے دادا کی طرف منسوب کرکے محمد بن بشر کہہ دیا

کسی نے انھیں حماد بن سائب کا نام دے دیا

بعض نے انھیں ان کی کنیت "ابونضر" کے ساتھ ذکر کیا

اور کسی نے ان کی کنیت "ابوسعید" بتلائی ہے

اور بعض نے ان کی کنیت "ابوھشام" قرار دی ہے۔

غرض اتنے متعدد ناموں سے ذکر کیے جانے پر ان سب ناموں کو رواۃ کی ایک جماعت سمجھا جانے لگا تھا حالاں کہ یہ سب نام ایک ہی شخص کے ہیں۔

ب:...... خود راوی کے کم روایت کرنے اور اس سے روایت کرنے والوں کے کم ہونے کی مثال: اس کی مثال "ابو العُشَرَاء دارمی" تابعی ہیں کہ ان سے روایت کرنے والوں میں صرف "حماد بن سلمہ" کا نام آتا ہے۔

ج:...... راوی کے نام کی عدمِ صراحت کی مثال: اس کی صورت راوی کا یہ کہنا ہے، "اَخْبَرَنِیْ فُلَانٌ" یا "اَخْبَرَنِیْ شَیْخٌ"، یا "رَجُلٌ" ...... کہ مجھے فلاں نے یا ایک نے بیان کیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۴۔ ''مجہول'' کی تعریف:

''مجہول اُس راوی کو کہتے ہیں جس کی ذات یا صفت معلوم نہ ہو۔''

مطلب یہ ہے کہ مجہول وہ راوی ہوتا ہے جس کی ذات یا شخصیت غیر معروف ہو یا شخصیت تو معروف ہو مگر اس کی صفت غیر معروف ہو اور اس سے مراد اس کی عدالت یا ضبط سے لاعلم ہونا ہے۔

۵۔ مجہول کی اقسام:

ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''مجہول'' کی تین اقسام ہیں، جو یہ ہیں:

الف:...... (پہلی قسم) ''مجہول العین''

(۱) مجہول العین کی تعریف:

یہ اس راوی کو کہتے ہیں جس کا نام تو (اسناد میں) مذکور ہو مگر اس سے روایت کرنے والا فقط ایک ہی شخص ہو (جیسے ''ابوالعشر اء داری'' کہ اسناد میں ان کا نام تو مذکور ہے مگر ان سے روایت کرنے والے صرف حماد بن سلمہ ہیں)

(۲) مجہول العین کی روایت کا حکم:

ایسے راوی کی روایت غیر مقبول ہوتی ہے البتہ اگر کوئی ماہر محقق اس کی وثاقت بیان کردے تو اس کی روایت مقبول ہوگی۔

(۳) مجہول العین کی توثیق کیوں کر ہوتی ہے؟:

اس کی توثیق درج ذیل دو امروں میں سے کسی ایک کے ذریعے ہوسکتی ہے:

الف:...... یا تو اس سے روایت کرنے والے کے سوا کوئی دوسرا راوی اس کی وثاقت بیان کردے۔

ب:...... یا خود روایت کرنے والا ایسے مجہول راوی کی توثیق کردے بشرطیکہ وہ جرح وتعدیل بیان کرنے کی اہلیت ولیاقت اور استعداد رکھتا ہو۔ (یعنی وہ فنِ جرح وتعدیل کا ماہر ہو)۔

(۴) کیا ''مجہول العین'' کی حدیث کا کوئی خاص نام ہوتا ہے؟:

ایسے راوی کی حدیث کا (اصطلاح محدثین میں) کوئی خاص نام نہیں ہوتا، البتہ اس کو ضعیف حدیث کی ایک نوع کہہ سکتے ہیں۔

ب:...... (دوسری قسم) ''مجہول الحال''

(اس کو ''مستور الحال'' ❶ بھی کہتے ہیں)

❶ اور ایک تیسرا نام "مجھول الصفة" بھی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۹۸)

(۱) "مجہول الحال" کی تعریف:

یہ اس راوی کو کہتے ہیں جس سے دو یا دو سے زیادہ لوگ روایت کرنے والے ہوں مگر (خود ایسا راوی ثقہ نہ ہو وہ یوں کہ) اس کی توثیق منقول نہ ہو۔

(۲) مجہول الحال کی روایت کا حکم:

اس کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ ایسے راوی کی حدیث مردود ہے جیسا کہ جمہور سے منقول ہے۔

(۳) کیا اس کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟

ایسے راوی کی حدیث کا بھی کوئی خاص نام نہیں۔ اسے ضعیف کی ایک نوع کہہ سکتے ہیں۔

ج: (تیسری قسم) مُبْهَم:

ہم مبہم راوی کو مجہول کی ایک نوع بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ حضرات محدثین نے ایسے راوی کو ایک خاص نام (مبہم) سے پکارا ہے لیکن اس کی حقیقت مجہول کی حقیقت سے ملتی جلتی ہے۔

(۱) مُبْهَم کی تعریف:

یہ اس راوی کو کہتے ہیں جس کا نام حدیث (کی اسناد) میں صراحۃً ذکر نہ کیا گیا ہو۔

(۲) مُبْهَم کی روایت کا حکم:

اس کی روایت غیر مقبول ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ یا تو خود اس سے روایت کرنے والا اس کے نام کی تصریح کردے یا کسی دوسرے طریق میں اس کے نام کے صراحۃً مذکور ہونے سے اس کا نام معلوم ہو جائے۔

اور اس کی روایت کے رد ہونے کا سبب اس کی ذات کی جہالت ہے کیوں کہ جس کا نام مبہم ہوگا، اس کی ذات اور شخصیت مجہول ہوگی اور اس کی عدالت تو بدرجہء اولی مجہول ہوگی (کہ جس کی ذات معلوم نہیں اس کے احوال اور ضبط و عدالت کیوں کر معلوم ہوگی) جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کی روایت غیر مقبول ہوگی۔

(۳) اگر راوی "مروی عنہ" کو تعدیل کے لفظوں کے ساتھ مبہم ذکر کرے تو کیا اس صورت میں اس کی روایت مقبول ہوگی؟

اور اس کی صورت یہ ہے کہ مثلاً اس مبہم راوی سے روایت کرنے والا یوں کہے، "أَخْبَرَنِي الثِّقَةُ" "مجھے ایک ثقہ نے بیان کیا۔"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ زیادہ صحیح (یعنی اصح) قول کے مطابق ایسے مبہم راوی کی روایت بھی مقبول نہ ہوگی کیوں کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس سے روایت کرنے والے کے نزدیک تو یہ ثقہ ہوتا ہے مگر دوسروں کے نزدیک ثقہ نہیں ہوتا۔

(۴) کیا مبہم راوی کی حدیث کا کوئی خاص نام ہے؟

جی ہاں! اس کی حدیث کا ایک خاص نام ہے اور وہ "مُبْهَم" ہے اور "حدیث مبہم" وہ حدیث کہلاتی ہے جس (کی

اسناد) میں ایک راوی مذکور ہو جس کے نام کی صراحت نہ کی گئی ہو۔

امام عمر بن محمد بیقونی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۸۰ھ اپنی معروف تالیف "المنظومة البيقونية" میں "حديث مبهم" کا ذکر اس بیت میں کرتے ہیں:

۶: وَ مُبْهَمٌ مَا فِيْهِ رَاوٍ لَمْ يُسَمّ"

"اور مبہم وہ حدیث ہے جس میں ایک ایسا راوی ہو جس کا نام نہیں لیا گیا"

۶۔ اسبابِ جہالت پر لکھی جانے والے مشہور کتب:

(ذیل میں سببِ جہالت میں سے ہر ایک پر لکھی جانے والی کتابوں کی علی الترتیب علیحدہ علیحدہ تعارف کروایا جاتا ہے)

الف:......(جہالت کا پہلا سبب) راوی کی کثرتِ صفات: اس موضوع پر علامہ خطیب بغدادی نے "مُوْضِحُ اَوْهَامِ الجمعِ والتفريقِ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔

ب:......(جہالت کا دوسرا سبب) راوی کی قلت روایت: اس موضوع پر "كتب الوحدان" کے نام سے متعدد کتب لکھی گئی ہیں۔ یعنی وہ کتابیں جو ان رواۃ کے ذکر پر مشتمل ہیں جن میں صرف ایک شخص نے حدیث کو روایت کیا۔ ان کتابوں میں ایک معروف اور اہم کتاب امام مسلم رحمہ اللہ متوفی ۲۶۱ھ کی "كتاب الوحدان" ہے۔

ج:......(جہالت کا تیسرا سبب) اسمِ راوی کی عدمِ تصریح: اس باب میں بھی "الْمُبْهَمَات" کے عنوان سے متعدد کتابیں سپردِ قلم کی گئی ہیں مثلاً

خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی "اَلْاَسْمَاءُ الْمُبْهَمَةُ فِى الْاَنْبَاءِ الْمُحْكَمَةِ" اور

ولی الدین عراقی رحمہ اللہ کی "اَلْمُسْتَفَادُ مِنْ مُبْهَمَاتِ الْمَتْنِ وَالْاِسْنَادِ"

(۹) بدعت ❶

۱۔ بدعت کی تعریف:

الف:......بدعت کی لغوی تعریف: لفظ بدعت "بَـــدَعَ" فعل کا مصدر ہے جس کا معنی نئی چیز پیدا کرنا ہے جیسے "اِبْتَدَعَ" کا بھی یہی معنی ہے (یعنی نئی چیز جاری کرنا اور ایجاد کرنا) کما فی القاموس المحیط۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (علماء اور فقہاء کی اصطلاح میں) بدعت دین کے کامل ہو جانے کے بعد اس میں کسی نئی بات کے نکالنے کو کہتے ہیں یا بدعت اس خواہشِ نفس اور عمل کو کہتے ہیں جو جنابِ رسالت مآب ﷺ کے وفات پا جانے کے بعد ایجاد کر لیا گیا ہو۔ ❷

۲۔ بدعت کی اقسام:

(علماء اور فقہاء نے) بدعت کی (بنیادی طور پر) دو قسمیں (بیان کی) ہیں:

الف:......بـدعـتِ مُکَفِّرَةٌ : یہ وہ بدعت ہے جس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے جیسے ایسا اعتقاد بنا لینا جو کفر کو مستلزم ہو۔

اس باب میں معتمد اور معتبر قول یہ ہے کہ اس بدعتی کی روایت مردود ہوتی ہے جو شرع شریف کے کسی ایسے امر کا انکار کرے جو متواتر ہو اور اس کا ضروریاتِ دین میں سے ہونا معلوم اور معروف ہو، یا وہ اس امرِ متواتر و ضروری کے خلاف عقیدہ رکھتا ہو۔ ❸ (کہ ایسے شخص پر تکفیر کا حکم بھی جاری ہوگا اور اس کی روایت بھی مردود ہوگی) ❹

ب: بدعتِ مُفَسِّقه:

یعنی اس کے مرتکب کو فاسق (تو) کہا جائے (مگر کافر یا دائرۂ اسلام سے خارج نہ کہا جائے) اور یہ بدعتی وہ شخص ہوتا جس کی بدعت اپنی اصل کے اعتبار سے کفر کو مقتضی نہیں ہوتی۔ ❺

---

❶ یہ راوی میں طعن کا اسباب میں سے نواں سبب ہے (طحّان)
جو دراصل اسبابِ طعن متعلق بعدالت میں سے پانچواں سبب ہے۔ نسیم

❷ خواہش نفس سے مراد جھوٹے اور باطل اعتقادات و نظریات ہیں اور اعمال سے مراد بطور عبادت و سنت کے ایجاد کردہ وہ افعال ہیں جن کو نبی کریم ﷺ اور حضراتِ صحابہ کے ادوار کے بعد نکالا گیا ہو۔ نسیم ❸ دیکھیں النخبة و شرحها ص ۵۲ (طحّان)

❹ علماء اور فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے متواترات اور ضروریاتِ دین کا انکار کفر ہے۔ نسیم

❺ گویا یہ ایسی بدعت ہوتی ہے جس کا اعتقاد کرنا یا اس پر عمل کرنا گمراہی کا سبب ہوتا ہے، اس کے تحت وہ سب امور داخل ہیں جنھیں خود سے دین کی حیثیت دے کر دین میں زبردستی شامل کی سعی نامشکور کی گئی ہو یا ان کی وجہ سے دین کے کسی حکم کے مرتبہ کو گھٹایا یا بڑھایا گیا ہو (علوم الحدیث، ص: ۲۰۱ بتصرف) نسیم

۳۔ بدعتی کی روایت کا حکم:

(بدعتی کی روایت کا حکم اس کی بدعت کے حسبِ حال ہوگا۔ چناں چہ)

الف:......اگر تو وہ بدعتِ مکفرہ کا مرتکب ہے تو (بلا تأمل) اس کی روایت مردود ہوگی۔

ب:......اور اگر وہ بدعتِ مفسقہ کا عامل یا معتقد ہے تو اس بابت صحیح قول جس پر جمہور ہیں، یہ ہے کہ اس کی روایت دو شرطوں کے ساتھ مقبول ہوگی:

۱۔ وہ اپنی بدعت کی دوسروں کو دعوت نہ دیتا ہو۔

۲۔ وہ ایسی بات روایت نہ کرے جو اس کی بدعت کی ترویج کرے (اور اس روایت سے اس کی بدعت کو تائید اور سندِ جواز ملتی ہو)۔

۴۔ کیا بدعتی کی روایت کا کوئی خاص نام ہے؟

بدعتی کی روایت کا کوئی خاص نام نہیں۔ البتہ اس کی حدیث ''مردود'' کی ایک قسم گنی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ (گزشتہ میں) آپ جان چکے ہیں اور اس حدیث کو انھی شروط کے ساتھ قبول کیا جائے گا جو ابھی مذکور ہوئیں۔

(۱۰) حافظہ کی خرابی [1]

۱۔ ''سَیِّءُ الْحِفْظ'' (یعنی خراب حافظے والے راوی) کی تعریف:

یہ اس راوی کو کہتے ہیں جس کے درستی کے پہلو کو اس کی خطا کے پہلو پر ترجیح نہ دی جاسکے۔ [2]

۲۔ سَیِّءُ الْحِفْظ راوی کی اقسام:

ایسے راوی کی دو قسمیں ہیں، جو یہ ہیں:

الف:......یا تو اس کی یادداشت اور حافظے کی خرابی کا سبب اس کے ساتھ ابتدائے حیات (یعنی بچپن) سے ہی ہوگا اور وہ سبب زندگی کے سب حالات میں اسے لاحق رہا ہوگا۔ بعض محدثین کی رائے ہے کہ اس کی روایت کو ''شاذ'' کہتے ہیں۔

ب:......یا حافظے کا بگاڑ اسے (بچپن سے نہیں بلکہ) بعد میں لاحق ہوا ہوگا۔ خواہ اس کی وجہ عمر رسیدگی ہو یا بینائی چلے جانا یا اس کی کتابوں کا جل (کر ضائع ہو) جانا ہو۔ ایسے شخص کو ''مُخْتَلَط'' کہتے ہیں۔ (یعنی وہ شخص جس کا حافظہ درست ہونے کے بعد گڑبڑ اور خلط ملط ہوگیا)۔

---

[1] یہ راوی میں طعن کے اسباب میں سے دسواں سبب ہے (طحّان)
اور اسبابِ طعن متعلق بضبط میں سے دوسرا سبب ہے۔ نسیم

[2] نزھة النظر ص ۵۳ (طحّان)

[3] یاد رہے کہ راویءِ مختلَط کی حدیث کو بھی ''مُخْتَلَط'' ہی کہتے ہیں (علوم الحدیث، ص: ۲۰۳ بحوالہ نزھة النظر ص ۵۱) نسیم

۳۔ سَیّءُ الْحِفْظ کی روایت کا حکم:

(چوں کہ ایسا راوی دو حال سے خالی نہیں اس لیے اس کی روایت کا حکم بھی حسبِ حال ہوگا۔ لہٰذا)

الف: ......پہلی قسم کا راوی جس کا حافظہ شروع سے ہی خراب چلا آ رہا ہے اس کی روایت مردود ہوگی۔

ب: ......رہ گیا "راویٔ مختَلَط" تو اس کی روایت کے حکم میں تفصیل ہے، جو یہ ہے:

۱۔ ایسے راوی کی وہ احادیث جو حافظہ میں اختلاط پیدا ہونے سے پہلے کی ہوں اور انھیں دوسری احادیث سے ممتاز بھی کیا جاسکتا ہو، وہ مقبول ہوں گی۔

۲۔ اور وہ روایات جو اختلاط کے بعد کے زمانہ کی ہوں وہ مردود ہوں گی۔

۳۔ اور وہ احادیث جن میں یہ امتیاز نہ ہو سکے کہ وہ اس راوی کے اختلاط لاحق ہونے سے پہلے کی ہیں یا بعد کی ہیں، ان میں امتیاز حاصل ہونے تک ان میں توقف کیا جائے گا۔ ❶ (پھر امتیاز کے بعد یا تو وہ مقبول کے تحت داخل ہوں گی یا "مردود" شمار ہوں گی)۔

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جواب تحریر کیجیے۔

۱۔ کبھی لفظِ علت کا اطلاق اپنے غیر اصطلاحی معنی پر بھی ہوتا ہے۔ کیسے؟

۲۔ علت کو کیسے تلاش کیا جاسکتا ہے اور اس کی پہچان کیسے ممکن ہے؟

۳۔ کیا علت سند کے ساتھ متن کو بھی مجروح کرتی ہے؟

۴۔ درج ذیل پر نوٹ لکھیں:

حدیث مقلوب، حدیث مضطرب

۵۔ اِدراجِ حدیث کی کتنی صورتیں ہیں۔ مثال سے واضح کریں؟

۶۔ ادراج کے اسباب بیان کیجیے۔

۷۔ مقلوب، مدرج اور المزید فی متصل الاسانید میں کیا فرق ہے؟

۸۔ تصحیف کے ارتکاب سے راوی کی وثاقت پر کیا اثرات پڑتے ہیں؟

۹۔ تصحیف اور تحریف میں کیا فرق ہے؟

۱۰۔ حدیث مجہول پر ایک مختصر نوٹ لکھیں۔

---

❶ شاید مولف موصوف نے طوالت کے خوف سے اس باب کی مشہور تصنیفات اور امثلہ کو ذکر نہیں کیا بندہ عاجز مترجم بھی اسی بناء پر یہ تفصیل قلم انداز کرتا ہے۔ شائقین حضرات اصل مآخذ کی مراجعت کرلیں۔ نسیم

اس موضوع پر عمدہ ترین کتاب ابوالبرکات زین الدین ابن الکیال (۹۲۹ء) کی "الكواكب النيرات في معرفة من الرواة الثقات" ہے۔ (ابوسفیان)

۱۱۔ جہالت بالراوی کے اسباب کیا ہیں؟

۱۲۔ مجہول العین کسے کہا جاتا ہے؟ نیز اس راوی کی روایت کا کیا حکم ہے؟

۱۳۔ جہالت کے بارے میں لکھی گئی کتب کا مختصر تعارف کروائیے۔

۱۴۔ بدعتِ مکفرہ کسے کہتے ہیں؟ نیز ہمارے یہاں پائی جانے والی بدعات بدعت کی کس قسم سے تعلق رکھتی ہیں؟

۱۵۔ سَیِّءُ الحفظ راوی کی روایت کا حکم بیان کیجیے۔

مندرجہ ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کیجیے۔

۱۔ جب راوی میں طعن کا سبب .... ہو تو پھر اس حدیث کو معلل کا نام دیا جاتا ہے۔

۲۔ حدیث مصحف کو.......... بھی کہتے ہیں۔

۳۔ ادراج کی .... اقسام ہیں۔

۴۔ مدرج الاسناد وہ حدیث ہے کہ جس کی اسناد کے .... کو بدل دیا جائے۔

۵۔ حدیث کے آخر میں ادراج نسبتا .... ہوتا ہے۔

۶۔ حدیث مقلوب کی دو بڑی قسمیں .... اور .... ہیں۔

۷۔ حدیث مقلوب میں .... کا نام نمایاں ہے۔

۸۔ مضطرب کا معنی .... ہے۔

۹۔ مضطرب کی .... اقسام ہیں۔

۱۰۔ مجہول الحال کو .... بھی کہتے ہیں۔

۱۱۔ مبہم .... حدیث کو کہتے ہیں۔

۱۲۔ مقلوب حدیث صحت وضعف کے اعتبار سے .... سے تعلق رکھتی ہے۔

۱۳۔ لفظی تصحیف نسبتا .... پائی جاتی ہے۔

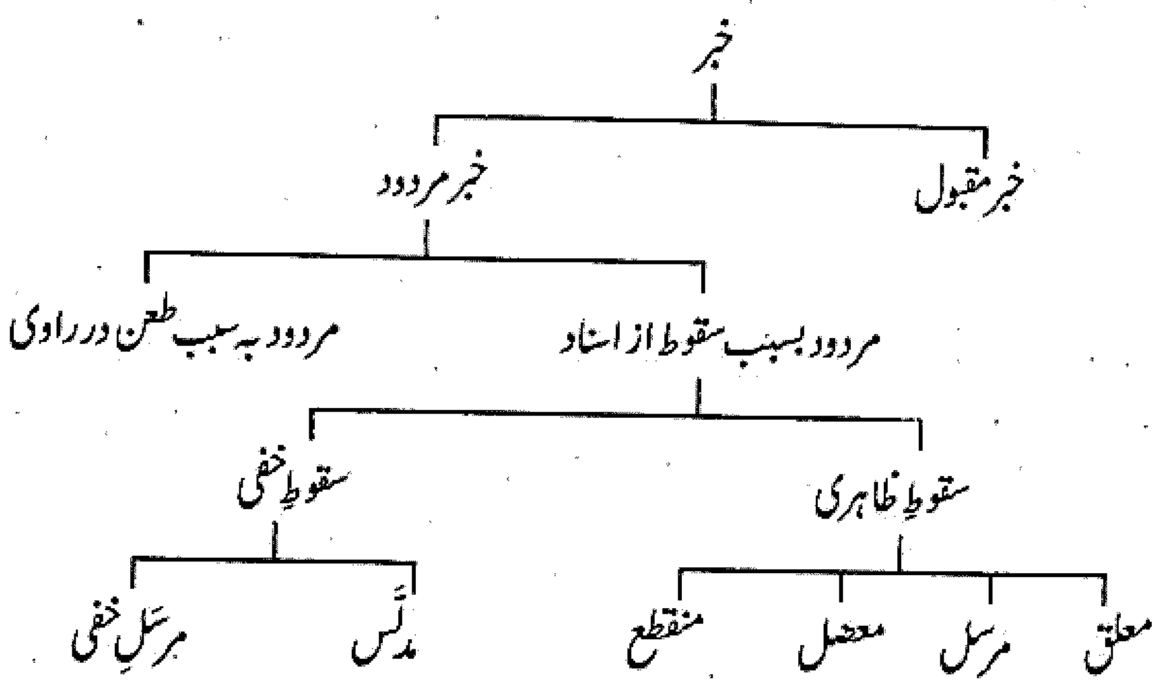
۱۴۔ بدعت مکفرہ کے ارتکاب سے انسان .... ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ اگر کسی بدعتی راوی کی روایت اس کی بدعت کو تقویت نہ دے رہی ہو تو وہ .... ہوتی ہے۔

عملی کام:...... مندرجہ ذیل حدیث کے کچھ الفاظ کو محققین مدرج قرار دیتے ہیں۔ ان الفاظ کی نشان دہی کیجیے، نیز ادراج کا سبب بھی بتائیے:

"عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ اِنَّ اُمَّتِیْ یَاْتُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اِسْبَاغِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یُطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ."

خبر اور اس کی تقسیمات کا اجمالی خاکہ (نقشہ)



تنبیہ اوّل

اس خاکہ میں دراصل صرف اس ''مردود خبر'' کی اقسام بیان کی گئی ہیں جو اسناد سقوط کی وجہ سے مردود ہو جب کہ آگے ایک اور مُفصّل نقشہ آ رہا ہے۔

تنبیہ دوم

یہاں تک کی مباحث ''بابِ اوّل در بیانِ خبر'' کی تین فصلوں میں سے دو فصلوں تک کی تفصیلات پر مشتمل تھیں۔ آئندہ اوراق میں بابِ اوّل کی ''فصل سوم'' اور اس کی متعلقہ مباحث کو بیان کیا جائے گا۔ نسیم

فصل سوم

مقبول اور مردود کے درمیان مشترک خبر آحاد کا بیان

اس میں دو اصولی مباحث ہیں:

بحث اوّل:.....خبر کی تقسیم مسند الیہ کے اعتبار سے (یعنی اس ذات کے اعتبار سے جس کی طرف حدیث کی نسبت کی گئی ہے)

بحث دوم:.......احادیث کی دوسری متفرق انواع کا بیان جو مقبول اور مردود کے درمیان مشترک ہیں۔

بحث اوّل

خبر کی مسند الیہ کے اعتبار سے تقسیم

اس میں چار مطالب کو بیان کیا جائے گا:

مطلب اوّل:	حدیث قدسی کا بیان
مطلب دوم:	حدیث مرفوع کا بیان
مطلب سوم:	حدیث موقوف کا بیان
مطلب چہارم:	حدیث مقطوع کا بیان

مطلب اوّل.......حدیث قدسی

۱۔ حدیث قدسی کی تعریف:

الف:.....لغوی تعریف: لفظ "قُدْسِيٌّ" "القُدْس" کی طرف نسبت کر کے بولتے ہیں جس کا معنی "پاکیزگی" ہے (کما فی القاموس المحیط)❶ یعنی وہ حدیث جو "ذاتِ قدسیہ" کی طرف منسوب ہو اور وہ ذات اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (اصطلاحِ محدثین میں) یہ اس حدیث کا نام ہے جو ہم تک جناب رسالت مآب ﷺ

❶ القاموس المحیط لفیروز آبادی ۱/ ۲٤۸ (طحّان)

سے نقل ہو کر پہنچی ہو اور اس میں نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ تک اپنی اسناد کو بیان بھی فرما رہے ہوں۔ ❶

۲۔حدیث قدسی اور قرآنِ کریم میں فرق:

علماء نے حدیث قدسی اور قرآن کریم میں متعدد فروق بیان کیے ہیں جن میں چند مشہور فروق یہ ہیں:

الف:.....قرآن کے لفظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں جب کہ حدیث قدسی کے معنی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور اس کے لفظ نبی کریم ﷺ کے ہوتے ہیں۔

ب:.....قرآن کریم کے الفاظ کا پڑھنا (اور پڑھانا دونوں) عبادت ہیں جب کہ حدیث قدسی کی تلاوت عبادت نہیں (گو اس کے پڑھنے میں ثواب ضرور ہے۔اور کارِ ثواب کا عبادت ہونا لازمی نہیں)۔

ج:.....قرآن کریم (کے الفاظ) کے ثبوت کے لیے تواتر شرط ہے جب کہ حدیث قدسی کے ثبوت کے لیے تواتر شرط نہیں۔

(علماء نے ان کے علاوہ بھی چند اہم فروق کو بیان کیا ہے ❷ جنھیں متعلقہ مبحث میں دیکھا جا سکتا ہے)

۳۔احادیث قدسیہ کی تعداد:

بہ نسبت دوسری احادیثِ نبویہ کے احادیث قدسیہ کی تعداد اس قدر زیادہ نہیں۔ان کی تعداد تقریباً دو سو ہے۔ ❸

۴۔حدیث قدسی کی مثال:

اس کی مثال مسلم شریف کی وہ روایت ہے جو حضرتِ ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے اور نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے اور اسے تم لوگوں کے درمیان (بھی) حرام قرار دیا ہے پس تم ایک دوسرے پر ستم مت ڈھاؤ!............'' ❹

۵۔حدیث قدسی روایت کرنے کے صیغے:

حدیث قدسی روایت کرنے والا ان دو تعبیروں میں سے جس کو چاہے اختیار کر کے روایت کر سکتا ہے، جو یہ ہیں:

---

❶ الرسالة المستطرفة ص۸۱، قواعد التحديث ص٦٥ (طحّان)

❷ جیسے مثلاً قرآن کریم معجزہ ہے جب کہ حدیث قدسی کا یہ معیار نہیں، قرآن کا منکر کافر ہے حدیثِ قدسی کا نہیں جب کہ وہ متواتر نہ ہو، قرآن کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے جب کہ حدیثِ قدسی کی نماز میں تلاوت کی اجازت نہیں، سارا قرآن حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے نازل ہوا، جب کہ حدیث قدسی کبھی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطے سے نازل ہوئی اور کبھی آپ ﷺ کو اس کا الہام کر دیا گیا یا خواب وغیرہ دوسرے ذرائع وحی سے آپ ﷺ تک پہنچا دی گئی۔قرآن کے الفاظ حتمی ہیں جب کہ حدیثِ قدسی میں جناب رسول اللہ ﷺ کو الفاظ کے انتخاب کا اختیار ہوتا تھا۔ وغیر ذلک (علوم الحدیث، ص: ۳۹۔۴۰ بتصرفٍ) نسیم

❸ جب کہ بعض حضرات نے ان کی تعداد ۸۶۳ تک بتلائی ہے اور ساتھ ہی یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ اگر جستجو کی جائے تو ان کی تعداد میں اضافہ ہو سکتا ہے (علوم الحدیث، ص: ۴۰) نسیم

❹ رواه مسلم ـ كتاب البر و الصلة: ٤/ ١٩٩٤ حديث رقم ٥٥ بلفظه (طحّان)

الف:......"قال رسول الله ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یرویہ عن ربہ عزّوجلّ" یعنی نبی کریم ﷺ رب تعالیٰ سے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔"............یا

ب:......"قال الله فیما رواہ عنہ رسولُهٗ صلی الله علیہ وسلم" یعنی "ارشاد باری تعالیٰ ہے جسے اللہ کے رسول نے رب تعالیٰ سے بیان کیا ہے۔" ❶

۶۔ احادیث قدسیہ پر مشہور تصنیفات:

اس باب میں امام عبدالرؤف مُناوی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۳۱ھ کی تالیفِ لطیف، "الاتحافات السَّنِیَّةُ بالاحادیث القُدْسِیَّةِ" کو خاص شہرت حاصل ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ نے اس میں ۲۷۲ احادیثِ قدسیہ کو جمع کیا ہے۔

مطلب دوم ......حدیث مرفوع

ا۔ حدیثِ مرفوع کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ مرفوع "رَفَعَ" فعل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے (جس کا معنی ہے اٹھانا) جو "وَضَعَ" کی ضد ہے (جس کا معنی گھٹانا، درجہ گرانا اور پست کرنا ہے) اور اس حدیث کا یہ نام گویا کہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس کی نسبت بلند و برتر مقام کی مالک ایک ہستی کی طرف ہے اور وہ رسالت مآب ختمی الرتبت صاحبِ کوثر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔

ب:......اصطلاحی تعریف: یہ وہ قول یا فعل یا تقریر یا صفت (یعنی حال) ہے جس کی نسبت نبی کریم ﷺ کی طرف کی گئی ہو۔ ❷

۲۔ تعریف کی شرح:

یعنی مرفوع وہ حدیث ہے جس کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہو چاہے یہ منسوب کی جانے والی حدیث نبی کریم ﷺ کا قول ہو یا فعل ہو یا تقریر ہو یا حال ہو اور چاہے منسوب کرنے والا صحابی ہو یا ان سے نیچے کا کوئی فرد (جیسے تابعی) ہو اور چاہے اس کی اسناد متصل ہو یا منقطع لہٰذا اقسام احادیث میں موصول، مرسل، متصل اور منقطع وغیرہ

---

❶ حدیث قدسی ان الفاظ سے بھی روایت کر سکتے ہیں، "قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الله تعالیٰ" یعنی "نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں" البتہ حدیثِ قدسی کبھی حدیثِ نبوی کا جز بن کر بھی آجاتی ہے پھر کبھی تو اس سے پہلے ارشاد خداوندی کی تصریح ہوتی ہے اور کبھی یہ بات سیاق کلام سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ (علوم الحدیث، ص:۱۴۱ ملخصاً) نسیم

❷ علوم الحدیث لابن الصلاح - معرفة المرفوع - ص ٤٥ بنحوه (طحّان)
تقریر سے مراد کسی قول یا فعل کو ہوتے یا کرتے دیکھ کر جناب رسول اللہ ﷺ کا اس پر سکوت فرما کر اس کی تائید کرنا ہے اور صفت یعنی حال سے مراد جسمانی اور اخلاقی احوال ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ٤٢ بتصرف) نسیم

سب مرفوع کی تعریف میں داخل ہوگی۔ یہی حدیث مرفوع کی مشہور حقیقت ہے۔ البتہ حدیث مرفوع کی حقیقت اور تعریف میں کچھ اور اقوال بھی ہیں۔

۳۔ مرفوع ❶ کی اقسام:

مذکور بالا تعریف (اور اس کی شرح) سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حدیث مرفوع کی چار قسمیں ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ مرفوع قولی ۲۔ مرفوع فعلی

۳۔ مرفوع تقریری اور

۴۔ مرفوع وصفی یا حالی۔ ❷ (ان میں سے ہر ایک مثال کو ذیل میں علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے)

۴۔ مرفوع کی (چاروں اقسام کی) مثالیں:

الف:......مرفوعِ قولی کی مثال: جیسے کسی صحابی یا غیرِ صحابی کا یہ کہنا: "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَا..........." "نبی کریم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا......"

ب:......مرفوع فعلی کی مثال: جیسے کسی صحابی یا غیر صحابی کا یہ کہنا "فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَذَا..........." "نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا.........."

ج:......مرفوع تقریری کی مثال: جیسے کسی صحابی یا غیر صحابی کا یہ کہنا، "فُعِلَ بِحَضْرَةِ النبيِّ كذا" "نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں یہ کیا گیا" اور وہ صحابی یا غیر صحابی اس روایت میں اس فعل پر نبی کریم ﷺ کے انکار فرمانے کو ذکر نہ کرے۔

د:......مرفوع وصفی کی مثال: جیسے کسی صحابی یا غیر صحابی کا یہ کہنا کہ، "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم أَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا" "نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے۔"

❶ مرفوع کی اصولی طور پر دو قسمیں ہیں مرفوع حقیقی اور مرفوع حکمی۔ مذکورہ اقسام مرفوع حقیقی کی ہیں اور مرفوع حکمی کا تفصیلی بیان آگے آ رہا ہے۔ نسیم

❷ ان چاروں اقسام کی تعریفات درج ذیل ہیں:

مرفوعِ قولی: یہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا کوئی ارشاد منقول ہو، خواہ لفظِ قَالَ کے ذریعے جیسا کہ متن میں بیان ہوا اور یہی اکثر ہے یا قول کے مفہوم پر مشتمل کسی لفظ ذریعے۔ جیسے أَمَرَ، نَهىٰ، قَضىٰ اور حَكَمَ وغیرہ

مرفوعِ فعلی: یہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا کوئی عمل بیان ہوتا ہے خواہ لفظِ فَعَلَ اور عَمِلَ کے ذریعے خواہ دوسرے کسی لفظ کے ذریعے جیسے تَوَضَّأَ، صَلّٰى، نَامَ اور اعْتَكَفَ وغیرہ۔

مرفوعِ تقریری یہ وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں یا مجلس وموجودگی میں کسی کام کے کیے جانے یا اس کے ذکر ہونے کا ذکر ہو اور آپ ﷺ سے اس پر انکار منقول نہ ہو۔

مرفوعِ وصفی: یہ وہ حدیث ہے جس میں آپ ﷺ کے جسمانی یا روحانی واخلاقی اوصاف واحوال میں سے کسی کا تذکرہ ہو۔ (علوم الحدیث، ص: ۴۳ ملخصاً وبتصرف) نسیم

مطلب سوم ...... حدیث موقوف

۱۔ حدیث موقوف کی تعریف:

الف: ...... لغوی تعریف: لفظ "موقوف" یہ "وَقْف" مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے (جس کا معنی ہے روکنا) گویا کہ راوی نے حدیث کو صحابی تک (پہنچا کر) روک دیا اور اسناد کے باقی سلسلہ کو آگے تک نہ چلایا۔

ب: ...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) یہ وہ قول یا فعل یا تقریر ہے جس کو کسی صحابی کی طرف منسوب کیا جائے۔ ❶

۲۔ تعریف کی شرح:

یعنی یہ وہ حدیث ہے جس کی نسبت یا اسناد کسی ایک صحابی یا جماعتِ صحابہ کی طرف کی جائے۔ چاہے وہ منسوب ہونے والی حدیث کوئی قول یا فعل یا تقریر ❷ ہو اور چاہے اس کی سند ان تک متصل ہو یا منقطع۔ (مذکورہ تشریح سے حدیث موقوف کا تین اقسام پر ہونا مستفاد ہوا جن کی مثالیں درج ذیل ہیں)

۳۔ حدیث موقوف کی (تین اقسام کی) مثالیں:

الف: ...... موقوفِ قولی کی مثال: جیسے راوی کا یہ کہنا

"قَالَ عَلِيُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ رضی اللہ عنہ: "حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ" ❸

"حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، "لوگوں سے وہ بیان کرو جو وہ جانتے ہیں کیا (مشکل مشکل اور پیچیدہ باتیں سنا کر) تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا جائے۔"

ب: ...... موقوفِ فعلی کی مثال: جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ قول، "وَاَمَّ ابْنُ عَبَّاسٍ وَهُوَ مُتَيَمِّمٌ" ❹ "حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تیمم کی حالت میں نماز کی امامت فرمائی۔"

ج: ...... موقوفِ تقریری کی مثال: جیسے کسی تابعی کا یہ قول، "فَعَلْتُ كَذَا اَمَامَ اَحَدِ الصَّحَابَةِ ولم يُنْكِرْ

---

❶ علوم الحدیث لابن الصلاح ۔ معرفة الموقوف، ص: ٤٦۔ (طحّان)

❷ یہاں وصف کو ذکر نہیں کیا کیوں کہ کسی صحابی کے قول یا فعل یا تقریر کے پس منظر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر سے استدلال تو ہو سکتا ہے لیکن کسی صحابی کا وصف یعنی جسمانی حلیہ یا ذاتی احوال وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔ اور اس لحاظ سے حدیث موقوف کی تین اقسام بنیں، جن کا ذکر اوپر متن میں آ جاتا ہے، رہ گئی ان اقسام کی تعریفات تو ان کو حدیثِ مرفوع کی اقسام کی ذکر کردہ تعریفات سے اخذ کیا جا سکتا ہے۔ ہم اختصار کی غرض سے اس تفصیل کو بیان نہیں کرتے۔ نسیم

❸ رواه البخاري۔ کتاب العلم ۱/ ۲۲۵ حدیث رقم ٤٩ بلفظه (طحّان)

❹ رواه البخاري ۔ کتاب التیمم۔ باب الصعيد الطيب وضوء المسلم" ۱/ ٤٤٦ (طحّان)

عَلَیَّ" "میں نے ایک صحابی کے سامنے ایسا ایسا کیا مگر انھوں نے میرے اس فعل پر انکار نہ کیا۔"

۴۔ لفظ "موقوف" کا ایک دوسرا استعمال (یا دوسرا مصداق):

لفظِ موقوف غیر صحابی سے منقول امور پر بھی بولا جاتا ہے۔ مگر یہ (بات علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ) مقید ❶ ہے۔ مثلاً یوں کہا جائے: "هٰذَا حَدِيْثٌ وَقَفَهُ فُلَانٌ عَلَى الزُّهْرِيِّ اَوْ عَلٰى عَطَاءٍ" "اس حدیث کو فلاں نے زہری یا عطا پر موقوف کر کے روایت کیا ہے۔" ❷

۵۔ (حدیث موقوف کی بابت) فقہاءِ خراسان کی (مخصوص) اصطلاح:

(درج ذیل تفصیل سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ) فقہاءِ خراسان (نے مرفوع اور موقوف میں فرق بیان کرنے کے لیے ایک نئی اصطلاح بنائی ہے وہ یہ کہ وہ)

الف:......حدیث مرفوع کو: خبر

ب:......اور حدیث موقوف کو: اثر کہہ کر پکارتے ہیں

حالاں کہ (جمہور) محدثین ان دونوں قسم کو (اس تخصیص کے ساتھ الگ الگ قسم شمار نہیں کرتے، بلکہ ہر ایک کو) "اثر" کہتے ہیں (جیسا کہ "تعریفاتِ اوّلیّہ" میں یہ بات گزر چکی ہے کہ محدثین دونوں کو اثر کہتے ہیں) کیوں کہ لفظ "اثر" "اَثَرْتُ الشَّيْءَ" سے ماخوذ ہے جس کے معنی "روایت کرنا اور بیان کرنا" ❸ ہیں۔ (لہٰذا روایت ہونے کے اعتبار موقوف اور مرفوع دونوں اثر ہیں)۔

۶۔ حدیثِ موقوف کی کچھ ایسی فروعی صورتیں جو حکم کے اعتبار سے مرفوع ہیں:

احادیث کی کچھ صورتیں ایسی ہیں جو بظاہر اپنے الفاظ کے ساتھ اور شکل کے اعتبار سے تو موقوف لگتی ہیں مگر ایک ماہر نقاد محدّث جب انتہائی باریک بینی سے اس کی حقیقت کا جائزہ لیتا ہے تو وہ اسے حدیث مرفوع کے معنی میں پاتا ہے۔ ❹ اسی لیے علماء محدثین نے ایسی (موقوف) حدیث کو "مرفوع حکمی" کے نام سے پکارا ہے۔ یعنی احادیث کی یہ صورتیں لفظوں میں تو موقوف ہیں مگر حکم کے اعتبار سے مرفوع کا درجہ رکھتی ہیں۔

مرفوعِ حکمی کی چند صورتیں:

الف:......مثلاً ایک صحابی جو اہل کتاب سے روایات لینے میں معروف نہ ہو، وہ ایک ایسی بات کہے جس میں نہ تو

❶ آگے مذکورہ مثال سے لفظ مقیّد کی تشریح یہ سمجھ میں آتی ہے کہ غیر صحابی میں سے ہر ایک پر حدیث کو موقوف کرنا درست نہیں بلکہ اس کا تابعی ہونا شرط ہے یا اس کے نام کی صراحت ہو اور وہ ثقہ اور معتمد راوی ہو۔ واللہ اعلم۔ نعیم۔

❷ زہری اور عطا دونوں اجل اور کبار تابعین میں سے ہیں (طحان)

❸ کما فی "القاموس الوحید"، ص: ۱۰۸ کالم رقم ۳ "أَثَرَ الحدیث" بات نقل کرنا، روایت کرنا۔ نعیم

❹ یعنی بظاہر لفظوں میں وہ حدیث نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب نہ ہو مگر کسی وجہ سے وہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہی نسبت رکھتی ہوتی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ٤٤ بتصرف) نعیم

اجتہاد کی گنجائش ہو [1] اور نہ اس کا تعلق بیانِ لغت یا "غریب" (نامانوس) الفاظ کی تشریح سے ہی ہو مثلاً

ا۔ وہ امورِ ماضیہ کی خبر دے، جیسے تخلیق کی ابتداء بیان کرے (مثلاً یہ بتائے کہ زمین وآسمان کب بنائے گئے۔ پہلے کیا بنا، بعد میں کیا بنا، آخر میں کیا بنا وغیرہ وغیرہ)

ب:...... یا مستقبل کے امور کی خبر دی۔ جیسے (آئندہ ہونے والی) جنگوں، (برپا ہونے والے) فتنوں اور قیامت کے احوال وغیرہ کو بیان کرے۔

۳۔ یا کسی فعل پر ملنے والے مخصوص ثواب کی خبر دے (کہ ظن وتخمین اور عقل واندازہ سے اس قدر ثواب متعیّن کرنا ممکن نہ ہو) یا کسی فعل (بد) پر (ملنے والی) مخصوص سزا کی خبر دے جیسے وہ صحابی یوں کہے، "جس نے یہ یہ عمل کیا اسے اتنا اتنا اجر ملے گا۔" (یا کسی گناہ پر اتنا عذاب ملے گا وغیرہ)

ب:...... یا کوئی صحابی ایسا کام کرے جس میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نمازِ کسوف کی ہر رکعت میں دو سے زائد رکوع کرنا۔

ج:...... یا صحابی یہ خبر دے کہ "وہ لوگ یوں کہا کرتے تھے یا یوں کیا کرتے تھے یا اس فعل میں صحابہ کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ (آگے اس کی دو صورتیں ہیں کہ)

ا۔ پھر اگر تو وہ صحابی اس بات کو عہدِ رسالت کی طرف منسوب کرتا ہے تو صحیح یہ ہے کہ وہ حدیث "مرفوع" ہے جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے کہ، "ہم عہدِ رسالت میں عزل کرلیا کرتے تھے۔" [2]

۲۔ اور اگر وہ صحابی اس فعل یا قول کو عہدِ رسالت کی طرف منسوب نہیں کرتا تو جمہور کے نزدیک وہ حدیث "موقوف" ہے۔ جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول کہ، "ہم لوگ جب کوئی چڑھائی چڑھتے تھے تو تکبیر پڑھتے تھے اور جب کسی نشیبی جگہ میں اترتے تھے تو "سُبْحَانَ اللّٰهِ" پڑھتے تھے" [3] (کہ یہ حدیث جمہور کے نزدیک موقوف ہے کیوں کہ اس میں اس فعل کو عہدِ رسالت کی طرف منسوب نہیں کیا گیا)

د:...... یا کوئی صحابی یہ کہے، "ہمیں اس بات کا حکم دیا گیا"، یا "ہمیں اس بات سے روکا گیا" یا "یہ بات سنت میں سے ہے۔" مثلاً بعض صحابہ کا یہ قول کہ، "بلال رضی اللہ عنہ کو اس بات کا حکم دیا گیا کہ وہ کلماتِ اذان کو تو دو دو مرتبہ جب کہ اقامت کے کلمات کو ایک ایک مرتبہ کہیں۔" [4]

جیسے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا یہ کہنا، "ہمیں جنازوں کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا البتہ ہم پر اس کو واجب نہیں

---

[1] یعنی اس کو مجتہدانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر اجتہاد واستنباط سے معلوم کرنا ناممکن ہو۔ نیّم

[2] البخاری ۔ کتاب النکاح ۔ حدیث رقم ۵۲۰۷ ، ورواہ مسلم ۔ کتاب النکاح حدیث رقم ۱۳۷ (طحّان)

[3] البخاری ۔ کتاب الجهاد ۔ حدیث رقم ۲۹۹۳ (طحّان)

[4] البخاری۔ کتاب الاذان۔ حدیث رقم ۶۰۷، ومسلم۔ کتاب الصلوۃ حدیث رقم ۲ (طحّان)

کیا گیا۔" ❶

اور جیسے ابو قلابہ کا حضرتِ انس سے مروی یہ قول، "یہ بات سنت میں سے ہے کہ جب آدمی شادی شدہ پر کنواری لڑکی بیاہ کر لائے تو اس کے پاس سات راتوں تک ٹھہرے" ❷ (یعنی پہلے ایک بیوی ہو جس سے ہم بستری کر چکا ہو پھر ایک کنواری لڑکی سے دوسری شادی کرے تو مسلسل سات راتوں تک اس کے پاس قیام کرے پھر بعد میں ان کے دونوں کے درمیان باریاں مقرر کرے)۔

ھ:......یا حدیث کا راوی صحابی کا ذکر آنے پر ان چار کلمات میں سے ایک کلمہ کہے، (۱) یَرْفَعُهُ " (۲) "یَنْمِیهِ (۳) یَبْلُغُ بِه (۴) رِوَایَةً۔ جیسے اعرج کی حدیث جس کی اسناد یہ ہے: "الاعرج عن ابی هریرة رِوَایَةً" "لا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تُقَاتِلُوْا قَوْمًا صِغَارَ الْاَعْيُنِ" ❸ اعرج حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایۃً نقل کرتے ہیں کہ، "قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم ایک چھوٹی آنکھوں والی قوم کے ساتھ قتال نہ کرلو۔"

و:......یا صحابی ایسی تفسیر بیان کرے جس کا تعلق سببِ نزول سے ہو، جیسے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ قول، "یہود کہا کرتے تھے کہ جو شخص اپنی بیوی کی شرمگاہ میں پیچھے کی طرف سے آیا تو اس کا بچہ بھینگا پیدا ہوگا۔" اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: "نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ...." ❹ (البقرۃ ۲۲۳) "تمھاری بیویاں تمھاری کھیتیاں ہیں۔"

(غرض ان سب صورتوں میں ایسی حدیث اگر صورۃً موقوف بھی ہوگی تو بھی حکماً مرفوع کہلائے گی)

۷۔ کیا حدیث موقوف قابل استدلال واحتجاج ہوتی ہے؟:

آپ جان چکے ہیں کہ حدیث موقوف کبھی صحیح ہوتی ہے تو کبھی حسن اور کبھی ضعیف۔ لیکن جب تک اس کا صحیح ہونا ثابت نہ ہو آیا اس پر عمل کرنا واجب ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث موقوف میں اصل اس پر وجوبِ عمل کا نہ ہونا ہے کیوں کہ (دراصل) یہ صحابہ کے اقوال وافعال ہیں، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائیں تو بعض ضعیف احادیث کی تقویت کا سبب بن جاتے ہیں جیسا کہ مرسل کے بیان میں گزر چکا ہے۔ کیوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سنت پر عامل تھے۔

یہ تفصیل تو اس وقت ہے جب حدیث موقوف "مرفوع" کے حکم میں نہ ہو۔ البتہ جب حدیث موقوف ایسی ہو جو حکماً مرفوع ہو تو وہ حجت اور دلیل ہے اور اس پر حدیث مرفوع کی طرح عمل کرنا واجب ہے۔

---

❶ البخاری ۔ کتاب الجنائز حدیث رقم ۱۲۷۸، ومسلم۔ کتاب الجنائز حدیث رقم ۳۵ (طحّان)

❷ البخاری۔ کتاب النکاح۔ حدیث رقم ۔ ۵۲۱٤ (طحّان)

❸ البخاری ۔ کتاب الجهاد۔ حدیث رقم ۲۹۲۹ (طحّان)

❹ رواہ مسلم ۔ کتاب النکاح۔ حدیث رقم ۱۱۷ بمعناه (طحّان)

جملہ اقسام خبر کا مفصّل خاکہ (نقشہ)

(جن میں صرف مقطوع کا ذکر ابھی باقی ہے)

خبر اور اس کی تقسیمات

- ہم تک نہ پہنچنے کے اعتبار سے خبر کی تقسیم
  - متواتر
    - لفظی متواتر
    - معنوی متواتر
  - آحاد
    - تقسیم باعتبار عدد طرق
      - مشہور
      - عزیز
      - غریب
    - تقسیم باعتبار قوت وضعف
      - مقبول
        - تقسیم باعتبار مراتب
          - صحیح
            - لذاتہ
            - لغیرہ
          - حسن
            - لذاتہ
            - لغیرہ
        - تقسیم باعتبار معمول بہ وغیر معمول بہ
          - معمول بہ
            - محکم
            - ناسخ
          - غیر معمول بہ
            - مختلف الحدیث
            - منسوخ
      - مردود
        - مردود بہ سبب سقوط از سند
          - سقوط ظاہری
            - ۱۔ معلق
            - ۲۔ مرسل
            - ۳۔ معضل
            - ۴۔ منقطع
          - سقوط خفی
            - مدلس
            - مرسل خفی
        - مردود بہ سبب طعن در راوی
          - طعن در عدالت
            - ۱۔ کذب
            - ۲۔ تہمت کذب
            - ۳۔ فسق
            - ۴۔ بدعت
            - ۵۔ جہالت
          - طعن در ضبط
            - ۱۔ فحش غلط
            - ۲۔ سوء حفظ
            - ۳۔ غفلت
            - ۴۔ کثرۃ اوہام
            - ۵۔ مخالفت ثقات
              - مدرج
              - مقلوب
              - المزید فی متصل الاسانید
              - مضطرب
              - مصحف
- مسند الیہ کی طرف نسبت کے اعتبار سے خبر کی تقسیم
  - حدیث قدسی
  - حدیث مرفوع
  - حدیث موقوف
  - حدیث مقطوع

(از مؤلف علامہ محمود طحان)

مطلب چہارم ...... حدیث مقطوع

۱۔ حدیثِ مقطوع کی تعریف:

الف: ...... لغوی تعریف: لفظ مقطوع "قَطَعَ" فعل سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے (جس کے معنی ہیں کٹا ہوا، جدا کیا ہوا) اور یہ "وَصَلَ" کی ضد ہے (جس کے معنی ہیں ملانا اور جوڑنا)

ب: ...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) یہ وہ قول و فعل ہے جس کی کسی تابعی یا اس کے نیچے کے راوی کی طرف نسبت ہو۔ ❶

۲۔ تعریف کی شرح:

یعنی یہ وہ قول و فعل ہے جس کی تابعی یا تبع تابعی کی طرف نسبت یا اسناد کی جائے البتہ (یہاں یہ بات مدِّنظر رہے کہ) "مقطوع" اور ہے اور "منقطع" اور کیوں کہ "مقطوع" متن کی صفت ہے جب کہ "منقطع" اسناد کی صفت ہے۔ ❷ یعنی "حدیث مقطوع" تابعی یا اس سے نیچے کے راوی کا کلام ہوتا ہے اور کبھی (حدیث مقطوع کی) سند مذکورہ تابعی تک بھی متصل ہوتی ہے۔

اور اس بنا پر یہ معلوم ہوا کہ منقطع وہ حدیث ہے جس کی سند غیر متصل ہو اور اس کا حدیث کے متن سے کوئی تعلق نہ ہو (جب کہ مقطوع وہ ہے جو کسی تابعی یا اس کے نیچے کے راوی کا کلام ہوتا ہے خواہ اس کی سند متصل یا غیر متصل)

۳۔ حدیث مقطوع کی مثالیں:

(چوں کہ یہ حدیث کسی تابعی یا تبع تابعی کا قول یا فعل ہوتا ہے اس لیے اصولی طور پر اس کی قسمیں بھی دو بنیں گی (۱) مقطوع قولی اور یہ وہ حدیث ہے جس میں کسی تابعی یا تبع تابعی کا قول مذکور ہو (۲) مقطوع فعلی اور یہ وہ حدیث ہے جس میں کسی تابعی یا تبع تابعی کا کوئی فعل مذکور ہو۔ اب ذیل میں ان دونوں قسموں کی مثالیں ملاحظہ کیجیے!) ❸

الف: ......"مقطوعِ قولی" کی مثال: اس کی مثال حسن بصری کا بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنے کی بابت یہ قول ہے، "صَلِّ وَعَلَیْهِ بِدْعَتُهُ" ❹ "تم (اس بدعتی کے پیچھے) نماز پڑھ لو اس کی بدعت کا وبال اس کے سر پڑے گا۔"

---

❶ دیکھیں "النخبة ٥٩" اور تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی صحابی سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملاقات کی ہو اور پھر اپنے اسلام پر ہی مر گیا ہو (طحان) یاد رہے کہ یہ ابن حجر رحمہ اللہ اور خطیب کی اصطلاح ہے کہ حدیثِ مقطوع غیر تابعی کی طرف منسوب قول و فعل کو بھی کہتے ہیں مگر ابن صلاح نے اس کی تردید کی ہے اور اس کو نووی اور سخاوی وغیرہ نے اختیار کیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ٤٩ (حاشیہ صفحہ ھذا) ملخصاً) نسیم

❷ یعنی قطع "متن" میں اور انقطاع "سند" میں پایا جاتا ہے۔ نسیم

❸ اگرچہ مؤلف موصوف نے "مقطوع" کی قسمیں بیان نہیں کیں بلکہ ان کی صرف امثلہ پیش کرنے پر اکتفاء کیا ہے مگر امثلہ کے ضمن میں ان کی اقسام بھی مستفاد ہوتی ہیں کما هو ظاهر۔ نسیم

❹ رواه البخاري۔ كتاب الاذان۔ باب امامة المفتون والمبتدع ٢/ ١٨٨ (طحّان)

ب:......مقطوع فعلی کی مثال: اس کی مثال ابراہیم بن محمد بن منتشر کا یہ قول ہے، ''مسروق (جب نماز کا وقت آ جاتا تھا تو) اپنے اور گھر والوں کے درمیان پردہ گرا دیتے اور پھر نماز کی طرف متوجہ ہوتے اور ان کو دنیا کے حوالے کر (کے خود کو یادِ الٰہی میں غرق کر) دیتے تھے۔'' ❶

۴۔حدیث مقطوع سے استدلال کرنے کا حکم:

حدیث مقطوع کو احکامِ شرعیہ میں سے کسی کے لیے بھی حجت اور دلیل نہیں بنایا جا سکتا چاہے اس کی قائل کی طرف نسبت بھی صحیح ہو کیوں کہ یہ کسی ایک مسلمان کا قول یا فعل ہوتا ہے، پھر اگر تو کوئی قرینہ اس کے مرفوع ہونے کا ہو مثلاً کوئی راوی تابعی کے ذکر کے وقت "یَرْفَعُہٗ" کے کلمات کہہ دے، تو اس وقت اس مقطوع حدیث کو ''مرفوعِ مرسل'' کے حکم میں شمار کیا جائے گا۔ ❷

۵۔کیا مقطوع کا منقطع پر اطلاق کر سکتے ہیں؟:

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام طبرانی رحمہ اللہ وغیرہ جیسے بعض حضرات نے لفظِ ''مقطوع'' بول کر اس سے ''منقطع'' کو مراد لیا ہے یعنی ''مقطوع'' کا منقطع پر، جس کی سند متصل نہ ہو، اطلاق کیا ہے۔ مگر یہ اصطلاح غیر مشہور ہے۔ (مشہور یہی ہے کہ یہ دونوں حدیث کی الگ الگ قسمیں ہیں جیسا کہ پیچھے بیان ہو چکا ہے) امام شافعی رحمہ اللہ کی طرف سے (ان کے اصحاب نے) یہ عذر پیش کیا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہ قول اصطلاحات کے (وضع اور) مستحکم ہونے سے پہلے کا ہے البتہ طبرانی رحمہ اللہ (کے بارے میں یہ عذر خواہی ممکن نہیں، کیوں کہ ان کے دور تک اصطلاحات مرتب و مدون ہو چکی تھیں، اس لیے ان) کے (مقطوع کے منقطع پر) اطلاق کو ''اصطلاح میں توسع اور چشم پوشی'' گردانا جائے گا۔

۶۔احادیث موقوفہ و مقطوعہ کے مآخذ (جہاں انھیں ڈھونڈا جا سکتا ہے):

الف:......مُصَنَّفُ ابْنِ اَبِی شِیْبَۃَ

ب:......مُصَنَّفُ عَبْدِ الرَّزَّاقِ

ج:......ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابن منذر کی تفسیریں

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیجیے:

۱۔ قرآن مجید اور حدیث قدسی کے مابین کیا فرق ہے؟

❶ رواہ ابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء: ۲/ ۹٦ (طحان)

❷ اور یہ سمجھا جائے گا کہ اس تابعی کو اس کا علم حضرات صحابہ کے واسطے سے ہوا ہے مگر موقع بیان میں ان کا نام نہیں لیا۔ البتہ اگر حدیثِ مقطوع حکم کے اعتبار سے مرسل نہ ہو تو ''موقوف'' بالاتفاق نہ ہوگی۔ اور بعض حضرات کچھ تفصیل کے ساتھ اس کو حجت و دلیل بنانے کے بھی قائل ہیں (علوم الحدیث ملخصاً وبتصرفٍ، ص: ۵۰) نعیم

۲۔ احادیث قدسیہ کے لیے کون سے صیغے استعمال ہوتے ہیں؟

۳۔ مرفوع حدیث کی وجہ تسمیہ کیا ہے؟

۴۔ حدیث مرفوع میں صفت سے کیا مراد ہے؟ اور کیا صفت کا عملی زندگی سے تعلق ہوسکتا ہے؟

۵۔ مرفوع حکمی کی پہچان کے لیے محدثین نے کیا شروط بیان کی ہیں؟

مندرجہ ذیل جملوں میں سے صحیح اور غلط کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ معروف قول کے مطابق احادیث قدسیہ کی تعداد تقریبا چھ سو دس ہے۔

۲۔ مرفوع حدیث ضعیف نہیں ہوسکتی۔

۳۔ بنیادی طور پر مرفوع حدیث کی دو اقسام ہیں؛ حقیقی، حکمی۔

۴۔ مرفوع اور موقوف احادیث کی اقسام تعداد میں ایک سی ہیں۔

۵۔ موقوف حدیث پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

۶۔ مقطوع متن کی صفت ہے جب کہ منقطع کا تعلق سند سے ہے۔

عملی کام :......حدیث کی جس کتاب کا مطالعہ آپ کر رہے ہیں۔ اس میں دیکھیے کہ احادیث کی زیادہ تعداد فعلی احادیث سے تعلق رکھتی ہے یا قولی وتقریری وغیرہ سے۔

عملی کام :......لائبریری کا رخ کیجیے اور ریسرچ کیجیے کہ فقہا خراسان سے کون لوگ مراد ہیں؟ اس کے لیے آپ فیروزی کی "طبقات الفقھاء" سے مدد لے سکتے ہیں۔

بحث دوم

احادیث کی دوسری متفرق انواع کا بیان جو مقبول اور مردود کے درمیان مشترک ہیں

یہ بحث چار مطالب پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں:

مطلب اوّل:......مسند کا بیان

مطلب دوم:......متصل کا بیان

مطلب سوم:......زیاداتِ ثقات کا بیان

مطلب چہارم:......اعتبار، متابع اور شاہد کا بیان

ا......حدیث مُسْنَد

ا۔حدیثِ مسند کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ مُسنَد "اَسْنَدَ" فعل سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی نسبت کرنا اور منسوب کرنا ہے۔

ب: ......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) مسند وہ حدیث ہے جو مرفوع ہو اور اس کی سند نبی کریم ﷺ تک متصل ہو۔ ❶ (یا مسند وہ مرفوع حدیث ہے جس کی سند نبی کریم ﷺ تک متصل ہو)

۲۔حدیث مسند کی مثال:

اس کی مثال بخاری شریف کی یہ روایت ہے:

" قال: حدثنا عبداللہ بن یوسف عن مالك عن ابی الزناد، عن الاعرج عن ابی هريرة قَالَ: اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: "اِذَا شَرِبَ الْكَلْبُ فِيْ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ فَلْيَغْسِلْهُ سَبْعًا" ❷

"امام بخاری فرماتے ہیں ہمیں عبداللہ بن یوسف نے مالک سے، انھوں نے ابوزناد سے انھوں نے اعرج سے، انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے، "جب کتا تم میں سے کسی کے برتن سے پی جائے تو چاہیے کہ وہ اس برتن کو سات مرتبہ تک دھوئے۔"

پس یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کی سند شروع سے آخر تک متصل ہے اور یہ نبی کریم ﷺ تک مرفوع ہے۔ ❸

---

❶ اگرچہ مسند کی اور بھی تعریفات بیان کی گئی ہیں مگر حاکم نے اس تعریف کو قطعی قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "نخبة الفكر ص۵۹" میں اس پر اعتماد اور یقین کا اظہار کیا ہے (طحّان)

❷ رواه البخاری۔ کتاب الوضوء ۔ ۱/ ۲۷٤ حدیث رقم ۱۷۲ بلفظه (طحّان)

❸ اور جو حدیث متصل بھی ہو اور مرفوع بھی، اس کا حکم واضح ہے کہ وہ مقبول بھی ہے اور محلِ استدلال بھی یا ور احکام شرعیہ اور مسائل فقہیہ میں لائق احتجاج واستنباط بھی ہے۔ نسیم

۲......حدیث: مُتَّصِل

۱۔حدیثِ متّصل کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ متّصل "اِتَّـصَـلَ" فعل سے (جو مثال واوی از بابِ افتعال ہے) اسم فاعل کا صیغہ ہے (جس کا معنی ہے ملا ہوا ہونا، ملنا اور جڑنا) اور یہ "اِنْـقَطَعَ" کی ضد ہے (جس کا معنی کٹنا اور الگ ہونا ہے) حدیث کی اس نوع کو "موصول" کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) متّصل وہ حدیث ہے جس کی سند متصل ہو (کہ اس کے تمام رواۃ مذکور ہوں، کوئی ذکر سے رہ نہ گیا ہو) چاہے وہ حدیث مرفوع ہو یا موقوف اور جس پر چاہے موقوف ہو (چاہے صحابی پر اور چاہے تابعی پر) ❶

۲۔حدیث متّصل کی مثال:

(چوں کہ حدیث متصل "مرفوع" بھی ہو سکتی ہے اور "موقوف" بھی جیسا کہ تعریف میں مذکور ہوا۔ اس لیے اس کی دو بنیادی قسمیں بنیں، جن میں سے ہر ایک کی مثال کو ذیل میں بیان کیا ہے)۔

الف:......متّصلِ مرفوع کی مثال: جیسے، "مـالك عـن ابـن شهـابٍ ، عن سالم بن عبدالله ، عن ابيه ، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم انه قال كذا ...... الحديث" ❷

ب:......متّصل موقوف کی مثال: جیسے: "مـالك عـن نـافـع ، عـن ابـن عـمر انـه قال كذا............ الحديث۔ ❸

۳۔کیا کسی تابعی کے قول کو حدیث متّصل کہہ سکتے ہیں؟

علامہ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "رہے تابعین کے اقوال جب کہ ان کی اسانید ان تک متّصل ہوں تو حالت اطلاق میں (یعنی اتصال کی تصریح کے بغیر) انھیں حدیث متّصل نہیں کہہ سکتے البتہ قید کے ساتھ انھیں حدیث متّصل کہہ سکتے ہیں اور ان کے کلام میں ایسا واقع بھی ہوا ہے جیسے رواۃِ حدیث کا یہ کہنا، "هـذا مُتَّـصِـلٌ الى سعيد بن المَسيّبِ ،

---

❶ التقريب مع التدريب ۔ نوع المتصل ۱/ ۱۸۳ (طحّان)

❷ یعنی امام مالک رحمہ اللہ سے لے کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری سند مذکور ہے اور کوئی راوی ذکر ہونے سے نہیں رہ گیا اس لیے ایسی اسناد والی حدیث کو متّصلِ مرفوع کہیں گے۔ (علوم الحديث، ص: ٥٢ بزيادةٍ كثيرةٍ) نسیم

❸ یعنی اگرچہ اس کی اسناد متّصل ہے کہ جملہ رواۃ مذکور ہیں مگر یہ اسناد صحابیٔ رسول حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے۔ نسیم

اوالی الـزهـری ، او مالك" وغیرہ کہ "یہ حدیث (مثلاً) ابن مسیب یا زہری یا مالک تک (جو مشہور تابعین میں سے ہیں) متصل ہے۔"

ایک قول یہ ہے کہ، "اس میں باریک بات اور نکتہ یہ ہے کہ اقوالِ تابعین کو "مـقـاطیع" کا نام دیا جاتا ہے۔ پس اقوالِ تابعین پر "متّصل" کا اطلاق ایسے ہے جیسے ایک شی کے باعتبار لغت کے دو متضاد وصف بیان کیے جائیں۔" ❶

۳......زیاداتِ ثقات

ا۔ زیاداتِ ثقات سے کیا مراد ہے؟:

"الزیادات" یہ "زیادة" کی جمع ہے (جس کا معنی زیادتی اور اضافہ ہے) اور "الثقات" یہ "ثقة" کی جمع ہے اور ثقہ عادل اور ضابط راوی کو کہتے ہیں۔ اب "زیادۃِ ثقہ" سے مراد "دیگر ثقہ راویوں سے جنھوں نے اس حدیث کو بیان کیا، بیان کیے جانے والے وہ زائد الفاظ ہیں جو ہم کسی ثقہ راوی کی کسی حدیث میں دیکھتے ہیں۔ ❷

۲۔ زیادتیٔ ثقات کو موضوعِ سخن بنانے اور اس پر خصوصی توجہ دینے والے مشہور محدثین اور علماء:

بعض ثقہ راویوں کی بعض احادیث میں ان زیادتیوں اور اضافوں نے کچھ علماء کو اپنی طرف متوجہ کیا چناں چہ انھوں نے ان اضافوں کو ڈھونڈ نکالنے کا بیڑا اٹھایا اور وہ ان کو جمع کرنے اور ان کی معرفت حاصل کرنے کے لیے کمربستہ ہو گئے (مگر یہ کوئی اتنا آسان کام نہ تھا بلکہ ہتھیلی پر سرسوں اگانے کے مترادف تھا۔ اس لیے ہر کوئی اس میدان میں قدم نہ جما سکا سوائے معدودے چند کے جنھیں قدرتِ خداوندی نے اس فن کی خوبیوں سے آراستہ اور صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہوا تھا) چناں چہ (اس میدان میں) جن علماء نے خاص شہرت حاصل کی، وہ یہ ہیں:

الف:......ابوبکر عبداللہ بن محمد بن زیاد نیشاپوری

ب:......ابونُعیم جرجانی

ج:......ابوالولید حسّان بن محمد قرشی

۳۔ زیادتی ثقات کا محل وقوع:

یہ زیادتی متن بھی واقع ہوتی ہے اور سند میں بھی۔ چناں چہ

---

❶ یعنی ایک طرف تو ان اقوال کا نام "مقاطیع" رکھا گیا ہے جو "مقطوع" کا جمع منتہی الجموع کا مَـفَـاعِیل کا وزن ہے جس میں لغت کے اعتبار سے "قطع" کا معنی پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی ان ہی اقوال کو "متصل" کا نام بھی دے دیا جائے جن کا لغوی معنی لفظ "وصل" سے ہے یعنی ملنا اور وصل اور قطع ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ تو یہ باعتبار لغت کے ایک ہی شے کے دو متضاد وصف بیان کرنا ہوا۔ فقط واللہ اعلم۔ نسیم

❷ زیادتی ثقات دراصل مخالفتِ ثقات کا ہی دوسرا پہلو ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ میں مذکورہ مخالفتِ ثقات کی اقسام دراصل اس اصل کی جزئیات ہیں۔ لیکن چوں کہ محدثین نے ان کے مستقل عناوین مقرر کیے ہیں اس لیے زیادتی ثقات کو ایک امتیاز حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین زیادتی ثقات کو مستقل ایک علم وفن قرار دے کر اس سے بحث کرتے ہیں" (علوم الحدیث ملخصاً وبتصرفٍ وزیادةٍ، ص: ۱۹۳) نسیم

الف:......متن میں زیادتی یوں ہو سکتی ہے کہ کوئی کلمہ یا جملہ بڑھا دیا جائے۔

ب:......اور اسناد میں زیادتی کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ موقوف سند کو مرفوع یا مرسل کو موصول بنا دیا جائے۔

۴۔ متن میں زیادتی کا حکم:

متن میں زیادتی کے حکم (یعنی اس کے درست یا نادرست ہونے) کی بابت علماء کے متعدد اقوال ہیں۔

الف:......بعض نے اس زیادتی کو مطلقاً مقبول کہا ہے۔

ب:......بعض نے اسے مطلقاً رد کیا ہے۔

ج:......اور بعض نے اس میں یہ تفصیل کی ہے کہ اگر ایک راوی نے وہ حدیث پہلے بغیر زیادتی کے روایت کی پھر اس کو زیادتی کے ساتھ روایت کیا تو انھوں نے اس زیادتی کو رد کر دیا۔ لیکن اگر بعد میں کسی اور نے بھی وہی حدیث اس زیادتی کے ساتھ روایت کی تو اس زیادتی کو قبول کر لیا۔ ❶

علامہ ابن صلاح رحمہ اللہ نے اس زیادتی کو رد و قبول کے اعتبار سے تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اور یہ بہت عمدہ تقسیم ہے امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس کی موافقت کی ہے، وہ تقسیم درج ذیل ہے:

الف:......وہ زیادتی جو دوسرے ثقہ یا زیادہ ثقہ راویوں کی روایت کے منافی نہ ہو۔ ❷ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ زیادتی مقبول ہے کیوں کہ یہ زیادتی (اس صورت میں) اس حدیث کی طرح ہے جس کے ایک جملہ کی روایت میں ایک ثقہ راوی دوسرے ثقہ راویوں سے متفرد ہو۔

ب:......وہ زیادتی جو ثقہ یا زیادہ ثقہ راویوں کی روایت کے منافی ہو (اور اس کو "زیادتیٔ مُنَافی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی زیادتی مردود ہے جیسا کہ شاذ کے حکم میں بیان ہو چکا ہے۔

ج:......وہ زیادتی جس میں ثقہ یا زیادہ ثقہ راویوں کی روایت کے ساتھ (کلی منافات تو نہ ہو بلکہ) ایک نوع کی (یعنی بعض وجوہ سے) منافات ہو۔ منافات کی یہ قسم دو باتوں میں منحصر ہوتی ہے:

۱۔ تقییدِ مطلق (یعنی مطلق کو مقیّد کرنا)

۲۔ تخصیصِ عام (یعنی عام کو خاص کرنا)

(لطف کی بات یہ ہے کہ) علامہ ابن صلاح نے اس قسم کا حکم بیان کرنے سے سکوت کیا ہے البتہ امام نووی رحمہ اللہ اس قسم کے بارے میں یہ فرماتے ہیں: "صحیح یہ ہے کہ یہ آخری قسم بھی مقبول ہے۔" ❸

❶ دیکھیں علوم الحدیث لا بن الصلاح، ص: ۷۷، الکفایة ص٤٢٤ وما بعدها۔ (طحّان)

❷ یہ اس کو "زیادتیٔ غیر منافی" بھی کہتے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۱۹٤) نسیم

❸ دیکھیں "التقریب مع التدریب ج۱/ ص۲٤۷ اور امام شافعی اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب بھی اس نوع کے قبول کرنے کا ہے جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کو رد فرماتے ہیں۔ (طحان)

جب کہ علامہ اسعدی رحمہ اللہ "علوم الحدیث ص۱۹۵" پر لکھتے ہیں "اور احناف کے نزدیک بھی تھوڑی سی تفصیل کے ساتھ یہ قسم مقبول ہے"۔ واللہ اعلم۔ نسیم

۵۔ متن میں زیادتی کی مثالیں:

(ذیل میں زیادتی کی تینوں قسموں، زیادتی غیر منافی، زیادتی منافی اور بعض وجوہ کے اعتبار سے منافی زیادتی کی مثالوں کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے جب کہ ان کے حکم کو اوپر بیان کر دیا گیا ہے)۔

الف: زیادتی غیر منافی کی مثال: اس کی مثال کتے کے برتن میں منہ مارجانے کی بابت مسلم شریف کی (یہ) حدیث ❶ ("اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِی اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ") ہے (کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں منہ مار جائے تو چاہیے کہ وہ اس برتن کو سات مرتبہ دھوئے) جو علی بن مُسہر کے طریق سے "عن ابی رَزِیْنٍ و ابی صالح عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ" کی اسناد کے ساتھ مروی ہے جس میں "فَلْیُرِقْهُ" کا کلمہ زائد ہے (جس کا معنی ہے کہ "پھر اس (دھوون) کو بہادے) کہ اعمش کے اصحاب میں سے دوسرے تمام حفاظِ حدیث نے اس کلمہ کو ذکر نہیں کیا انھوں نے تو اس حدیث کو صرف ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، "اِذَا وَلَغَ الْکَلْبُ فِیْ اِنَاءِ اَحَدِکُمْ فَلْیَغْسِلْهُ سَبْعَ مِرَارٍ"

بس پھر یہ زیادتی اس حدیث کی طرح ہوگی جس میں علی بن مسہر جیسا ثقہ راوی متفرد ہو۔ لہٰذا ایسے راوی کی یہ زیادتی مقبول ہوگی۔ ❷

ب:……زیادتی مُنَافِی کی مثال: یہ حدیث ہے، "یَوْمُ عَرَفَةَ وَیَوْمُ النَّحْرِ وَاَیَّامُ التَّشْرِیْقِ عِیْدُنَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ ! وَهِیَ اَیَّامُ اَکْلٍ وَشُرْبٍ" "اے اہل اسلام یوم عرفہ (نویں ذی الحجہ) یوم نحر (عید قربان کا دن) اور ایام تشریق (۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کے ایام) ہمارے عید کے دن ہیں اور یہ کھانے پینے کے دن ہیں۔"

اس حدیث میں "یَومُ عرفة" کے الفاظ زائد ہیں۔ کیوں کہ اس حدیث کے تمام طرق اس زیادتی کے بغیر ہیں۔ یہ اضافہ صرف موسیٰ بن علی بن رباح نے اپنے والد سے، حضرت عقبہ بن عامر کے واسطہ سے نقل کیا ہے جب کہ اس حدیث کو (اس اضافہ کے بغیر) امام ترمذی اور امام ابو داؤد وغیرہ نے روایت کیا۔ (چوں کہ اس حدیث میں موسیٰ نے دوسرے ثقہ بلکہ زیادہ ثقہ راویوں کے خلاف ❸ روایت کیا ہے۔ اس لیے یہ حدیث شاذ کے حکم میں ہوگی اور مردود ہوگی)

ج:……بعض وجوہ سے منافی زیادتی کی مثال: اس کی مثال مسلم کی وہ روایت ہے جو ابو مالک اشجعی کے طریق سے

---

❶ اس کے لیے دیکھیں: "صحیح مسلم بشرح نووی ج ۳ ص ۱۸۲ وما بعدها" میں روایاتِ حدیث (طحان)

❷ اور اس روایت کا زائد کلمہ دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے اس لیے منافی نہیں کہ "بہانا" دھونے کو مستلزم ہے کہ جس چیز کو دھویا جائے گا اس کی دھوون کو بھی ضرور بہایا جائے گا۔ گویا کہ علی بن مسہر نے دھونے کا نتیجہ کے اعتبار سے ذکر کیا ہے۔ واللہ اعلم نسیم

❸ یہاں دوسرے راویوں کے خلاف روایت بایں معنی ہے کہ کھانے پینے کے دن عید قرباں اور اس کے بعد والے دن ہوتے ہیں نا کہ قربانی سے پہلے کے دن۔ لہٰذا یوم عرفہ کا یومِ اکل ہونا یومِ نحر کے "یوم اکل" ہونے کے منافی ہے۔ واللہ اعلم۔ نسیم

ہے جسے وہ ربعی سے اور وہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

((وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدًا وَجُعِلَتْ تُرْبَتُهَا لَنَا طَهُوْرًا .))

''اور ہمارے لیے ساری (دنیا) کی ساری زمین کو مسجد (یعنی نماز ادا کرنے کے لائق جگہ) بنا دیا گیا اور اس کی مٹی کو ہمارے لیے پاک کرنے والا بنا دیا گیا۔''

کہ اس حدیث میں ابو مالک اشجعی ''تربتها'' کے الفاظ روایت کرنے میں متفرد ہیں کہ دوسرے (ثقہ) رواۃ نے یہ الفاظ روایت نہیں کیے۔ انھوں نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

((وَجُعِلَتْ لَنَا الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّ طَهُوْرًا .)) ❶

(زیادہ فی المتن کی تعریف، اقسام، امثلہ اور احکام کا بیان پورا ہوا اب زیادۃ فی الاسناد کی تفاصیل ملاحظہ کیجیے!)

٦۔ ''زیادۃ فی الاسناد'' کا حکم:

(زیادۃ فی الاسناد کی تعریف اور صورت بیان ہو چکی ہے) (زیادتِ ثقات کے ضمن میں) ''زیادۃ فی الاسناد'' دو بنیادی مسئلوں میں اکثر واقع ہوتی ہے، جو یہ ہیں:

وصل کا ارسال کے ساتھ تعارض

اور رفع کا وقف کے ساتھ تعارض

جب کہ زیادۃ فی الاسناد کی باقی صورتوں کو علماء نے ان کی الگ خاص ابحاث میں بیان کیا ہے جیسے ''المزید فی متصل الاسانید'' (کی بحث)

''زیادۃ فی الاسناد'' کے ردو قبول کے بارے میں علماء کے چار اقوال ہیں، جو یہ ہیں:

الف:...... حکم اس شخص کے لیے ہوگا جو حدیث کو موصول یا مرفوع روایت کرے (یعنی یہ زیادتی مقبول ہوگی) اور یہی جمہور فقہاء اور علمائے اصول کا قول ہے۔ ❷

ب:...... حکم اس راوی کے لیے ہوگا جو اس کو مرسل یا موقوف روایت کرے (یعنی یہ زیادتی رد ہوگی) یہ اکثر اصحاب حدیث کا قول ہے۔

---

❶ صحیح مسلم بشرح النووی ج٥/ ص٤ ومابعد (طحّان)
اور یہاں منافات کی صورت تو ثقات کے خلاف روایت کرنا ہے اور عدمِ منافات کی توجیہ یوں ہو سکتی ہے کہ ابو مالک کی حدیث کو ''شرحِ غریب'' قرار دے دیا جائے۔ کہ ''تربت'' کو ''ارض'' کی تفسیر مان لیں اور زمین کی حقیقت اور اس کے اجزائے ترکیبی مٹی ہی تو ہے۔
دوسرے اس میں مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص ظاہر و باہر ہے کہ زمین مطلق اور عام ہے جب کہ تربت مقیّد اور خاص ہے۔ اور منافات کی یہ نوع مضر نہیں۔ واللہ اعلم۔ نسیم

❷ خطیب بغدادی کہتے ہیں، ''ہمارے نزدیک یہی قول صحیح ہے'' (الکفایۃ، ص: ٤١١) (طحّان)

ج:...... حکم اکثر رواۃ کا ہے۔ یہ بعض محدثین کا قول ہے۔

د:...... حکم احفظ (یعنی زیادہ ضبط والے) رواۃ کا ہے۔ یہ بھی بعض محدثین کا قول ہے۔

۷۔ "زیادۃ فی الاسناد" کی مثال:

اس کی مثال یہ حدیث ہے، "لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ" (ولی کی (اجازت کے) بغیر نکاح نہیں ہوتا۔"

(اب یہ حدیث دو طرح سے مروی ہے، وہ یوں کہ)

یونس بن ابی اسحاق سبیعی، ان کے بیٹے اسرائیل بن یونس اور قیس بن ربیع تینوں نے اس حدیث کو ابو اسحاق سے مسند اور متصل روایت کیا ہے (اور یہ روایت اسناد میں زیادتی کے ساتھ ہے کیوں کہ یہاں مرسل سند کو مسند اور متصل بنا کر روایت کیا گیا ہے)۔

اور اس حدیث کو سفیان ثوری اور شعبہ بن حجاج نے ابو اسحاق سے ہی مرسل روایت کیا ہے۔ ❶

مطلب پنجم...... اعتبار، مُتابِع اور شاہِد کا بیان

ا۔ ہر ایک کی تعریف:

الف:...... الاعتبار: لغوی تعریف: لفظ اعتبار "اِعْتَبَرَ" فعل سے مصدر ہے اور اعتبار کا معنی ہے، "کچھ امور پر نگاہِ غور و تدبر ڈالنا تاکہ ان کے ذریعے انھی کی جنس کی دوسری چیزوں کو جانا جا سکے۔

اصطلاحی تعریف:

(محدثین کی اصطلاح میں) اعتبار سے مراد کسی حدیث کے دوسرے طرق کو تلاش کرنا اور ان کی جستجو کرنا ہے جس کی روایت میں کوئی راوی متفرد ہو، تاکہ یہ جانا جا سکے کہ آیا کوئی دوسرا راوی اس حدیث کی روایت میں اس کے ساتھ شریک ہے یا نہیں؟ ❷

---

❶ اس مثال اور اس کے مرسل اور موقوف ہونے میں رواۃ کے اختلاف کے لیے دیکھیں "الكفاية ص۴۰۹ ومابعدها" (طحان)

❷ اور اگر کسی دوسرے نے روایت کی ہے تو اس کی روایت پہلی کے موافق ہے یا مخالف، اگر موافق ہے تو لفظی موافقت ہے یا معنوی۔ اور دونوں کی روایت ایک صحابی سے ہے یا الگ الگ صحابی سے۔ اور اگر دوسرے کی روایت میں مخالفت ہے تو دونوں کے راویوں کا باہم تقابل کیا ہے کہ کس حدیث کے رواۃ کو دوسری حدیث کے رواۃ پر ترجیح دی جائے وغیرہ وغیرہ۔ غرض متفرد راوی کی حدیث میں ان پہلوؤں پر غور کرنے کا نام اصطلاحِ محدثین میں "اعتبار" کہلاتا ہے۔ (علوم الحديث، ص: ۲۰٦ ملخصاً وبتصرفٍ وزيادةٍ)

علامہ اسعدی نے اس مقام پر ایک نہایت مفید خلاصہ لکھا ہے جس کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں۔ آپ لکھتے ہیں: "اگر تحقیق سے معلوم ہو جائے کہ متفرد راوی کے سوا کسی دوسرے نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا تو وہ حدیث "فرد" اور غریب کہلائے گی جس کے مفصل احکام گزشتہ میں بیان ہو چکے ہیں اور اگر کسی دوسرے نے اس کے موافق حدیث روایت کی ہے تو آئندہ مذکورہ ترتیب کے موافق اس دوسری حدیث کو متابع اور شاہد کہیں گے۔ اور اگر کوئی حدیث مخالفت کے ساتھ روایت ہے تو اس میں وہ تفصیلات جاری ہوں جو "شاذ" اور "منکر" کے بیان میں ذکر ہوئی ہیں۔ (علوم الحديث، ص: ۲۰٦ ملخصا) نسیم

ب:......اَلْمُتَابِع: اور اس کا ایک نام ''تابع'' بھی ہے۔

۱۔ لغوی تعریف: لفظ "متابع" "تَابَعَ" (بروزنِ فَاعَلَ از باب مفاعلہ) فعل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی موافقت کرنا ہے۔

۲۔ اصطلاحی تعریف: (اصطلاحِ محدثین میں) متابع وہ حدیث ہے جس (کے روایت کرنے) میں اس کے رواۃ، دوسری حدیث فرد کے رواۃ کے ساتھ لفظ و معنی دونوں میں یا صرف معنی میں شریک ہوں، جب کہ دونوں کے رواۃ اس حدیث کو ایک ہی صحابی سے روایت کر رہے ہوں۔

ج:......شَاهِد: (۱) لغوی تعریف: لفظ شاھد "شهادة" مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے (جس کا معنی گواہی دینا) ہے اور اس حدیث کا یہ نام اس لیے ہے کہ یہ حدیث اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ ''مذکورہ حدیث فرد کی ایک اصل (بھی) ہے'' اور حدیث شاہد حدیث فرد کو تقویت دیتی ہے جیسے کہ ''شاھد'' مدعی کے قول (اور اس کے دعویٰ) کو تقویت دیتا اور اس کو سہارا دیتا ہے۔

۲۔ اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) شاھد وہ حدیث ہے جس (کے روایت کرنے) میں اس کے رواۃ دوسری حدیث فرد کے رواۃ کے ساتھ لفظ و معنی دونوں میں یا صرف معنی میں شریک ہوں، جب کہ دونوں حدیثوں کو الگ الگ صحابی سے روایت کیا گیا ہو۔

۲۔ اس بات کا بیان کہ ''اعتبار'' یہ شاھد اور متابع کا قسیم ❶ نہیں ہے:

بسا اوقات لوگوں کو اس بات کا وہم ہو جاتا ہے کہ ''اعتبار'' شاہد اور تابع کا "قسیم" ہے حالاں کہ بات یہ نہیں۔ بلکہ ''اعتبار'' تو حدیث کی ان دونوں قسموں تک پہنچنے کی ایک صورت ہے۔ یعنی اعتبار شاھد اور تابع کا کھوج لگانے اور انھیں تلاش و جستجو کے بعد ڈھونڈ نکالنے کا ایک راستہ ہے۔

۳۔ تابع اور شاھد کے لیے ایک اور اصطلاح (یعنی ان دونوں کی ایک اور اصطلاحی تعریف):

شاھد اور تابع کی مذکورہ بالا تعریف اکثر محدثین کے نزدیک ہے اور یہی مشہور بھی ہے لیکن ان دونوں کی ایک اور تعریف بھی بیان کی گئی ہے جو یہ ہے کہ

الف:......تابع: یہ وہ حدیث ہے جس میں حدیث فرد کے رواۃ کے ساتھ صرف لفظوں میں موافقت حاصل ہو چاہے دونوں روایتیں ایک صحابی سے ہوں یا مختلف صحابہ سے۔

ب:......شاھد: یہ وہ حدیث ہے جس میں حدیث فرد کے رواۃ کے ساتھ صرف معنی میں موافقت و مشارکت پائی جائے چاہے دونوں روایتیں ایک صحابی سے ہوں یا مختلف صحابہ سے (غرض) یہ (تو رہی ان کی تعریفات کے متعلق مختلف

❶ قسیم: وہ ہوتا ہے جو کسی دوسری شی کا مقابل ہو اور دونوں مقابل کسی ایک شی تحت ہوں جیسے لفظِ اسم کہ وہ فعل کا قسیم اور مقابل ہے جب کہ اسم اور فعل دونوں ایک تیسری شی کے تحت ہیں اور وہ ہے ''کلمہ'' (التعریفات للجرجانی ص ۱۲٤ کالم نمبر ۱ اصطلاح رقم ۱۱۳۷) قسیم

اقوال کی تفصیل)، پر اس کے باوجود بھی ان کے نام ایک دوسرے پر بول دیئے جاتے ہیں کہ (ایک کو بول کر دوسری کو مراد لے لیا جاتا ہے، چناں چہ) کبھی شاھد کو تابع کہہ دیتے ہیں۔ اور کبھی تابع کو شاھد بھی کہہ دیتے ہیں اور اس کی (یعنی ان کے ایک دوسرے پر اطلاق کی) گنجائش ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ ❶ کیوں کہ (حدیث کی) ان دونوں (قسموں) سے ہدف اور مقصد ایک ہی ہے اور وہ ہے ایک حدیث کے لیے دوسری احادیث تلاش کر کے اس کو تقویت دینا۔

۴۔ مُتَابَعَتْ:

الف:......متابعت کی تعریف:

۱۔ **لغوي تعريف** :......لغت میں لفظ متابعت "تَابَعَ" فعل کا مصدر ہے جو "وَافَقَ" کے معنی میں ہے تو اس صورت میں ''متابعت'' کا معنی ''موافقت'' ہوا۔

۲۔ **اصطلاحي تعريف** :......(اصطلاحِ محدثین میں) متابعت سے مراد حدیث کی روایت میں راوی کا اپنے علاوہ کسی اور کے ساتھ شریک ہونا ہے۔

ب:......متابعت کی انواع: متابعت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ متابعت تامہ: یہ وہ متابعت ہے جس میں راوی شروع اسناد سے (آخر تک) دوسرے راوی کے ساتھ روایت حدیث میں شریک بنے ❷ (اور ایسی موافقت کا متابعتِ تامّہ ہونا ظاہر ہے)۔

۲۔ متابعتِ قاصرہ: یہ وہ متابعت ہے جس میں راوی حدیث درمیانِ سند میں دوسرے راوی کے ساتھ حدیث کی روایت میں شریک ہو جائے۔ ❸

۵۔ (متابعت اور شاھد وغیرہ کی) مثالیں:

ہم اس کی صرف ایک ہی (نہایت دلچسپ) مثال پیش کریں گے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے۔ ❹ جس میں متابعتِ تامّہ، متابعت قاصرہ اور شاھد (اور اطلاق کے توسع کی بنا پر تابع) کی (بھی، اور ''اعتبار'' کے ذریعے ان تینوں تک پہنچنے کے اعتبار سے، یہ ''اعتبار'' کی بھی) مثال ہے، جو یہ ہے:

''امام شافعی رحمہ اللہ "كتاب الام" میں مالک سے، وہ عبداللہ بن دینار سے، وہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں

❶ قال في شرح النخبة ص۳۸ (طحان)

❷ یعنی دوسرے راوی کے شیخ سے لے کر سند کے آخر تک اس کے ساتھ روایتِ حدیث میں شریک رہے (علوم الحدیث، ص: ۲۰۷) نسیم

❸ جیسے حدیث کا راوی دوسرے راوی کے ساتھ اس کے شیخ الشیخ میں یا اور آگے چل کر سند کے کسی راوی میں شریک ہو جائے (علوم الحدیث، ص: ۲۰۸ بزیادۃ) نسیم

❹ ذكره ابن حجر في شرح النخبة ص۳۷ (طحان)

گویا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ایک ہی حدیث کے متعدد طرق کو جمع کر کے سب کی مثال پیش کر دی ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۰۸) نسیم

کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں:

" اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ. "

''مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے، لہٰذا تم روزہ رکھنا شروع مت کرو، یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور روزہ رکھنا بند نہ کرو یہاں تک کہ چاند دیکھ لو اور اگر (انتیس کے دن) تمھیں (مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے) چاند دکھائی نہ دے تو (اگلے دن بھی روزہ رکھ کر) تیس کا شمار پورا کر لو۔''

اب (سب کی مثال ہونے کی تفصیل یہ ہے کہ) بعض لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ

''ان الفاظ کے ساتھ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں امام شافعی رحمہ اللہ متفرد ہیں۔ لہٰذا انھوں نے اس حدیث کو امام شافعی رحمہ اللہ کے غرائب میں شمار کیا ہے۔ کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ کے دوسرے اصحاب نے ان سے اس حدیث کو اسی اسناد کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے، "فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاقْدُرُوْا لَهٗ" ''یعنی اگر ابر کی وجہ سے تمھیں چاند دکھائی نہ دے تو اس کا اندازہ لگا لیا کرو۔''

لیکن جب ہم نے (اس حدیث کے سب طرق میں) ''اعتبار'' کیا تو ہمیں امامِ شافعی رحمہ اللہ کی روایت کردہ حدیث کا شاھد بھی مل گیا اور متابعت تامّہ اور متابعتِ قاصرہ بھی (جن کی تفصیل یہ ہے)

الف: ......متابعت تامہ: یہ وہ حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی سے، اور انھوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے اسی اسناد کے ساتھ بیان کی ہے جس میں الفاظ بھی یہی ہیں، "فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ. "

ب: ......متابعت قاصرہ: یہ وہ حدیث ہے جو امام خزیمہ رحمہ اللہ نے عاصم بن محمد کے طریق سے بیان کی ہے کہ عاصم اپنے والد محمد بن زید سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ان لفظوں کے ساتھ بیان کرتے ہیں، "فَكَمِّلُوا الْعِدَّةَ" (کہ اکمال اور تکمیل معنی میں مترادف ہیں اگرچہ دونوں الگ الگ صرفی باب سے ہیں)

ج: ......شاھد: یہ وہ حدیث ہے جو امام نسائی نے محمد بن حُنین کی روایت سے بواسطہ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے اور وہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں اور اس میں "فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَاَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ" کے الفاظ ہیں۔''

(نوٹ: بابِ اوّل اپنی تینوں فصلوں اور متعلقہ مباحث و مطالب اور مقاصد کے بیان سمیت ختم ہوا)

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ کیا تابعی کے قول کو متصل حدیث قرار دیا جا سکتا ہے؟

۲۔ "زیادتیٔ ثقہ" سے کیا مراد ہے؟

۳۔ زیادتیٔ ثقات کو موضوع سخن بنانے والے علما کے نام تحریر کیجیے۔

۴۔ ابن صلاح اور امام نووی کے نزدیک ثقہ کا اضافہ کس صورت میں مقبول ہوگا؟

۵۔ زیادتیٔ ثقہ مقبول اور غیر مقبول کو مثال کے ساتھ واضح کیجیے۔

۶۔ اعتبار کسے کہتے ہیں؟ نیز اس سے کیا مقصود ہوتا ہے؟

مندرجہ ذیل میں سے غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ متصل اور موصول کی اصطلاحات ایک ہی مفہوم رکھتی ہیں۔

۲۔ زیادتیٔ ثقہ مخالفتِ ثقہ قرار پاتی ہے کیوں کہ اضافہ مخالفت کی ہی ایک شکل ہے۔

۳۔ ثقہ کی طرف سے کیا جانے والا اضافہ محض متن میں ہوتا ہے۔

۴۔ شاہد اور متابع میں فرق یہ ہے کہ متابع میں بیان کرنے والا صحابی بھی ایک ہوتا ہے جب کہ شاہد میں صحابہ مختلف ہوتے ہیں۔

۵۔ کچھ محدثین کے نزدیک اشتراک اگر الفاظ میں ہو تو اس روایت کو 'متابع' اور مفہوم میں ہو تو اس روایت کو شاهد کہا جاتا ہے۔

۶۔ الأم امام مالک کی حدیث پر بڑی ضخیم کتاب ہے۔

عملی کام:......"لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ" والی حدیث میں زیادتیٔ ثقہ کی کون سی شکل پائی جاتی ہے؟ نیز بتائیے کہ کیا یہ حدیث جمہور اہل علم کے اصول کے مطابق مقبول ہوگی یا قابل تردید؟

عملی کام:......مندرجہ ذیل حدیث سے کا مطالعہ کیجیے۔ اور نیچے دیے گئے سوالات حل کیجیے:

"اَلشَّهْرُ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ فَلَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ وَلَا تُفْطِرُوْا حَتّٰى تَرَوْهُ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا الْعِدَّةَ ثَلَاثِيْنَ."

۱۔ کیا یہ حدیث غریب ہے؟

۲۔ اگر اس حدیث کو متابعت حاصل ہے تو متابعت کی کون سی شکل ہے؟

۳۔ کیا اس حدیث کو شواہد حاصل ہیں؟

۴۔ کیا آپ نے اس حدیث میں اعتبار سے کام لیا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

باب دوم

مقبول الروایت رُوَاۃ کی صفات کا بیان
اور اس سے متعلقہ جرح وتعدیل کی تفصیل

اس باب میں تین فصلیں ہیں:

فصل اوّل: راوی اور اس کی قبولیت کی شروط کا بیان

فصل دوم: کتبِ جرح وتعدیل کا سرسری جائزہ

فصل سوم: جرح وتعدیل کے مراتب کا بیان

فصل اوّل

راوی اور اس کی قبولیت کی شروط کا بیان

ا۔ تمہیدی مقدمہ:

چوں کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ ہم تک روایانِ حدیث کے ذریعے پہنچی ہیں اس لیے حدیث کی صحت اور عدمِ صحت کی معرفت میں یہی طبقہ پہلی بنیاد اور پہلی اینٹ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات علماء نے رواۃ (حدیث کے احوال اور ان کے تلاش و تحقیق اور تتبعّ) کی طرف خصوصی توجہ دی اور ان سے حدیث قبول کرنے کے لیے نہایت دقیق اور ایسی پختہ شروط مقرر کیں جو ان کی فکر کی گہرائی، سوچ کی درستی اور نہایت عمدہ لائحہ عمل کی غماز ہیں۔

ان علماء نے کچھ شروط تو راوی کے لیے مقرر کیں، جب کہ کچھ دیگر شروط حدیث و اخبار کے قبول کرنے کے لیے عاید کیں اور یہ ان علماء کا ایسا (لاجواب اور عظیم الشان) علمی کارنامہ کہ اقوام عالم میں سے کوئی قوم اس کی نظیر نہ پیش کر سکی (اور نہ پیش کر سکتی ہے)۔ یہاں تک کہ آج کے (سائنسی، علمی اور تحقیقی) دور کا دامن بھی اس کی مثال سے خالی ہے حالاں کہ (سائنسی ترقی کے فریب خوردہ) متجد دین (ہر وقت) یہ ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں کہ آج میتھڈ الوجی اور دقیق تحقیقات کا دور ہے لیکن اس (قدر پروپیگنڈے) کے باوجود بھی ان (سوشلائزڈ اور ترقی یافتہ) لوگوں نے نقلِ اخبار میں ان شروط کو لاگو نہیں کیا جو ''علماء مصطلح الحدیث'' نے راوی میں لگائی ہیں بلکہ ان سے کم بھی نہیں لگائیں (بلکہ نقلِ اخبار میں حزم و احتیاط کی شروط کو تو کیا اختیار کرنا، الٹا آج کے ترقی یافتہ لوگ افواہیں پھیلانے اور غلط باتوں کی ترویج کے لیے نت نئے اور حیرت انگیز طریقے اختیار کر رہے ہیں)۔ یہی وجہ ہے کہ نقلِ اخبار (ذرائع ابلاغ اور نشر و اطلاعات میں) بعض سرکاری خبر رساں ایجنسیوں کا کردار ذرا بھی لائقِ اعتماد نہیں اور نہ ان کی صداقت پر بھروسہ ہی کیا جا سکتا ہے اور اس (بات سے ان ترقی یافتہ لوگوں کے عاجز ہونے) کی وجہ ان کی اخبار کے ناقلین اور رواۃ کا مجہول ہونا ہے (اور کسی خبر کے لیے اس سے بڑھ کر آفت اور کیا ہوگی کہ اس کا راوی مجہول ہو، اسی لیے کہتے ہیں) ''اور خبر کی آفت اس کے راوی ہی تو ہیں۔'' اور ایسا اکثر ہوا کہ (ان لوگوں نے ایک بات اڑائی مگر) تھوڑے ہی عرصہ بعد اس کی عدمِ صحت مثل آفتاب نیمروز عالم آشکارا ہوگئی۔

۲۔ راوی کی مقبولیت کی شرائط:

جمہور علماء محدثین اور فقہاء کا اس بات پر اجماع ہے کہ راوی کے مقبول ہونے کی دو بنیادی شروط ہیں جو یہ ہیں:

الف:.....عدالت: اور اس سے علماء محدثین اور فقہاء کی مراد یہ ہے کہ راوی مسلمان، عاقل، بالغ، اسباب فسق و فجور سے خالی (اور دور و نفور) اور خلافِ مروت (اور خلافِ متانت و وقار) امور سے اپنا دامن صاف رکھتا ہو۔ [1]

[1] اور یہ اس راوی کا اکثر حال ہو البتہ اگر کبھی سوئے اتفاق سے خلافِ عدالت کوئی فعل سرزد ہو گیا تو اس سے راوی کی عدالت متاثر نہ ہوگی بشرطیکہ اس پر اصرار نہ ہو۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۱۳ بتصرفٍ) نسیم

ب:......ضبط: اور ضبط سے محدثین کی مراد یہ ہے کہ راوی میں مخالفتِ ثقات، خراب حافظہ، زبانی اغلاط کی کثرت، غفلت اور کثرتِ اوہام میں سے کوئی بات بھی نہ پائی جاتی ہو۔ ❶

۳۔ راوی کی عدالت کیوں کر ثابت ہوتی ہے؟

راوی کی عدالت دو باتوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ثابت ہوتی ہے:

الف:......یا تو علماء تعدیل اس کی عدالت کی تصریح بیان کریں، چاہے سب بیان کریں یا ایک بیان کرے۔

ب: یا (علماء، محدثین اور فقہاء کے درمیان اس کی عدالت کا) شہرہ اور چرچا ہو۔ چناں چہ جس شخص کی عدالت علماء میں مشہور ہو اور ہر ایک کی زبان پر اس کی مدح اور تعریف ہو، اس (کی عدالت) کے لیے یہی بات کافی ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد اس کی عدالت کو صراحتہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ جیسے (امتِ مسلمہ کے) مشہور (اور معتمد) حضرات ائمہ کرام جیسے ائمہ اربعہ ❷، سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ (جنھیں "سفیانین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) اور اوزاعی وغیرہ ❸

۴۔ ثبوتِ عدالت میں حافظ ابن عبدالبر کا مذہب:

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی اس باب میں رائے یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو زیورِ علم سے آراستہ ہو اور علم ہی میں شب و روز غرق رہتا ہو اور لوگوں میں اس کا یہی تعارف ہو، تو اس کے ان احوال کو عدالت پر محمول کیا جائے گا جب تک اس کی جرح کا کوئی امر کھل کر سامنے نہ آ جائے۔" حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اپنی یہ رائے قائم کرنے میں دراصل اس حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے:

"يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ ، وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ ." ❹

---

❶ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ حدیث کو توجہ سے سنا ہو اور سننے سے لے کر اس کے نقل و بیان کرنے تک اس حدیث کو محفوظ رکھا ہو کہ اس کا کوئی حصہ ذہن سے نکل نہ جائے اور اس کے لیے حفاظت حدیث کے معروف ذرائع استعمال کیے ہوں خود تحریر کے ذریعے اور چاہے ذاتی یادداشت کے ذریعے اور اس بات کا بھی اہتمام رکھے کہ اس کی تحریر میں کوئی ردّ و بدل نہ ہو گیا ہو۔

حدیث کو یادداشت کے ذریعے محفوظ کرنے کو "ضبطِ صدر" کہتے ہیں کہ جب چاہے پوری حدیث من وعن بیان کر دے۔

اور تحریر کے ذریعے حدیث محفوظ کرنے کو "ضبطِ سطر" یا "ضبطِ تحریر" کہتے ہیں کہ سننے کے بعد سے لے کر بیان کرنے تک وہ حدیث تحریروں میں کسی قسم کے ردّ و بدل کے بغیر محفوظ ہو۔ (از علوم الحدیث ص ۲۱٤ بتصرفٍ وزيادةٍ كثيرة) نسیم

❷ اس سے مراد امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ ہیں۔ اسی طرح صحاح ستہ کے مؤلفین رحمہم اللہ بھی، جن میں سب سے بڑا نام امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ کا ہے، اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی ہیں۔ نسیم

❸ علماء نے عدالت کو مجروح کرنے والے اسباب پانچ گنوائے ہیں جن کو اسباب طعن در راوی میں مفصل بیان کیا جا چکا ہے اور ان کی مزید تفصیل باب ہذا کی فصلِ سوم "مراتبِ جرح و تعدیل" میں آ رہی ہے۔ نسیم

❹ رواہ ابن عدی فی الکامل وغیرہ۔ عراقی کہتے ہیں: اس حدیث کے سب طریق ضعیف ہیں جن سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا" البتہ علماء نے اس حدیث کے کثرتِ طرق کی بنا پر اس کو حسن کہا ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیں "التدریب ج ۱ ص ۳۰۲-۳۰۳ (طحان)

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "اس علم (یعنی دین) کو ہر پہلوں سے ان کے "عادل" لے لیں گے جو اس علم سے غلو کرنے والوں کی تحریف کو، اہلِ باطل کی خیانتوں کو، اور جاہلوں کی (باطل) تاویلوں کو دور کریں گے۔"

لیکن حضرات علماء و محدثین نے حافظ رحمہ اللہ کا یہ قول پسند نہیں کیا۔ کیوں کہ ایک تو یہ حدیث خود صحیح نہیں ہے (جیسا کہ حاشیہ میں بیان ہوا) دوسرے اگر اس حدیث کو صحیح فرض بھی کر لیا جائے پھر بھی اس حدیث کا معنی "لِيَحْمِلْ ❶ هذا العلم من كل خَلَفٍ عدوله" ہے "یعنی چاہیے کہ اس علم کو ہر اگلوں سے ان کے بعد والے عادل لے لیں" (نا کہ یہ مطلب ہے کہ جب بھی بعد والے اپنے پہلوں سے علم لیں گے تو وہ ضرور ہی عادل ہوں گے، کیوں کہ مشاہدہ اور تاریخ اس کی تائید نہیں کرتے اور) اس کی دلیل یہ ہے کہ ایسے لوگ بھی (تاریخ میں) ملتے ہیں جنھوں نے اس علم کا بارِ گراں اپنے کندھوں پر رکھا مگر افسوس کہ وہ صفتِ عدالت سے آراستہ نہ تھے۔"

۵۔ راوی کا ضبط کیوں کر پہچانا جاتا ہے؟:

راوی کا ضبط اس وقت پہچانا جاتا ہے جب ثقہ اور مُتقن رواۃ روایتِ حدیث میں اس کی موافقت کریں۔ پس اگر تو ان حضرات کی موافقت اکثر ہو تو یہ راوی ضابط کہلائے گا، اب اس کی اکا دُکا مخالفت اس کے ضبط کے لیے مضر نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس سے ثقات کی مخالفت اکثر سرزد ہو تو اس کا ضبط مجروح ہو جائے گا اور ایسا راوی (اور اس کی روایت) نا قابلِ استدلال قرار پائے گی۔

٦۔ کیا سبب کے بیان کے بغیر جرح و تعدیل مقبول ہوتی ہے؟ ❷

الف:...... تعدیل کی بابت صحیح اور مشہور قول یہ ہے کہ بیانِ سبب کے بغیر بھی وہ مقبول ہوتی ہے کیوں کہ تعدیل کے جملہ اسباب کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ ان سب کا (استقصاء اور) شمار نہایت دشوار ہے کیوں کہ "تعدیل" میں "مُعَدِّل" (تعدیل بیان کرنے والے) کو یوں کہنے کی احتیاج ہوتی ہے مثلاً "یہ راوی ان ان نیک کاموں کو کرتا ہے............" وغیرہ وغیرہ (اور ان باتوں کو کہاں تک شمار کیجیے؟)

ب:...... البتہ جرح تب ہی مقبول ہوگی جب وہ "مفسَّر" ہو کیوں کہ اسباب جرح کا ذکر کوئی اس قدر دشوار کام نہیں (کہ شمار مشکل ہو) ❸ دوسرے (جرح کا مفسّر ہونا) اس لیے بھی (ضروری ہے) کہ اسبابِ جرح میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ کبھی ایک شخص دوسرے کی ایسی جرح بیان کر دیتا ہے جو دراصل جرح ہوتی ہی نہیں۔ ❹

❶ یعنی لفظ "يَحْمِلُ" بمعنی "لِيَحْمِلْ" ہے اور اس سے معنی میں جو فرق واقع ہوتا ہے وہ اوپر قوسین میں بیان کر دیا گیا ہے۔ نسیم

❷ اگر جرح و تعدیل کا سبب بیان کر دیا جائے تو اسے مفسّر اور سبب نہ بیان کیا جائے تو اسے غیر مفسّر کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے چار قسمیں بنیں۔ (۱) تعدیل مفسّر (۲) تعدیلِ غیر مفسّر (۳) جرح مفسّر (۴) اور جرح غیر مفسّر (نسیم)

❸ اور یہ ظاہری برائی اور غیبت ہے (علوم الحدیث، ص: ۲۱۷) نسیم

❹ اس لیے جرح و تعدیل میں سے وہی معتبر ہے جو ائمہ فن سے ہر قسم کے تعصب اور بے جا حمایت یا مخالفت کے جذبہ کے بغیر منقول ہو (علوم الحدیث، ص: ۲۱۹ بحوالہ تدریب الراوی ج ۲ ص ۳۶۹-۳۷۰) نسیم

ابن صلاح لکھتے ہیں: ''فقہ اور اصولِ فقہ میں یہی ظاہر اور مقرر (پختہ) ہے۔ اور حافظ خطیب رحمہ اللہ نے بتلایا ہے کہ یہ امام بخاری اور امام مسلم وغیرہ جیسے ائمہ دین، حفاظِ حدیث اور ناقدین کا مذہب ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عکرمہ اور عمرو بن مرزوق جیسے رواۃِ حدیث سے بھی استدلال و احتجاج کیا ہے جن کی دوسروں نے جرح بیان کی ہے، اور امام مسلم رحمہ اللہ نے سوید بن سعید اور ایک جماعتِ رواۃ سے احتجاج کیا ہے جو مطعون ہونے میں مشہور ہیں۔ اور امام ابو داؤد نے بھی یہی طریق اختیار کیا ہے۔ ان اکابر ائمہ محدثین کا یہ رویہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان حضرات کا یہ مذہب تھا کہ جرح وہی معتبر ہوگی جو مفسَّر ہوگی (نا کہ غیر مفسَّر اور مبہم)۔ ❶

۷۔ کیا جرح وتعدیل صرف ایک شخص کے قول سے ثابت ہو جاتی ہے؟

(اس بابت دو قول ہیں): الف:......صحیح قول یہ ہے کہ صرف ایک آدمی کے قول سے بھی جرح یا تعدیل ثابت ہو جاتی ہے۔❷ ب:......اور ایک قول یہ ہے کہ دو آدمیوں کا ہونا ضروری ہے مگر یہ قول غیر معتمد ہے۔

۸۔ جب ایک راوی میں جرح وتعدیل دونوں جمع ہو جائیں تو کیا کیجیے؟:

جب ایک راوی میں جرح وتعدیل دونوں اکٹھے ہو جائیں تو اب:

الف:......اس بابت معتمد اور معتبر قول یہ ہے کہ اگر جرح مفسَّر ہو تو وہ تعدیل پر مقدم ہوگی۔ ❸

ب:......جب کہ ایک قول یہ ہے کہ اگر معدِّلین کی تعداد جرح بیان کرنے والوں سے زیادہ ہو تو تعدیل کو مقدم کیا جائے گا مگر یہ قول کمزور اور غیر معتمد ہے۔

۹۔ کسی عادل کا ایک شخص سے روایت کرنے کا حکم:

(اس بابت تفصیل ہے جو درجِ ذیل ہے)

الف:......کسی عادل راوی کا محض کسی سے روایت کر دینا اس کی تعدیل شمار نہ ہوگی۔ یہ اکثر محدثین کا مذہب ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ البتہ ایک قول اس کے تعدیل ہونے کا بھی ہے۔ ❹

---

❶ "علوم الحدیث لا بن الصلاح ص۹۶ باختصار یسیر"(طحّان)

❷ البتہ نام کی تصریح کے بغیر کسی کے حق میں عدالت وضبط کے کلمات معتبر نہیں کیوں کہ ضروری نہیں کہ جو شخص ایک کے نزدیک معتبر و معتمد ہو وہ دوسرے کے نزدیک بھی ہو۔ لہٰذا کم از کم یوں کہے، ''فلاں شخص ثقہ ہے'' اور ''فلاں معتمد ہے'' وغیرہ وغیرہ۔ مگر یوں نہ کہے، ''مجھے ایک ثقہ نے بیان کیا، ایک معتمد نے خبر دی۔ وغیرہ'' (علوم الحدیث، ص: ۲۱۹۔ بتصرفٍ) نسیم

❸ اور اگر جرح مبہم ہو تو صحیح قول یہ ہے کہ تعدیل مقدم ہوگی کیوں کہ جرحِ غیر مفسَّر غیر معتبر ہوتی ہے (علوم الحدیث، ص: ۲۲۰ بحوالہ تدریب الراوی ج۱ ص ۳۰۹) نسیم

❹ غرض تعدیل کے الفاظ کی صراحت کے بغیر محض کسی ثقہ راوی کا روایت کرنا کسی کی تعدیل نہیں الا یہ کہ اس محدث کا معمول ہی ثقہ راویوں سے روایت لینے کا ہو جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ کا صحیح بخاری میں معروف رویہ یہی ہے اور جیسے امام ابن خزیمہ کی شدتِ احتیاط مشہور ہے۔ الا یہ کہ شاذ و نادر کبھی غیر ثقہ سے بھی روایت کر دیں لیکن بہر حال ایسے محدثین کی صراحت کے بغیر بھی ان کی روایت ''تعدیل'' کہلائے گی۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۲۰ بزیادۃٍ کثیرۃٍ) نسیم

ب:...... کسی عالم کا کسی حدیث کے مضمون کے موافق فتویٰ دے دینا یا اس پر عامل ہو جانا اس حدیث کی صحت کی دلیل نہیں۔ اور کسی عالم کی مخالفت (اور اس حدیث کے خلاف فتویٰ دے دینا) نہ تو اس حدیث کی صحت میں قدح اور ضرر ہے۔ اور نہ اس حدیث کے رواۃ کے حق میں جرح ہی ہے۔ ❶

اور ایک قول یہ ہے کہ کسی عالم کا عمل یا فتویٰ اس حدیث کے لیے ''صحت'' کا حکم رکھتا ہے علامہ آمدی رحمہ اللہ ❷ وغیرہ علماء اصول نے اس قول کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ مگر اس مسئلہ میں طویل کلام ہے (جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں)۔

۱۰۔ فسق و فجور سے تائب کی روایت کا حکم:

(کبائر کے مرتکب ہونے کے بعد ان سے تائب ہونے والے کی روایت کے بارے میں دو قول ہیں):

۱۔ ایسے تائب کی روایت مقبول ہے (کیوں کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے توبہ کرنے والے کا یہ اکرام فرمایا کہ گویا کہ اس سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوا)۔

۲۔ البتہ جس کے سر جنابِ رسالت مآب ﷺ کے دامن صدق و صداقت پر کذب کی تہمت کا داغ لگانے کی سعی نامشکور کا الزام ہو، اس کی سزا یہی ہے کہ تائب ہونے کے بعد بھی اس کی روایت ہرگز قبول نہ کی جائے (تاکہ اس کا یہ انجام بد دیکھ دوسروں کو عبرت و نصیحت ہو اور اس ناپاک حرکت کی کوئی دوسرا اجرات نہ کرے)۔

۱۱۔ اُجرت لے کر احادیث بیان کرنے والے کا حکم:

(اس بابت متعدد اقوال ہیں مثلاً)

الف:...... بعض کے نزدیک ایسے شخص کی روایت غیر مقبول ہے۔ جیسے امام احمد، اسحاق اور ابو حاتم کا یہی مذہب ہے۔

ب:...... ابو نعیم فضل بن دکین وغیرہ دوسرے بعض حضرات کے نزدیک اس کی روایت مقبول ہے۔

ج:...... البتہ اگر کسی شخص سے روایت حدیث میں مشغول ہونے کی بنا پر بیوی بچوں کی کفالت اور ان کی ضروریات پوری کرنے کے اسباب نہ بن پڑیں تو ایسے شخص کے لیے ابو اسحاق شیرازی نے اجرت لینے کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ ❸

---

❶ اے کاش! یہ اس قدر قیمتی اور حق و باطل میں فرق کر دینے والے آفاقی اصول ان بے نصیبوں کی نگاہوں سے بھی گزر جاتے جن کا اوڑھنا بچھونا، متاع حیات اور زندگی کی کل جمع پونجی ''ان کے بزرگ'' اور ان کا ''کہا گیا'' ہے۔ ان ''نصیبوں کے ماروں'' کی منڈی میں صرف ایک ہی سکہ چلتا ہے ''ہمارے بڑے ہمارے لیے بس ہیں'' کاش اپنے ''تیرہ'' بختوں میں ہدایت کا اجالا کرنے کے لیے یہ لوگ اسلاف کی ان ''کسوٹیوں پر اپنا ''کھوٹا سکہ'' پرکھتے!!! ''ویھدی من یشاء ویضل من یشاء'' نسیم

❷ یہ مشہور اصولی عالم اور دمشق کے معلم علامہ سیف الدین آمدی رحمہ اللہ متوفی ۶۳۱ھ بمطابق ۱۲۳۳ھ ہیں۔ ''الاحکام فی اصول الاحکام'' ان کی مشہور تصنیف ہے۔ (المنجد فی الاعلام العربی ص ۶۸) نسیم

❸ بعینہٖ یہی صورت ہمارے اس نامسعود دور کی بھی ہے اسی لیے علماءِ حق نے درس و تدریس، افتاء، تصنیف و تالیف، اذان امامت اور حفظ کرانے میں مشغول ہونے والوں کے لیے اجرت لینے کو جائز قرار دیا ہے۔ (نسیم) اس کا درست اور صحیح ہونا احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔ (ابوسفیان)

۱۲۔ سہل انگاری، قبولِ تلقین ❶ اور کثرتِ نسیان میں معروف شخص سے حدیث لینے کا حکم:

(ذیل میں تینوں کا حکم علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے):

الف:......جو شخص حدیث سننے یا سنانے میں متساہل مشہور ہو۔ جیسے وہ شخص جو سماعِ حدیث کے وقت سونے میں لاپرواہ ❷ ہو یا ایسی اصل سے احادیث بیان کرے جس کا موازنہ اور مقارنہ نہ کیا گیا ہو۔ اس کی روایت غیر مقبول ہوگی۔

ب:......اور جو حدیث میں ''تلقین'' قبول کرنے میں مشہور ہو، وہ یوں کہ (دورانِ درس) اسے کسی بات کی تلقین کی گئی اور اس نے یہ معلوم کیے بغیر کہ یہ الفاظ اس کی حدیث کا ٹکڑا ہیں یا نہیں، انھیں بھی اپنی حدیث سمجھ کر (حدیث میں ملا کر) بیان کر دیا۔ ایسے شخص کی روایت بھی غیر مقبول ہوتی ہے (کیوں کہ اس کی احادیث میں غیر احادیث کا اختلاط ہوتا ہے جن میں امتیاز کا ملکہ ہر ایک کو نہیں ہوتا اور لوگ سب کچھ کو حدیث سمجھ بیٹھتے ہیں)۔

ج:......اور جو اپنی روایت میں بہت بھولتا ہو اس کی روایات کا غیر مقبول ہونا ظاہر ہے۔

۱۳۔ حدیث بیان کر کے بھول جانے والے کی روایت کا حکم:

الف:......ایسے شخص کی تعریف یہ ہے کہ یہ وہ شیخ اور استاذ ہے جسے وہ حدیث یاد نہ رہی ہو جو اس نے اپنے شاگرد کو کبھی سنائی تھی اور اس نے وہ روایت اپنے شیخ سے بیان بھی کی تھی۔ (دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ شخص ہے جسے اپنے شاگرد کو سنائی ہوئی حدیث یاد نہ رہی ہو جب کہ وہ شاگرد اس حدیث کو اپنے استاد سے ہی بیان کرتا ہو)

ب:......ایسے بھولنے والے کی روایت کا حکم: (اس بابت دو اقوال ہیں، جو یہ ہیں):

۱۔ اگر تو ایسا شخص اپنی (بیان کر کے بھول جانے والی) حدیث کی پورے جزم کے ساتھ نفی کرتا ہے مثلاً یوں کہے کہ ''میں نے یہ حدیث روایت نہیں کی'' یا ''وہ (میرا شاگرد اِس حدیث کو میرے طرف منسوب کرنے میں) مجھ پر جھوٹ بولتا ہے'' وغیرہ، تو ایسے شخص کی حدیث ردّ ہوگی۔

۲۔ اور اگر وہ ایسی حدیث کی نفی میں تردّد کرے (نہ اس پر کھل کر انکار کرے اور نہ اس کا صاف صاف اقرار کرے) مثلاً یوں کہے، ''میں نہیں جانتا'' یا ''مجھے یاد نہیں'' وغیرہ، تو ایسے متردّد شخص کی یہ روایت مقبول ہوگی۔

ج:......اگر ان استاد اور شاگرد میں سے کوئی حدیث کو رد کر دے تو کیا یہ ردّ دوسرے میں جرح بنے گا؟ (اس بابت صحیح مذہب یہ ہے کہ) یہ ردّ دونوں میں کسی کے لیے بھی جرح کا سبب نہ بنے گا کیوں کہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے

❶ تلقین کا لفظی معنی ہے، کسی سے اعادہ کرانے کے لیے کوئی بات کہنا (القاموس الوحید، ص: ۱٤۹۰) اور اصطلاحِ محدثین میں ''حدیث بیان کرتے وقت درمیان میں کسی سامع کا اسے کسی لفظ کے ساتھ تلقین کرنا اور اعادہ کرنے کو کہنا یعنی بطور لقمہ کسی لفظ کو ذکر کرنا، مگر اس محدث کا یہ غور کیے بغیر کہ آیا یہ اس کی حدیث کا لفظ ہے بھی یا نہیں، اس کو حدیث سمجھ کر بیان کر دینا'' تلقین کہلاتا ہے (علوم الحدیث بتصرف ص ۲۱۵) نسیم

❷ یہ تو سنتے وقت سونے پر سرزنش ہے اور اس شخص کا کیا حکم ہوگا جو سناتے وقت سوتا ہو؟ اور اس پر طرفہ تماشا یہ ہو کہ ایسے شخص کو سامعین ٹھیک اس وقت ''مَهْبَطِ اِلْهَام'' ''لاہوتی صفات'' ''قدرتِ خداوندی کا مظہر''، ''مکاشفات کا پیکر''، اور اس کی کچی پکی بر سرِ منبر نیند کی بڑبڑاہٹوں کو نوائے سروش، ندائے غیب اور پیامِ الٰہی سمجھتے ہوں۔ ''اعاذنا اللّٰہ من انقلاب القلوب''۔ نسیم

سے زیادہ اس طعن کا سزاوار نہیں۔

د:......روایت کر کے بھول جانے کی مثال: اس کی مثال وہ حدیث ہے جسے ابو داؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ربیعہ، سہیل بن ابی صالح سے، وہ اپنے والد ابو صالح سے اور وہ حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ، ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک خصومت میں) گواہ کے ساتھ ساتھ قسم بھی لے کر فیصلہ کیا۔''

عبدالعزیز بن محمد دراوردی کہتے ہیں، ''مجھے یہ حدیث ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن نے سہیل کے واسطے سے سنائی۔ پھر کسی موقع پر جب میری سہیل سے ملاقات ہوئی تو میں نے (موقع غنیمت جانتے ہوئے) ان سے اس حدیث کے بارے میں پوچھ لیا۔ مگر وہ یہ حدیث نہ پہچان سکے۔ پھر میں نے انھیں بتلایا کہ مجھے تو یہ حدیث ربیعہ نے آپ کے واسطے سے یوں ہی سنائی ہے۔ اس پر سہیل اس واقعہ کے بعد یوں کہا کرتے تھے: ''حدثني عبدالعزيز عن ربيعة، عنّي انّي حدّثته عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ مرفوعاً بكذا............'' کہ

''مجھے عبدالعزیز نے ربیعہ سے بیان کیا کہ ربیعہ مجھ سے بیان کرتے ہیں کہ میں نے انھیں حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یہ حدیث بیان کی ہے۔''

ھ:......بھولی روایات پر لکھی جانے والی اہم کتب: خاص اس موضوع پر خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ''أخبار مَنْ حَدَّثَ وَنَسِيَ'' نامی ایک کتاب لکھی ہے جو مشہور اور مقبول ہے۔

فصل دوم

کتب جرح وتعدیل کا ایک سرسری جائزہ

چوں کہ کسی حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگانے کا مدار چند امور پر تھا، جن میں دو اہم اور بنیادی امر

❀......رواۃ کی عدالت اور ان کے ضبط کا اثبات

❀...... یا ان کی عدالت اور ضبط پر طعن

تھے، اس لیے حضرات علمائے کرام ایسی کتب کی تصنیف کے لیے کمر بستہ ہو گئے جن میں رواۃِ حدیث کے ضبط وعدالت کو ان ائمہ سے نقل کر کے بیان کیا جائے جو فنِ تعدیل کے بلند مرتبہ پر فائز تھے اور امتِ مسلمہ میں ان کی وثاقت مسلَّم تھی۔ ان علماء کی اس کاوش کو "تعدیل" کا نام دیا گیا۔ اسی طرح ان حضرات نے اپنی کتب میں ان مَطاعن کو بھی صراحتہ اور صاف لفظوں میں بیان کیا جن کا تعلق ان رواۃ کی عدالت اور ان کی قوتِ ضبط وحفظ سے تھا اور ان مطاعن کو غیر متعصب علماءِ فن سے نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ ان حضرات کی یہ کوشش (عوام وخواص میں) ''جرح'' کہلائی۔ یہیں سے ان اقوال اور ائمہ محدثین کی تصریحات پر مشتمل کتب کو "کتب الجرح والتعدیل" کہا جانے لگا۔

ان کتابوں کی جہاں تعداد بہت زیادہ ہے، وہیں ان کے موضوعات میں بھی بے حد تنوع ہے۔ چناں چہ:

بعض میں صرف ثقہ رواۃ کا بیان ہے۔

بعض صرف ضعیف اور مجروح راویوں کے احوال پر مشتمل ہیں۔

بعض (مجمع البحرین ہیں کہ اُن) میں ثقہ اور ضعیف دونوں مذکور ہیں (اور وہ "عذب فرات وملح اجاج" کا حسین مجموعہ ہیں)۔

ان کتب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض کتب میں کتبِ حدیث میں سے خاص کتب یا کسی کتابِ حدیث کے رجال کے تذکرہ سے قطع نظر صرف رواۃِ حدیث کا عام تذکرہ ہے۔ جب کہ بعض کتب میں کسی خاص کتاب یا کتبِ حدیث میں سے کسی معیّنہ کتابِ حدیث کے رواۃ کے تراجم بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

بہر حال علمائے جرح وتعدیل کی ان تصنیفی کاوشوں کو نہایت عظیم الشان کارنامہ اور بے حد عمدہ علمی کام شمار کیا گیا، کیوں کہ سب سے پہلے ان علماء نے بڑی دقتِ نظری سے کام لے کر ایک محققانہ جائزہ کے بعد ان رواۃِ حدیث کے تراجم اور ان کے متعلق ''جرح وتعدیل'' کو بیان کیا۔

پھر ان لوگوں کے احوال کا بھر پور جائزہ لیا جنھوں نے ان سے احادیث کو لیا۔

پھر ان کا جنھوں نے ان بعد والوں سے احادیث کو لیا۔

اور یہ کہ ان لوگوں نے طلبِ علم اور اخذِ حدیث کے لیے کہاں کہاں کی خاک چھانی (اور ان کا پائے طلب انھیں کن کن میدانوں، صحراؤں، جنگلوں، دریاؤں، آبادیوں، ویرانوں، وادیوں اور پہاڑوں میں لیے پھرتا رہا)

اور یہ کہ ان کی اپنے شیوخ سے کب (اور کہاں اور کس حال میں) ملاقات ہوئی (اور ملاقات کے بعد کوئی حدیث لی یا نہیں لی، یا کتنی لیں، اور کب تک ساتھ رہے) وغیرہ وغیرہ اور یہ کہ انھوں نے حیاتِ مستعار کی کتنی گھڑیاں پائیں۔

غرض ان سب تفصیلات کو ان علماء نے ایسی نادرۂ روزگار اور محیر العقول شکل میں پیش کیا کہ ان سے پہلے کسی کی عقل ان علمی موشگافیوں تک نہ پہنچ سکی۔ تاریخ کے اوراق اس کی مثل پیش کرنے سے عاجز ہیں بلکہ یہ دعویٰ بھی بے جا نہ ہوگا کہ دور جدید کی متمدن، مہذب، جدید اکتشافات کی تحدّیوں اور تعلّیوں سے مالامال قومیں بھی تراجم رجال اور رواۃِ حدیث پر مرتب کیے جانے والے ان ضخیم ''انسائیکلو پیڈیاز'' "Encyclopaedias" کے پاسنگ تک بھی نہیں پہنچ پائیں جو ان علمائے حدیث نے لکھ کر دنیا کے حوالے کر دیے اور رواۃ حدیث اور ان سے نقل کرنے والوں کے جملہ احوال کو سپردِ قلم کر کے رہتی دنیا تک انسانیت کو اپنا زیرِ بارمنتِ احسان کر لیا۔ اللہ ہی ہے جو انھیں ان کی کوششوں کا ہمارے طرف سے بہترین بدلہ دے۔ قارئین کے حظِ بصر کے لیے ذیل میں، ان میں سے چند اہم اور مشہور کتابوں کے نام لکھے جاتے ہیں:

۱۔ "التاریخ الکبیر" اس کے مولف امام بخاری رحمہ اللہ ہیں (جو کسی تعارف کے محتاج نہیں) اس میں ثقہ اور ضعیف دونوں قسم کے رواۃ کا عام تذکرہ ہے۔

۲۔ "الجرح و التعدیل" یہ ابن ابی حاتم کے رشحاتِ قلم ہیں۔ اس میں بھی ثقہ اور ضعیف دونوں راویوں کا عام تذکرہ ہے بلکہ یہ پہلی کتاب کے (بہت حد تک) مشابہ ہے۔

۳۔ "الثقات" ابن حبان رحمہ اللہ کا تحریری گلدستہ ہے جو صرف ثقات کے بیان پر مشتمل ہے۔

۴۔ "الکامل فی الضعفاء" ابن عدی کی علمی یادگار ہے۔ جیسا کہ اس کے نام سے ہی ظاہر ہے اس میں صرف ضعفاء کے تراجم ہیں۔

۵۔ "الکمال فی اسماء الرجال" عبدالغنی مقدسی کا علمی شاہکار ہے۔ اس میں ثقہ اور ضعیف دونوں راویوں کا ذکر ہے۔ البتہ اس میں صرف ''صحاح ستہ'' کے رجال کے تراجم ہیں۔

۶۔ "میزان الاعتدال" علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے۔ جو صرف ضعفاء اور متروک رواۃ (یعنی اگرچہ ان پر جرح کی گئی ہے مگر ان میں اس جرح کو قبول نہیں کیا گیا) کے تراجم پر مشتمل ہے۔

۷۔ "تہذیب التہذیب" اس علمی شہ پارے کے مولف حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہیں۔ جسے "تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" کی تہذیبات اور مختصرات میں شمار کیا جاتا ہے۔

۸۔ "تقریب التہذیب" یہ بھی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا علمی گنج گراں مایہ ہے۔ جو مولف موصوف کی اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" کا اختصار ہے۔

فصل سوم

جرح وتعدیل کے مراتب

ابن ابی حاتم رحمہ اللہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب، "الجرح والتعدیل" کے مقدمہ میں جرح وتعدیل میں سے ہر ایک کے چار چار مراتب شمار کرائے ہیں اور ساتھ ہی ان میں سے ہر ایک مرتبہ کا حکم بھی بیان کر دیا ہے۔ پھر بعد کے علماء نے جرح وتعدیل میں سے ہر ایک کے مراتب میں دو اور مراتب کا بھی اضافہ کیا۔ یوں ان میں سے ہر ایک کے کل چھ مراتب ہو گئے۔ آیئے! ذیل میں ان میں سے ہر ایک کے مراتب کو ان الفاظ کے ساتھ پڑھتے ہیں:

ا۔ تعدیل کے مراتب [1] اور ان کے بعض الفاظ کا بیان:

الف:...... یہ وہ الفاظ ہیں جو کسی راوی کی وثاقت میں مبالغہ پر دلالت کریں یا وہ الفاظ "اَفْعَلُ" (اسمِ تفضیل) کے وزن پر ہوں۔ یہ کسی راوی کی توثیق کی بابت سب سے بلند اور اعلیٰ الفاظ ہیں مثلاً "فلان الیہ المنتھی التثبت" (فلان پر حزم واحتیاط، غور وفکر، تحقیق وتدقیق [2] بس ہے) یا "فلان اَثْبَتُ الناس" (وہ سب سے زیادہ پختہ اور محتاط ہے)

ب:...... پھر ان الفاظ کا درجہ ہے جو ایک صفت کی تاکید کرتے ہوں یا صفاتِ توثیق میں سے دو صفات کی تاکید کرتے ہوں جیسے "فلان ثقة ثقة" (یہ ایک صفت کی تاکید کی مثال ہے) یا "فلان ثقة ثَبْتٌ" (یہ دو صفات کی تاکید کی مثال ہے)

ج:...... پھر وہ الفاظ ہیں جن سے بغیر تاکید کے توثیق پر دلالت کرنے والی صفت کی تعبیر کی جائے، جیسے ثِقَةٌ، حُجَّةٌ۔

د: پھر وہ الفاظ ہیں جو صرف تعدیل پر دلالت کرتے ہوں البتہ وہ الفاظ راوی کے ضبط کی بابت کچھ بیان نہ کریں۔ جیسے "صَدُوْقٌ" یا "مَحَلُّهُ الصِّدْقُ"۔ (اس کا مقام سچ کا مقام ہے یعنی یہ سچا ہے) یا "لا بَأْسَ بہ" (اس راوی میں کوئی حرج نہیں)

ھ:...... پھر ان الفاظ کا درجہ ہے جو جرح وتعدیل میں سے کسی پر بھی دلالت نہ کریں جیسے "فلان شیخ" یا "فلان روی عنه الناس" (کہ ایسے لوگ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں ہو سکتے ہیں)۔

و:...... اور آخر میں ان الفاظ کا درجہ ہے جو قریب قریب "جرح" پر دلالت کرتے ہیں، جیسے "فلان صالح

---

[1] یاد رہے کہ مراتب کی یہ ترتیب اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف ہے اور اسے "ترتیب نزولی" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ نسیم

[2] یہ سب "تَثَبُّت" کے معانی ہیں دیکھیں (القاموس الوحید ص ۲۱۰) یعنی یہ روایت حدیث لینے میں بے حد محتاط، مدبر اور پختہ ہے۔ نسیم

الحدیث" یا "فلان یُکْتَبُ حدیثُه"

۲۔ مذکورہ مراتب میں سے ہر ایک کا حکم:

الف:......جن رواۃ کے حق میں پہلے تین مراتب کے الفاظ بولے جاتے ہیں، وہ سب قابلِ احتجاج ہیں (کہ ان کی حدیث کو لیا جائے گا) اگرچہ خود ان میں (باہم فرقِ مراتب ہونے کی وجہ سے) کوئی دوسرے سے زیادہ قوی ہو۔

ب:......اور وہ لوگ جن کے حق میں چوتھے اور پانچویں درجے کے الفاظ لکھے جاتے ہیں وہ اگرچہ لائق احتجاج نہیں ہوتے البتہ ان کی احادیث کو لکھا بھی جائے گا اور ان کا "اِختبار" ❶ بھی کیا جائے گا۔ اگرچہ پانچویں مرتبہ والے چوتھے مرتبہ والوں سے کم درجے کے ہیں۔

د:......رہ گئے وہ لوگ جن کے لیے چھٹے مرتبہ کے الفاظ بولے گئے ہیں تو وہ لوگ ناقابلِ احتجاج ہوتے ہیں البتہ ان کی حدیث صرف "اعتبار" کی غرض سے لکھی جائے گی نا کہ "اختبار" کے لیے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا عدمِ ضبط ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ جرح کے مَراتب ❷ اور ان کے الفاظ کا بیان:

الف:......وہ الفاظ جو نرمی پر دلالت کریں (اور یہ سب سے نرم اور ہلکی جرح ہے) جیسے "فُلان لَیِّنُ الحدیثِ" فلاں حدیث میں نرمی سے کام لیتا ہے، یا "فِیْهِ مَقَالٌ" علماء نے اس راوی میں کلام کیا ہے۔"

ب:...... پھر (سخت اور شدید ہونے میں) ان الفاظ کا مرتبہ ہے جو راوی کے ناقابل احتجاج ہونے پر صراحۃً دلالت کریں یا اس جیسے ملتے جلتے الفاظ (جو راوی کے ناقابلِ احتجاج ہونے کو بتلائیں)۔ جیسے "فلان لا یُحتَجُّ به". (اس کا معنی ظاہر ہے) یا "فُلانٌ ضعیف" یا "له مناکیر" (یہ منکر احادیث روایت کرتا ہے)

ج:...... پھر ان الفاظ کا درجہ ہے جو صراحۃً اس بات پر دلالت کریں کہ فلاں کی حدیث نہ لکھی جائے یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں: جیسے "فُلانٌ لا یُکتَبُ حَدِیثُه" (فلاں کی حدیث نہ لکھی جائے) یا "لا تَحِلُّ الروایةُ عنه" (فلاں سے روایت کرنا جائز نہیں) یا "ضعیف جِدًّا" (وہ فلاں بہت ضعیف ہے) یا "واہٍ بَمرَّۃٍ" (فلاں کبھی بے حد کمزور بات کرتا ہے) وغیرہ وغیرہ۔

---

❶ "اختبار" سے یہ مراد ہے کہ ان کے ضبط کو پرکھا جائے گا، اور اس کی صورت یہ ہے کہ ان کی احادیث کو ثقہ اور ضابط رواۃ کی احادیث پر پیش کیا جائے گا اگر تو ان کی حدیث ثقات کی حدیث کے موافق نکل آئی تو ان کی حدیث کو حجت مانا جائے گا ورنہ نہیں۔ اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ جس راوی کو "صدوق" کہا جاتا ہے اس کی حدیث کو اختبار سے پہلے حجت نہیں مانا جائے گا۔ اور جن لوگوں نے ایسے رواۃ کی حدیث کو "حسن" کہا ہے جن کی بابت "صدوق" کے الفاظ آئے ہیں، انھوں نے خطا کی ہے کیوں کہ "حدیثِ حسن" حجت ہوتی ہے۔ (اور صدوق کی حدیث بغیر اختبار کے حجت نہیں ہوتی) یہ تو ہے وہ اصطلاح جو ائمہ جرح وتعدیل کے ہاں متداول اور معروف ہے جب کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تقریب التہذیب" میں لفظِ "صدوق" کی بابت اپنی ایک خاص اصطلاح استعمال کی ہے۔ واللہ اعلم۔ (طحّان)

❷ مراتب کی یہ ترتیب ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ہے۔ اور اسے "ترتیب صعودی" کہتے ہیں۔ نسیم

د:......پھر وہ الفاظ ہیں جن میں (مجروح راوی پر) صراحۃً کذب بیانی کی تہمت ہو یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں:
جیسے "فُلانٌ مُتَّهَمٌ بِالكذبِ" (فلاں پر دروغ گوئی کی تہمت ہے) یا "مُتَّهَمٌ بالوضع" (فلاں پر جعلی احادیث بنانے کا الزام ہے) یا "يَسْرِقُ الحديث" (حدیث چوری کرتا ہے) یا "سَاقِطٌ" یا متروک یا "ليس بِثِقَةٍ" (وہ غیر ثقہ ہے) وغیرہ۔

ھ:......پھر (شدتِ جرح میں) ان الفاظ کا درجہ ہے جن میں راوی کو صاف صاف جھوٹا کہا گیا ہو یا ملتے جلتے الفاظ ہوں۔

جیسے، "كَذّابٌ یا دَجّالٌ یا وَضّاعٌ یا يَكْذِبُ (جھوٹ بولتا ہے) یا يَضَعُ (جعل ساز ہے)۔

و:......پھر ان الفاظ کا درجہ ہے جو کذب میں مبالغہ کرتے ہوں۔ (اور یہ بدترین جرح ہے) جیسے "فُلان اَكْذَبُ النَّاس" (یعنی وہ سب سے بڑا جھوٹا ہے یا زمانے کا جھوٹا ہے، یا جھوٹوں کا بھی باپ ہے، یا جھوٹوں کا سردار ہے) یا "اليه المنتهى فى الكذب" (جھوٹ بولنا تو فلاں پر ختم ہے) یا "هو ركن الكذب" (وہ جھوٹ کی جڑ ہے)۔

۴۔ مذکورہ مراتب کا حکم:

الف:......جن رواۃ کے حق میں پہلے دو مراتب کے الفاظ بولے جاتے ہیں بلاشبہ ان کی حدیث نا قابلِ احتجاج ہے مگر ان کی حدیث صرف "اعتبار" کی غرض سے لکھی جا سکتی ہے۔ اگرچہ دوسرے مرتبہ والے رواۃ پہلے مرتبہ والوں سے کم ہیں۔ [1]

ب:......رہ گئے وہ رواۃ جن کے حق میں آخری چار مراتب کے الفاظ بولے جاتے ہیں تو نہ تو وہ لوگ لائق احتجاج ہے اور نہ اس کی حدیث لکھے جانے کے قابل ہے اور نہ ان کی احادیث کو "اعتبار" کی غرض سے ہی لیا جائے گا۔

(بابِ دوم کی تینوں فصلیں ختم ہوئیں)

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کیجیے۔

۱۔ وما أفة الأخبار الا ....

۲۔ مروءة کا معنی .... ہے۔

۳۔ محدثین نے راوی کی عدالت پرکھنے کے بارے میں .... کا مسلک قبول نہیں کیا۔

۴۔ "هو يقبل التلقين" .... کا صیغہ ہے۔

۵۔ .... صرف تب مقبول ہوگی جب مُفَسَّر ہو۔

[1] یعنی خفتِ جرح میں مرتبہ کم ہے کہ دوسرے مرتبہ والوں پر جرح پہلے مرتبہ کے لوگوں سے زیادہ ہے۔ کما ھو ظاہر۔ نسیم

۶۔ خطیب بغدادی کی کتاب "اَخبارُ مَنْ حَدَّثَ وَنَسِیَ" کا موضوع .... ہے۔

۷۔ "لا بَأسَ به" کسی راوی کے لیے............ کے الفاظ ہیں۔

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ ائمہ اربعہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ اور کیا انھیں ان کے ہم عصر لوگوں کی توثیق کی ضرورت ہے؟

۲۔ اگر کوئی راوی اپنی بیان کردہ روایات میں کبھی ثقات کی مخالفت کرتا ہو تو کیا اسے قابل اعتماد راوی قرار دیا جا سکتا ہے؟

۳۔ آپ نے اپنی کتاب میں پڑھا کہ امام بخاری، مسلم اور ابو داؤد جیسے محدثین نے مجروح راویوں کی روایات قبول کی ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے؟

۴۔ اگر کسی راوی میں جرح اور تعدیل کے اسباب اکٹھے ہو جائیں تو اس صورت کا کیا حل ہے؟

۵۔ کسی متقی شخص کا کسی حدیث کے مطابق عمل کرنا اس حدیث کے قابل اعتماد ہونے کی دلیل بن سکتا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟

۶۔ جرح وتعدیل کی کوئی سی پانچ کتب کا مختصر تعارف مع اسماء مصنفین تحریر کیجیے۔

۷۔ اختبار اور اعتبار میں کیا فرق ہے؟

عملی کام :......کوئی حدیث منتخب کیجیے، لائبریری کا رخ کیجیے اور جرح وتعدیل کی کتب سے اس حدیث کے تمام راویوں کے حالات کا مطالعہ کیجیے۔

عملی کام:......کوشش کیجیے کہ جرح اور تعدیل کے مراتب کے الفاظ ان کے حکم کے ساتھ ذہن نشین ہو جائیں۔

باب سوم

روایت، آدابِ روایت اور کیفیتِ ضبط کا بیان

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

فصل اوّل: ضبطِ روایت کی کیفیت اور اس کے تحمل کے طرق کا بیان

فصل دوم: آدابِ روایت کا بیان

فصل اوّل

ضبط روایت کی کیفیت اور اس کے تحمل کے طرق کا بیان

یہ فصل تین مباحث پر مشتمل ہے:

بحث اوّل:...... کیفیت سماعِ حدیث اور تحملِ حدیث اور ضبط کی صفت کا بیان

بحث دوم:...... حدیث لینے اور آگے منتقل کرنے کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ

بحث سوم:...... روایت حدیث کا طریقہ

بحث اوّل:

کیفیتِ سماعتِ حدیث، تحمل حدیث اور صفتِ ضبط حدیث کا بیان

ا۔ تمہید:

''سماع حدیث کی کیفیت'' سے مراد ان باتوں کا بیان ہے جو اس شخص میں ہونی چاہئیں اور وہ باتیں اس کے لیے شرط ہیں جو مشائخ سے روایت یا تحمل کی غرض سے حدیث کی سماعت کرنا چاہتا ہو تا کہ بعد میں ان احادیث کو دوسروں تک پہنچا سکے۔ جیسے ایک معین عمر کا وجوباً یا استحباباً شرط ہونا وغیرہ (جس کی تفصیل آگے آ جائے گی)۔

اور ''تحمل حدیث'' سے مراد مشائخ سے حدیث لینے اور حاصل کرنے کے طرق کا بیان ہے۔ اور ''ضبط حدیث کی صفت'' سے مراد اس بات کا بیان ہے کہ طالب حدیث حدیث کو حاصل کرتے وقت کس طرح ضبط اور محفوظ کرے جو اسے اس بات کے لائق بنا دے کہ وہ (بعد میں) اس حدیث کو ایسی صورت پر دوسروں کو روایت کر سکے جو لائق اطمینان ہو۔

علمائے مصطلح الحدیث نے ''علوم الحدیث'' کی اس نوع پر خاص توجہ دی ہے اور اس کے لیے نہایت دقیق اور عمدہ قواعد و ضوابط اور شروط مقرر کی ہیں۔ اور تحمل حدیث کے طرق میں فرق و امتیاز کیا ہے (کہ ہر طریق کی ایک جداگانہ حیثیت ہے) اور ان کے مراتب مقرر کیے ہیں جن میں سے بعض بعض سے زیادہ قوی ہیں اور ان علماء نے یہ اہتمام صرف حدیث نبوی ﷺ پر خصوصی توجہ دینے، اور حسن و خوبی کے ساتھ احادیثِ نبویہ ﷺ کے ایک شخص سے دوسرے شخص تک منتقل ہونے کی غرض سے کیا تا کہ ایک مسلمان کو اس بات کا اطمینان رہے کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ اس تک نہایت محفوظ اور عمدہ طریق سے پہنچے ہیں اور اسے اس بات کا پورا وثوق ہو کہ یہ طریقے دقت و حفاظت اور سلامتی میں اپنی انتہا کو چھو رہے ہیں۔

۲۔ کیا تحمل ❶ حدیث کے لیے مسلمان اور بالغ ہونا شرط ہے؟:

اس بابت صحیح قول یہ ہے کہ تحمل حدیث کے لیے نہ اسلام شرط ہے اور نہ بلوغت، البتہ یہ دونوں باتیں ادائے ❷ حدیث کے لیے ضرور شرط ہیں۔ جیسا کہ شروطِ راوی میں یہ بات بیان ہو چکی ہے۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے مسلمان اور بالغ شخص کی اس حدیث کی روایت مقبول ہوگی جو اس نے اپنے مسلمان یا بالغ ہونے سے پہلے حاصل کی

❶ آسان لفظوں میں ''تحمل حدیث'' کو ''تحصیل حدیث'' بھی کہہ سکتے ہیں (علوم الحدیث، ص: ۳۰۵) لیکن بندہ عاجز مترجم اخیر کتاب تک ''کتاب کی اصطلاح'' کو ہی لکھے گا۔نسیم

❷ علامہ طحان تحمل اور ادا کی آسانی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''تحمل یہ مشائخ سے حدیث کو لینا اور حاصل کرنا ہے۔ اور ''ادا'' یہ طالبانِ حدیث کو حدیث روایت کرنا اور عطا کرنا ہے۔ (طحان)

تھی۔ البتہ نابالغ ہونے کی بابت یہ ضروری ہے تحملِ حدیث کے وقت وہ شخص 'سنِ تمیز'' کو پہنچ چکا ہو (جس میں اچھے بُرے کو جاننے اور سمجھنے کا قدرے ادراک پیدا ہو چکا ہوتا ہے)۔

ایک قول یہ ہے کہ تحملِ حدیث کے لیے بلوغت شرط ہے مگر یہ غیر معتمد قول ہے۔ کیوں کہ اہلِ اسلام نے ''کم عمر صحابہ'' جیسے حسن رضی اللہ عنہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کی روایت کو یہ فرق کیے بغیر قبول کیا ہے کہ آیا انھوں نے یہ حدیث بلوغت سے پہلے حاصل کی تھی یا بعد میں۔

۳۔ کس عمر میں سماعتِ حدیث کا آغاز کرنا مناسب (اور پسندیدہ) ہے؟:

(اس بابت متعدد اقوال ہیں، جو یہ ہیں):

الف: ......ایک قول یہ ہے کہ طالبِ علم سماعتِ حدیث کا آغاز تیس سال کی عمر میں کرے۔ یہ اہلِ شام کا قول ہے۔

ب: ......ایک قول بیس سال کا ہے، یہ کوفیوں کا قول ہے۔

ج: ......ایک دس سال کا ہے اور یہ اہلِ بصرہ کا قول ہے۔

د: ...... جب کہ بعد کی ان صدیوں (اور ہمارے زمانے) میں درست قول یہ ہے کہ جب سماعتِ حدیث کی اہلیت پیدا ہو جائے تو جتنی جلدی ممکن ہو سکے حدیث کی سماعت کا آغاز کر دیا جائے۔ کیوں کہ اب احادیث کتابوں میں (جمع اور) منضبط کی جا چکی ہیں۔

بحث دوم:

طرقِ تحمل اور صِیَغ ادا ❶ کا بیان

علماء نے ''تحملِ حدیث'' کے آٹھ طرق بیان کیے ہیں، جو یہ ہیں:

السماع من لفظ الشیخ	القراء ۃ علی الشیخ
الاجازۃ	المناولۃ
الکتابۃ	الاعلام
الوصیّۃ اور	الوجادۃ

ہم ان میں سے ہر ایک پر اختصار کے ساتھ کلام کریں گے اور ساتھ ہی اختصار کے ساتھ ہر ایک طریق کے ''الفاظِ ادا'' کو بیان کریں گے:

۱۔ اَلسَّمَاعُ مِنْ لَّفْظِ الشَّیْخِ:

(یعنی شیخ حدیث کے جو الفاظ بیان کر رہا ہے ان کو سننا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں ''استاد کی زبان سے حدیث کو سننا)

الف:...... شیخ کی زبان سے حدیث سننے کی صورت: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ حدیث پڑھے اور ''طالب'' حدیث سُنے۔ چاہے شیخ نے وہ حدیث اپنی یادداشت کی مدد سے پڑھی ہو یا اپنی کتاب سے، اور چاہے طالب حدیث نے حدیث سنی اور پھر اس کو لکھ لیا ہو یا صرف سنا ہو اور لکھا نہ ہو (بلکہ زبانی یاد کرلیا ہو)۔

ب:...... تحمل حدیث کے اس طریق کا رتبہ: جمہور کے نزدیک تحملِ حدیث کے جملہ طرق میں سے یہ سب سے اعلیٰ طریق ہے۔

ج:...... استاد کی سنائی حدیث کے الفاظِ ادا: (۱) جب تک ہر طریقِ تحمل کے لیے مخصوص الفاظ ادا رواج نہیں پائے تھے، استاد سے حدیث سننے والے کے لیے حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ ادا کرنا جائز تھا۔ ''سَمِعْتُ'' یا ''حَدَّثَنِیْ'' یا ''اَخْبَرَنِیْ'' یا ''اَنْبَانِیْ'' یا ''قَالَ لِیْ'' یا ''ذَکَرَلِیْ'' (یہ تو ابتدائے زمانہ کی بات تھی)۔

لیکن جب تحملِ حدیث کے ہر طریق کے لیے مخصوص الفاظ رواج پا گئے تو الفاظ کی تقسیم کچھ یوں قرار پائی۔

---

❶ ''طرقِ تحمّل'' سے مراد مشائخ سے حدیث لینے اور حاصل کرنے کی ہیئتیں اور صورتیں ہیں، اور ''صِیَغِ ادا'' سے مراد وہ عبارتیں ہیں جن کو ایک محدث طالبانِ حدیث کو حدیث روایت کرتے اور عطا کرتے وقت استعمال کرتا ہے مثلاً سَمِعْتُ یا حَدَّثَنِیْ یا اَخْبَرَنِیْ کے صیغے استعمال کرنا۔ (طحان)

"سماع من لفظِ الشیخ" کے لیے: سَمِعْتُ یا حَدَّثَنِی

قراءۃ علی الشیخ کے لیے: اَخْبَرَنِی

"اِجَازَۃ" کے لیے: اَنْبَأَنِی

"سماع المذاکرۃ" ❶ کے لیے: قَالَ لِیْ یا ذَکَرَ لِیْ

۲۔ قِرَاءَۃٌ عَلَی الشَّیْخ:

(یعنی شاگرد استاد کے سامنے بیٹھ کر حدیث پڑھے اور استاد اور دوسرے شاگرد سنیں یا اگر شاگرد اکیلا ہو تو صرف استاد سنے) اور اکثر محدثین تحمّلِ حدیث کے اس طریق کو "عرض" کہتے ہیں۔

الف:...... قراءۃ علی الشیخ کی صورت یہ ہے کہ طالب پڑھے اور شیخ اسے سنے۔ ❷ چاہے یہی شاگرد پڑھ رہا ہو اور استاد سن رہا ہو یا پڑھ تو کوئی دوسرا شاگرد رہا ہو اور یہ بھی (استاد کے ساتھ) سن رہا ہو۔ اور چاہے زبانی پڑھے یا کتاب سے، اور چاہے شیخ اور استاد بھی اپنی یادداشت سے پڑھنے والے شاگرد کے ساتھ ساتھ پڑھتا رہے یا شیخ خود یا کوئی دوسرا ثقہ اور معتمد کتاب لے کر بیٹھ جائے (اور پڑھنے والے کا مقابلہ وموازنہ کرتا جائے)

ب:...... قراءت علی الشیخ کی روایت کا حکم: قراءت علی الشیخ کے طریق سے حدیث کو روایت کرنا بلا اختلاف صحیح ہے چاہے اس کی مذکورہ صورتوں میں سے جو بھی صورت رہی ہو سوائے بعض متشددین کے جو کسی شمار قطار میں نہیں، وہ اس طریق سے روایت کو صحیح نہیں مانتے۔

ج:...... قراءت علی الشیخ کے طریق کا رتبہ: اس کے رتبہ کی بابت تین مختلف اقوال ہیں:

۱۔ سماع من لفظ الشیخ کے مساوی ہے: یہ امام مالک، امام بخاری اور کوفہ اور حجاز کے اکثر علماء کا مذہب ہے۔

۲۔ سماع سے ادنیٰ ہے: یہ جمہور اہلِ مشرق سے مروی قول ہے اور "یہی صحیح ہے۔"

۳۔ سماع سے اعلیٰ ہے: یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ابن ابی ذئب سے مروی ہے۔ اور ایک روایت میں امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی منقول ہے۔

د:...... قراءت علی الشیخ سے حاصل کی جانے والی حدیث کے الفاظِ ادا: (ایسی حدیث کے تین قسم کے الفاظِ ادا ہیں)۔

۱۔ اَحْوَطُ الْاَلْفَاظِ: (یعنی وہ الفاظ جو زیادہ احتیاط پر مبنی ہیں اور وہ یوں) کہ طالب حدیث کہے، "قَرَأْتُ عَلٰی فُلَانٍ" (میں نے یہ حدیث فلاں پر پڑھی) یا "قُرِئَ عَلَیْهِ وَ اَنَا اَسْمَعُ" (شیخ کے سامنے حدیث پڑھی گئی،

---

❶ یاد رہے کہ سماع المذاکرہ اور ہے اور سماع التحدیث اور کیوں کہ سماع التحدیث یہ ہے کہ کبھی شیخ اور طالب مجلس حدیث میں جانے سے پہلے استحضار اور ضبط کے لیے تیاری کرتے ہیں جب کہ مذاکرۂ حدیث میں یہ تیاری نہیں ہوتی۔ (طحان)

❷ اس سے یہ مراد ہے کہ طالب علم شیخ کی مرویات پڑھے نا کہ یہ مطلب ہے کہ وہ جس کی چاہے احادیث پڑھ دے اور یہ شرط اس لیے ہے کہ طالب کے شیخ پر قراءت کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شیخ خود بھی اپنی احادیث کو شاگرد سے سن لے تاکہ اس کے ضبط کا اطمینان کر لے۔ (طحان)

جب کہ اس وقت میں بھی یہ حدیث سن رہا تھا) اور انھوں نے اس حدیث کو تسلیم کیا (کہ ہاں یہ حدیث میری ہے اور یوں ہی ہے)۔"

۲۔ البتہ ایسی حدیث کو ان تمام الفاظ سے بھی ادا کیا جاسکتا ہے جو "سماع" پر دلالت کریں اور لفظِ قراءت کے ساتھ مقید ہوں جیسے "حَدَّثَنَا قِرَاءَةً عَلَيْهِ" (ہمیں فلاں نے بیان کیا جب کہ اس وقت یہ حدیث ان پر قراءت کی جا رہی تھی)۔ (یہ الفاظ "جائز" کہلاتے ہیں۔ علوم الحدیث، ص: ۳۱۰۔ تیسیم)

۳۔ تیسری قسم کے الفاظ وہ ہیں جو اکثر محدثین کے نزدیک رائج ہیں اور وہ صرف لفظ "اخبرنا" ❶ کا اطلاق ہے (کہ صرف اَخْبَرَنَا بول کر قراءت علی الشیخ کو مراد لے لیا جائے)۔ البتہ دوسرے الفاظ قراءت پر دلالت کرنے میں مطلق نہیں۔ (ان کو "رائج" الفاظ کہتے ہیں۔ علوم الحدیث، ص: ۳۱۰۔ تیسیم)

۴۔ "اَلْإِجَازَةُ": (یہ تحملِ حدیث کا تیسرا طریق ہے)

الف:...... اجازت کی تعریف: اجازت کا معنیٰ (استاد کا شاگرد کو) زبانی یا تحریری حدیث روایت کرنے کی اجازت دینا ہے۔

ب:...... اجازت کی صورت: اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کسی طالب حدیث کو یہ کہے، "میں نے تمھیں اس بات کی اجازت دی کہ تم (مثلاً) صحیح بخاری (یا کسی دوسری حدیث کی کتاب کو) کو میرے واسطے سے روایت کرلو۔"

ج:...... اجازت کی اقسام: "اجازت" کی متعدد انواع ❷ ہیں۔ مگر ہم ان میں سے صرف پانچ کو ذکر کرتے ہیں، جو یہ ہیں:

ا۔ شیخ کسی معیّن (شاگرد) کو کسی معیّن (کتاب) کی اجازت دے:............ جیسے شیخ یہ کہے، "میں نے فلاں فلاں معین کو صحیح بخاری کی (آگے اپنے واسطے سے روایت کرنے کی) اجازت دی (یہ معین کی اجازت دینے کی تعبیر ہوئی) یہ اجازت کی انواع میں سب سے اعلیٰ نوع ہے جو "مُنَاوَلَةٌ" (کے مفہوم) سے خالی ہے (مناولہ کا بیان آگے آرہا ہے)۔

۲۔ کسی معیّن کو غیر معیّن کتاب کی اجازت دینا:............ مثلاً شیخ یوں کہے، "میں نے تمھیں اپنی "مسموعات" کی روایت کی اجازت دی (کہ اس میں کسی خاص حدیث یا کتاب کی طرف اشارہ نہیں بلکہ جو کچھ سنا ہے وہ روایت کرلو)۔

۳۔ غیر معین کو غیر معین اجازت دینا:............ مثلاً کسی کا یہ کہنا، "میں نے اپنے زمانے کے لوگوں کو اپنی مسموعات کی روایت کی اجازت دی۔"

۴۔ کسی مجہول کتاب کی اجازت دینا یا کسی مجہول شاگرد کو اجازت دینا:............ (دراصل یہ اجازت کی دو صورتیں ہیں جن کو مؤلف موصوف نے ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے) اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ کہے، "میں نے تمھیں "کتاب

❶ نوٹ: یہ جمع کا صیغہ ہے۔ اور جب شیخ پر قراءت کرنے والا شاگرد تنہا ہو تو وہ "اَخْبَرَنَا" کی بجائے "اَخْبَرَنِیْ" کہے گا (علوم الحدیث، ص: ۳۱۰) تیسیم ❷ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نو صورتیں ذکر کی ہیں (علوم الحدیث، ص: ۳۱۱) تیسیم

السنن" کی اجازت دی۔ جب کہ واقع یہ ہو کہ شیخ نے متعدد کتب سنن کو روایت کیا ہو (اب اس اجازت میں سنن کی کون سی کتاب مراد تھی؟ شیخ نے اس کو مجہول رکھا۔ اس لیے یہ "مجہول کی اجازت" کہلائے گی) یا یہ کہے، "میں نے محمد بن خالد دمشقی کو اجازت دی۔" جب کہ واقعہ یہ ہو کہ (اس نام کے کئی شاگردوں نے اس شیخ سے حدیث سنی ہو اور) ایک پوری جماعت اس نام میں شریک ہو (تو اب یہ "مجہول کو اجازت" ٹھہری)۔

۵۔ معدوم (یعنی غیر موجود) کو اجازت دینا:.......... اس کی صورت چاہے یہ ہو کہ کسی موجود کے تابع بنا کر کسی غیر موجود کو بھی اجازت دے دے، مثلاً یہ کہے، "میں نے فلاں اور اس کی پیدا ہونے والی اولاد کو بھی اجازت دی" یا مستقلاً اسی غیر موجود کو اجازت دے مثلاً یہ کہے، "میں نے فلاں کی پیدا ہونے والی اولاد کو اجازت دی۔"

د:...... اجازت کا حکم: اجازت کی پہلی قسم کا حکم یہ ہے کہ یہ صحیح ہے اور اسی پر جمہور ہیں اور اسی پر عمل کرنا طے ہے۔ چناں چہ اجازت کی اس صورت میں روایت بھی جائز ہے اور اس پر عمل کرنا بھی درست ہے جب کہ بعض جماعتوں نے اس صورت کو نادرست قرار دے کر جمہور کے ساتھ اختلاف بھی کیا ہے اور یہ امام شافعی رحمہ اللہ سے مروی دو روایتوں میں سے ایک ہے۔

جب کہ اجازت کی باقی چار صورتوں کے جواز (اور عدمِ جواز) میں اختلاف بہت شدید بھی ہے اور بہت زیادہ بھی۔ بہرحال اجازت کے طریق سے حدیث کا تحمل اور اس کی روایت بہت کمزور طریق ہے جس میں تساہل کی گنجائش نہیں۔

ھ:...... اجازت کے طریق سے حاصل کی جانے والی حدیث کے الفاظِ ادا:

۱۔ اولیٰ یہ ہے کہ راوی "اَجَازَ لِیْ فُلَانٌ" کہے (کہ مجھے فلاں نے روایتِ حدیث کی اجازت دی ہے" کہ یہ سب سے بہتر الفاظ ہیں کیوں کہ ان میں اجازت کی صراحت ہے)

۲۔ البتہ ایسے الفاظ کے ساتھ بھی روایت کرنا جائز ہے جو سماعِ حدیث اور اس کی قراءت کو بتلائیں البتہ ان میں اجازت کی صراحت شرط ہے جیسے "حَدَّثَنَا اِجَازَةً" یا "اَخْبَرَنَا اِجَازَةً" (یعنی ہمیں فلاں نے اجازت کے طور پر بیان کیا)

۳۔ جب کہ متاخرین کے نزدیک اجازت کے ذریعے حاصل کی جانے والی حدیث کو "اَنْبَاَنَا" کے لفظوں کے ساتھ بیان کرنا چاہیے یہی "اَلْوِجَازَۃُ" کے مصنف [1] کا مختار قول ہے۔

[1] یہ ابو العباس ولید بن بکر معمری ہے۔ اور ان کی تالیف کا پورا نام، "اَلْوِجَازَۃُ فِیْ تَجْوِیْزِ الْاِجَازَۃِ" ہے۔ (طحان)

۴۔ "اَلْمُنَاوَلَةُ" ❶ (یہ تحمل حدیث کا چوتھا طریق ہے)

الف: مناولہ کی اقسام:

مناولہ کی (بنیادی طور پر) دو قسمیں ہیں:

۱۔ مناولہ مقرونہ بالاجازت:

(اس کو "مُنَاوَلَةٌ مَعَ الْإِجَازَةِ" بھی کہتے ہیں۔ یعنی شیخ کوئی کتاب اور تحریر بھی دے اور ساتھ ہی صراحۃً روایت کی اجازت بھی دے) اور یہ اجازت کی انواع میں سے مطلقاً سب سے اعلیٰ نوع ہے اور اس کی ایک صورت یہ ہے کہ شیخ طالب کو اپنی کتاب دے کر یہ کہے، "یہ فلاں کے واسطے سے میری روایات ہیں پس تم ان کو میرے واسطے سے روایت کرو پھر چاہے تو وہ کتاب اس کی ملکیت میں دے کر اسی کے پاس رہنے دے یا (چند دنوں کے واسطے) اعارۃً دے دے تاکہ وہ اس کو لکھ لے۔

۲۔ مُنَاوَلَةٌ مُجَرَّدَةٌ عَنِ الْإِجَازَةِ:

(اسے مناولہ بدون اجازت کہتے ہیں) اور اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ طالب علم کو فقط یہ کہہ کر اپنی کتاب دے دے کہ "یہ میری روایات ہیں" (مگر اس کے ساتھ اس بات کی صراحت نہ کرے کہ تمھیں آگے میرے واسطے سے ان کو روایت کرنے کی بھی اجازت ہے یا نہیں)۔

ب: مناولہ کے طریق سے حاصل کی گئی احادیث کو روایت کرنے کا حکم:

(چوں کہ مناولہ کی دو اقسام ہیں ان لیے ہر ایک کا حکم بھی جدا جدا ہے، جو یہ ہے)

۱۔ مُنَاوَلَةٌ مَقْرُوْنَةٌ بِالْإِجَازَةِ کا حکم:

ایسی احادیث کی روایت جائز ہے اور اس کا مرتبہ "سَمَاعٌ مِنْ لَفْظِ الشَّيْخِ" اور "قِرَاءَةٌ عَلَى الشَّيْخِ" سے کم ہے۔

۲۔ مُنَاوَلَةٌ مُجَرَّدَةٌ عَنِ الْإِجَازَةِ کا حکم:

صحیح قول یہ ہے کہ ایسی روایات کو آگے بیان کرنا درست نہیں۔

❶ اگرچہ مولف موصوف نے مناولہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بیان نہیں کی لیکن انواع کی تفصیل کے ضمن میں مناولہ کی اصطلاحی تعریف کو اخذ کیا جاسکتا ہے۔ بہر حال مناولہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف یہ ہے: "مناولہ" کا لغوی معنی ہے سپردگی اور (کسی کو) کچھ دینا۔ (القاموس الوحید ص۷۲۸) جب کہ محدثین کی اصطلاح میں "مناولہ" کسی شیخ اور محدث کا اپنے تلمیذ کو اپنے ہاتھوں سے وہ کتاب یا تحریر دینا ہے جو اس نے شیخ سے سنی ہے اور ساتھ ہی شیخ اسے یہ بھی کہے کہ "میں نے تمھیں اس بات کی اجازت دی کہ تم میری طرف سے اس کتاب کو روایت کرو"۔ یاد رہے کہ "مناولہ" میں شیخ کا اپنے تلمیذ کو فقط اپنی کتاب یا تحریر دے دینا کافی نہیں ہوتا (بلکہ اس کے ساتھ ساتھ زبانی طور پر روایت کی اجازت دینا بھی ضروری ہے)۔ ("التعریفات" للجرجانی ص ۱٦۱ کالم نمبر ۱، اصطلاح نمبر ۱٤۹۲) نیم

ج: الفاظِ ادا:

۱۔ "مناولہ" میں سب سے عمدہ الفاظ یہ ہیں کہ راوی یوں کہے، "نَاوَلَنِیْ" یا اگر "مناولہ مقرونہ بالاجازہ" ہو تو "نَاوَلَنِیْ وَاَجَازَنِیْ" کہے۔

۲۔ البتہ ان تمام لفظوں کے ساتھ بھی روایت کرنا جائز ہے جو سننے اور پڑھنے پر دلالت کریں البتہ ان میں مناولہ کی قید ہو۔ جیسے "حَدَّثَنَا مُنَاوَلَةً" یا "اَخْبَرَنَا مُنَاوَلَةً وَاِجَازَةً"

۵۔ کتابت

(یہ تحمل حدیث کا پانچواں طریق ہے، کتابت کا لفظی معنی تو لکھنا ہوتا ہے، البتہ اس کی اصطلاحی تعریف کو درج ذیل صورت سے اخذ کیا جا سکتا ہے)۔

الف: کتابت کی صورت:

اس کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی روایات کسی موجود یا غیر موجود کے لیے خود اپنی تحریر سے یا اپنے حکم سے لکھ کر دے (یعنی کسی کو لکھنے کے لیے کہے)۔

ب: کتابت کی اقسام:

کتابت کی (بھی) دو اقسام ہیں:

۱۔ كِتَابَةٌ مَقْرُوْنَةٌ بِالْاِجَازَةِ:

(یعنی لکھ کر بھی دینا اور ساتھ ہی آگے روایت کرنے کی اجازت بھی دینا) جیسے (شیخ طالب کو یوں کہے) "اَجَزْتُكَ مَا كَتَبْتُ لَكَ اَوْ اِلَيْكَ" "میں نے جو کچھ تمھیں لکھ کر دیا ہے یا تمھاری طرف لکھ کر بھیجا ہے اس (کے روایت کرنے) کی میں نے تمھیں اجازت دی۔

۲۔ كِتَابَةٌ مُجَرَّدَةٌ عَنِ الْاِجَازَةِ:

(یعنی لکھ کر تو دے مگر آگے روایت کرنے کی اجازت نہ دے) جیسے مثلاً شیخ طالب کے لیے چند احادیث لکھ کر اسے بھجوائے مگر ان کے روایت کرنے کی اجازت نہ دے۔

ج: کتاب کے ذریعے حاصل کی جانے والی احادیث کا حکم:

۱۔ وہ کتابت جو "مقرونہ بالاجازۃ" ہو، اس کی روایت صحیح ہے اور صحت اور قوت میں یہ "مناولہ مقرونہ بالاجازہ" کی طرح ہے۔

۲۔ البتہ جو کتابت اجازت سے خالی ہو اس کی روایت میں دو اقوال ہیں، کچھ لوگ اس کو جائز قرار نہیں دیتے جب کہ بعض اس کی روایت کو درست قرار دیتے ہیں۔ اس بابت صحیح قول یہ ہے کہ محدثین کے نزدیک یہ درست ہے کیوں

کہ کسی کو لکھ کر دینا اجازت دینے کی غمازی کرتا ہے۔

د: کیا تحریر پر اعتماد (حاصل کرنے) کے لیے گواہ ٹھہرانا شرط ہے؟

(اس بابت دو قول ہیں، جو یہ ہیں):

ا۔ بعض کے نزدیک تحریر پر گواہوں کا ہونا شرط ہے، ان کا یہ دعویٰ اس بنا پر ہے کہ تحریریں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔

۲۔ جب کہ بعض کا کہنا ہے کہ اس قدر بات تحریر پر اعتماد کے لیے کافی ہے کہ "مکتوب الیہ" (یعنی وہ شاگرد جس کی وہ تحریر بھیجی گئی ہے) وہ کتاب (خواہ وہ شیخ خود ہو یا کسی نے شیخ کے حکم سے لکھا ہو) کا خط پہچانتا ہو کیوں کہ ایک آدمی کی تحریر دوسرے کے مشابہ نہیں ہوتی ❶، اور یہی صحیح قول ہے۔

ھ: کتابت کے ذریعے حاصل کی جانے والی حدیث کے الفاظِ ادا:

ا۔ یا تو صراحۃ کتابت کا ذکر ہو جیسے یہ کہنا، "كَتَبَ إِلَيَّ فُلَانٌ" "مجھے فلاں نے (یہ احادیث یا رسالہ یا کتاب) لکھ کر بھیجی ہیں۔"

۲۔ یا پھر عام الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کرے جو حدیث کی سماعت اور قراءت پر دلالت کرتے ہوں البتہ وہ کتابت کے ذکر کے ساتھ مقید ہوں جیسے "حَدَّثَنِيْ فُلَانٌ كِتَابَةً" یا "أَخْبَرَنِيْ فُلَانٌ كِتَابَةً۔"

٦۔ اِعلام ❷

(یہ تحمل حدیث کا چھٹا طریق ہے)

الف: اعلام کی صورت:

(اس سے اعلام کی اصطلاحی تعریف بھی اخذ کی جاسکتی ہے) اعلام کی صورت یہ ہے کہ شیخ (اور محدث) طالب کو یہ بتلائے کہ (مثلاً) یہ حدیث یا کتاب اس کی سنی ہوئی ہے۔

ب: اعلام کے ذریعے حاصل کی گئی حدیث کی روایت کا حکم:

اعلام کے ذریعے حاصل کی گئی حدیث کی روایت کی بابت علماء کے دو مختلف اقوال ہیں:

ا۔ جواز کا، اور یہ اکثر محدثین، فقہاء اور علمائے اصول کا قول ہے۔

---

❶ اور یہی صحیح بھی ہے جیسا کہ خود مولف بتلا رہے ہیں اور آج کے دورِ جدید میں تحریروں میں فرق و امتیاز کرنے کی مہارت حاصل کرنا مستقل ایک فن ہے جس کے ماہرین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ کسی شخص کی تحریر دوسرے سے نہیں ملتی۔ نسیم

❷ اعلام کا لغوی معنی ہے اطلاع دینا، خبر دینا، ابلاغ وغیرہ (القاموس الوحید ص ۱۱۱۹)

اور اصطلاحِ محدثین میں اعلام یہ محدث کا اس بات کی خبر دینا ہے کہ فلاں حدیث یا فلاں کتاب اس کی سنی ہوئی ہے (علوم الحدیث، ص: ۳۱٤) اگرچہ متن میں اصطلاحی تعریف صراحۃً مذکور نہیں لیکن "اعلام" کی ذکر کردہ صورت کے ضمن میں اس تعریف کو اخذ کیا جاسکتا ہے۔ نسیم

۲۔ عدمِ جواز کا، اور یہ متعدد علماء محدثین کا قول ہے، اور یہی صحیح ❶ ہے کیوں کہ کبھی شیخ یہ تو بتلاتا ہے کہ یہ حدیث اس کی روایت ہے لیکن اس روایت میں کسی خلل کے ہونے کی بنا پر (خواہ وہ سند میں ہو یا متن میں) اس کی حدیث کی روایت درست نہیں ہوتی، ہاں البتہ اگر شیخ اس کی روایت کی اجازت دے تو روایت کرنا جائز ہوتا ہے۔

ج: الفاظِ ادا:

اعلام کے ذریعے حاصل کی جانے والی حدیث کو روایت کرتے وقت طالب یہ الفاظ کہے "اَعْلَمَنِیْ شَیْخِیْ بِکَذَا" "میرے شیخ نے مجھے یہ بیان کیا ہے، بتلایا ہے"

(۷) وصیت

(یہ تحمل حدیث کا ساتواں طریق ہے):

الف: وصیّت کی صورت:

(وصیّت کا لغوی معنی معروف ہے اور اس کی اصطلاحی تعریف کو درج ذیل صورت سے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ) وصیّت کی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی موت یا کسی سفر پر روانہ ہونے کے وقت کسی شخص کے حق میں اپنی کتابوں میں سے کسی کتاب کی وصیت کر جائے کہ جو اس نے روایت کی تھیں۔

ب: وصیت کے ذریعے حاصل کی جانے والی احادیث کی روایت کا حکم:

(اس بابت دو اقوال ہیں)

۱۔ جواز کا، یہ بعض اسلاف کا قول ہے جو غلط ہے کیوں کہ شیخ نے اس کے حق میں فقط کتاب کی وصیّت کی تھی نا کہ اس کے روایت کرنے کی بھی۔

۲۔ عدمِ جواز کا اور یہی قول درست ہے۔

ج: الفاظِ ادا:

وصیت کے ذریعے حاصل کی جانے والی حدیث کو طالب آگے روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہے، "اَوْصٰی اِلَیَّ فُلَانٌ بِکَذَا" فلاں نے میرے حق میں اس (کتاب وغیرہ) کی وصیت کی ہے" یا (عمومی الفاظ کے ساتھ مگر وصیت کے قید کے ساتھ یوں کہے) "حَدَّثَنِیْ فُلَانٌ وَصِیَّةً۔"

۷۔ اَلْوِجَادَةُ

(یہ تحمل حدیث کا آٹھواں طریق ہے)

لفظ "الوجادۃ" یہ واو کے کسر (زیر) کے ساتھ "وَجَدَ" فعل کا مصدر ہے (جس کا معنی ہے "پانا") مگر یہ مصدر

❶ امام نووی اور ابن صلاح وغیرہ نے عدم جواز کے قول کو صحیح قرار دیا ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۳۱۴) نسیم

(یعنی مصدر کا یہ وزن) عربوں سے سنا نہیں گیا۔ ❶ اس کو "مصدرِ مُوَلَّد" کہتے ہیں (اور مُوَلَّد کہتے ہیں ہر نئی چیز کو یعنی وَجَدَ فعل سے مصدر کا یہ وزن عربی زبان میں نو ❷ ایجاد کردہ ہے۔ واللہ اعلم)

الف:......وجادہ کی صورت:

(اور اس کی بیان کردہ صورت سے ہی اس کی اصطلاحی تعریف کو بھی اخذ کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کا لغوی معنی اور اس وزن کی بابت تفصیل کو متن اور حاشیہ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ بہرحال) وجادہ کی صورت یہ ہے کہ ایک طالب کسی شیخ کی روایت کردہ احادیث کے ایسے مجموعے کو پائے جو شیخ کے ہی خط سے تحریر کردہ ہو اور وہ طالب شیخ کے خط کو پہچانتا بھی ہو مگر نہ تو اس نے شیخ سے (ان احادیث کا) سماع کیا ہو اور نہ اسے (ان احادیث کے آگے روایت کرنے کی) اجازت ہو۔

ب: وجادہ کے طریق سے حاصل کردہ حدیث کی روایت کا حکم:

وجادہ کے طریق سے حدیث روایت کرنا "منقطع" (یعنی انقطاع) کے باب سے ہے (یعنی ایسی حدیث "منقطع" کی ایک نوع کہلائے گی اور اس کا بھی وہی حکم ہے جو منقطع حدیث کا ہے) البتہ اس میں ایک گونہ "اتصال" پایا جاتا ہے۔ ❸

ج: الفاظِ ادا:

(احادیث کا ایسا مجموعہ) پانے والا (یعنی "واجد" اس مجموعہ کی احادیث کو روایت کرتے وقت) یہ کہے، "وَجَدْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ" میں نے فلاں کی تحریر میں یہ حدیث پائی ہے" یا "قَرَأْتُ بِخَطِّ فُلَانٍ" "میں نے فلاں کی تحریر میں یہ حدیث پڑھی ہے" پھر یہ کہہ کر آگے حدیث کی سند اور متن کو بیان کرے۔

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ راوی کا مسلمان ہونا تحمل حدیث کے لیے ضروری نہیں بلکہ ادائے حدیث کے لیے ضروری ہے۔ وضاحت کیجیے۔

۲۔ اگر شیخ اپنی کتاب شاگرد کو دے لیکن حدیث بیان کرنے کی اجازت نہ دی ہو تو اس شخص کی حدیث کا کیا حکم ہے؟

۳۔ "مناولة مقرونة بالاجازة" کسے کہا جاتا ہے؟

۴۔ اگر کوئی شخص اپنے استاذ کا خط پہچان لے تو اس کتاب کی کیا حیثیت ہوگی؟

---

❶ کیوں کہ وَجَدَ فعل کے مصادر ان اوزان پر آتے ہیں، "وَجْدًا، مَوْجِدَةً، وُجْدًا، جِدَةً، وُجُوْدًا اور وِجْدَانًا (القاموس الوحید ص ۱۸۱۳) نیم

❷ اور اس کو "اسمِ دخیل" یا "مُعَرَّب" نہیں کہہ سکتے کیوں کہ ان الفاظ کا غیر عربی سے ہونا شرط ہے جب کہ اس لفظ کا مادۂ اصلی یعنی واو، جیم اور دال عربی زبان سے ہے گویہ وزن سماعی نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔ نیم

❸ اور اگر ایسی حدیث کا صحیح ہونا معلوم ہو جائے تو بعض محققین کے نزدیک اس پر عمل کرنا واجب ہے البتہ جواز سب کے نزدیک ہے جب کہ اکثر فقہائے مالکیہ اس پر عمل کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔ (علوم الحدیث بتصرف ص ۳۱۵) نیم

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ تحمل حدیث کے کل سات طریقے ہیں۔

۲۔ قراءۃ علی الشیخ کو عرض کا نام بھی دیا جاتا ہے۔

۳۔ قراءۃ علی الشیخ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک شیخ سے سماع سے زیادہ مرتبہ رکھتا ہے۔

۴۔ جب کوئی محدث أَخْبَرَنَا کا لفظ بولے تو اس سے سماع من لفظ الشیخ مراد ہوتا ہے۔

۵۔ مجہول کتاب کی اجازت سے مراد یہ ہے کہ شیخ مثال کے طور پر یہ کہے کہ تمہیں سنن بیان کرنے کی اجازت ہے۔

۶۔ اجازت کے طریقہ کار میں تساہل جائز نہیں ہے کیوں کہ اس طریقہ کار میں مضبوطی نسبتاً کم ہے۔

۷۔ مناولہ بدون اجازت کے ذریعے لی گئی روایت قابل قبول ہوتی ہے۔

۸۔ وجادہ کے ذریعے پائی جانے والی حدیث منقطع قرار پاتی ہے۔

عملی کام:.....تحمل حدیث کے الفاظ کی پوری تفصیل ایک چارٹ میں صورت کی تیار کیجیے۔اور دیکھیے کہ حدیث کی جس کتاب کا آپ مطالعہ کر رہے ہیں اس میں تحمل حدیث کی غالب صورت کون سی ہے۔

بحث سوم

کتابتِ حدیث، ضبطِ حدیث اور تصنیفاتِ حدیث کا بیان ❶

ا۔ کتابتِ حدیث کا حکم:

اکابر صحابہ اور تابعین میں کتابت حدیث کی (کراہت و اباحت اور جواز) کی بابت مختلف اقوال منقول ہیں، جو یہ ہیں:

الف:...... کتابت حدیث مکروہ ہے: یہ حضرتِ ابن عمر، ابن مسعود اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کا مذہب ہے کہ یہ حضرات کتابت حدیث کو پسند نہیں فرماتے تھے۔

ب:...... کتابتِ حدیث مباح ہے: یہ حضرتِ عبداللہ بن عمرو، حضرت انس رضی اللہ عنہم، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور اکثر صحابہ کا مذہب ہے۔

ج:...... (اگر چہ ابتداء میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کتابتِ حدیث کے جائز یا مکروہ ہونے میں اختلاف رہا) لیکن بعد میں سب کا کتابتِ حدیث کے جواز پر اجماع ہو گیا اور اختلاف ختم ہو گیا اور اگر احادیث کو کتابوں میں مدوّن نہ کیا جاتا تو قرونِ متاخرہ میں اور خصوصاً ہمارے اس دور میں (جس میں امورِ دینیہ کی بابت لاپرواہی خطرناک حد تک پہنچ چکی ہے) حدیث ضائع ہو جاتی۔

۲۔ کتابت حدیث کے حکم میں اختلاف کا سبب:

کتابت حدیث کے حکم میں (حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے) اس اختلاف کا سبب اس کی اباحت اور نہی کی بابت وارد احادیث متعارضہ ہیں، ذیل میں ان چند احادیث متعارضہ کو پیش کیا جاتا ہے:

الف:...... ممانعت پر مشتمل حدیث: یہ مسلم شریف کی روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے:

''مجھ سے (قرآن کے سوا اور کچھ) مت لکھو، اور جس نے مجھ سے (سن کر) قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو تو وہ

❶ اس موضوع پر ہم اختصار کے ساتھ گفتگو کریں گے کیوں کہ ہمارے اس زمانہ میں کتابت اور اس کی تصحیح کے بیشتر قواعد کا تعلق محقق اور پبلشر کے متعلق رہ گیا ہے کہ یہ انھی کی ذمہ داری بنتی ہے۔ رہ گئے باقی کے قواعد اور متعلقہ تفصیلات تو وہ اس فن کے ماہرین (Especialists) کا میدانِ تحقیق ہیں جو قدیم مخطوطوں کی کتابت کے متعلق لوگوں کے اصطلاحات کی چھان بین کرتے ہیں (کہ ہر قوم کے نزدیک کتابت کا کیا دستور اور کیا کیا قواعد اور کیا کیا رسم الخط ہیں)۔ (طحان)

اُسے مٹا دے۔'' ❶

ب:......اباحت پر مشتمل حدیث: اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''(میری احادیث) ابوشاہ کو لکھ دو۔'' ❷

کتابت حدیث کے مباح ہونے کے متعلق اور احادیث بھی ہے جن میں ایک حدیث وہ ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کو احادیث لکھنے کی اجازت دینا منقول ہے۔ ❸

۳۔احادیث اباحت وممانعت کے درمیان تطبیق ❹ اور جمع کی صورت:

علمائے کرام نے اباحت وممانعت کی احادیث میں جمع وتطبیق بتلانے کی متعدد صورتیں بیان کی ہیں، ہم ذیل میں ان میں سے دوصورتیں بیان کرتے ہیں:

الف:......کتابت کی اجازت اسے دی گئی جس کی بابت یہ اندیشہ تھا کہ وہ احادیث بھول جائے گا، اور ممانعت اس کے لیے ہے جس پر نسیان کا اندیشہ نہ ہو بلکہ اس کی بابت یہ خطرہ ہو کہ لکھ لینے کے بعد وہ تحریر پر ہی بھروسہ نہ کرنے لگے۔

ب:......نہی اس وقت (اور اس صورت) میں تھی جب احادیث کے قرآنِ کریم کی آیات میں مل جانے کا اندیشہ تھا (اور یہ نزول قرآن کا زمانہ تھا کہ ابھی آیاتِ قرآنیہ لکھی جارہی تھیں۔ اب اگر احادیث کے بھی لکھ لینے کی اجازت دے دی جاتی تو خطرہ تھا کہ کہیں لکھی احادیث اور لکھی آیات کسی پر مشتبہ نہ ہو جائیں اور انھیں باہم خلط ملط نہ کر دیں) لیکن جب (یہ) اندیشہ جاتا رہا (وہ یوں کہ آیات قرآنیہ کو مستقل مقامات پر جن کی تفصیل ''علوم القرآن'' میں ''جمع قرآن'' کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے ❺، لکھ لیا گیا) تو کتابتِ حدیث کی اجازت دے دی گئی۔ اس تفصیل کی بنا پر نہی (پر مشتمل وارد احادیث) منسوخ ہوں گی۔

۴۔کاتب حدیث کی کیا ذمہ داریاں ہیں؟

حدیث لکھنے والے کو چاہیے کہ:

وہ احادیث کے حروف کی شکل اور اس کے نقطوں کو ضبط میں لانے اور ان کی اچھی طرح چھان بین کرنے میں اپنی

---

❶ رواہ مسلم ـ کتاب الزھد والرقاق ـ باب التثبت فی الحدیث ، ٤/ ٢٢٩٨ـ حدیث رقم ٧٢ بلفظہ (طحّان)

❷ رواہ البخاری ـ کتاب اللقطۃ ، ٥/ ٨٧ ، حدیث رقم ٢٤٣٤ (طحّان)

❸ اسے ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے (از علوم الحدیث ص ٣١٧) نسیم

❹ اور علماء نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق کی کوشش اس لیے کی کہ حضرات تابعین کے بعد امت کا تحریر کے جواز پر اجماع ہو گیا۔ دوسرے تحریر کی اجازت اور ممانعت کی دونوں قسم کی احادیث ''صحیح'' تھیں۔ اور احادیث صحیحہ متعارضہ کی بابت راجح قول ان میں تطبیق بتلانے کا ہے۔ (از علوم الحدیث ص ٣١٧ بتصرفٍ وزیادۃٍ) نسیم

❺ اس کی قدرے تفصیل کے لیے دیکھیں بندۂ عاجز مترجم کی کتاب ''نسیم البیان شرح التبیان فی علوم القرآن'' فصل چہارم از ص ١٥٠ تا ١٦٥'' نسیم

پوری ہمت صرف کر ڈالے کہ کسی حرف کی شکل اور نقطوں میں کوئی اشتباہ باقی نہ رہے (کہ ایک حرف یا لفظ دوسرے جیسا نہ لگے)۔

دوسرے حدیث لکھنے والا مشکل الفاظ کو ان کی پوری شکل میں (حرکات وسکنات کی وضاحت کے ساتھ) لکھے خصوصاً ناموں (کی اشکال) کو (خوب واضح کرے) کیوں کہ ان (کی حرکات وسکنات) کو ان کے ماقبل اور مابعد (یعنی سیاق وسباق) سے نہیں سمجھا جاسکتا۔

تیسرے یہ کہ کاتبِ حدیث کا خط واضح اور کتابت کے قواعد مشہورہ کے موافق ہو۔

کاتب کتابت کے دوران اپنی کوئی خاص رمز یہ اصطلاح نہ بنائے جو لوگوں میں معروف نہ ہو (کہ اس کو وہی سمجھ سکے دوسرے لوگ اس سے واقف نہ ہوں)۔

کاتب کو یہ بھی چاہیے کہ حدیث لکھتے وقت جب بھی جنابِ رسالت مآب ﷺ کا ذکر مبارک آئے تو آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کا پورا اہتمام کرے۔ (کہ پورا پورا درود لکھے اور اس کے لیے کوئی مختصر علامت نہ استعمال کرے) اور بار بار لکھنے سے تنگ دل نہ ہو۔ اور اگر اصل نسخہ میں درود پورا نہ لکھا ہو تو اس کی اتباع نہ کرے (بلکہ پورا درود لکھے) اور ایسے ہی (جہاں جہاں رب تعالیٰ کا نام آجائے) "عَزَّ وَجَلَّ" لکھ کر رب تعالیٰ کی ثنا بیان کرے اور یہی معاملہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء مبارکہ کے آنے پر "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ" لکھنے کا اور اکابر اسلاف علماء کے اسمائے گرامی آنے پر "رحمه الله" لکھنے کا ہے۔

جناب رسالت مآب ﷺ کے ذکر مبارک پر صرف سلام پر (علیہ السلام لکھ کر) یا صرف صلوٰۃ پر (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ یا عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ لکھ کر) اختصار اور اکتفاء کرنا مکروہ ہے۔ اسی طرح "ص" یا "صلعم" وغیرہ کی رمزیہ علامت استعمال کرنا بھی مکروہ ہے۔

چناں چہ کاتب حدیث پر واجب ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام کو پورا لکھے۔

۵۔ مقابلہ وموازنہ اور اس کا طریقہ؟

کاتب حدیث جب کتابت حدیث سے فارغ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی (تحریر کردہ) کتاب کا اپنے شیخ کی اصل ❶ کے ساتھ موازنہ کرے چاہے اس نے شیخ سے بطریق اجازت حدیث کو حاصل کیا ہو۔

موازنہ کی کیفیت:...... (اور اس کا طریقہ) یہ ہے کہ طالب اور اس کا شیخ حدیث سناتے ہوئے اپنی اپنی کتاب (اپنے سامنے) لے کر بیٹھیں۔ (یہ تو اس باب میں اولیٰ ہے) البتہ قراءت کے وقت یا اس کے بعد کوئی ثقہ شیخ اس نسخہ کا کسی وقت موازنہ کرلے تو یہ بھی کافی ہے، جیسا کہ خود اس کا اپنے تحریر کردہ نسخہ کا اس نسخہ سے موازنہ کرنا بھی کافی ہے جس کا شیخ کی اصل کے ساتھ موازنہ کیا گیا ہو (اور ایسے نسخہ کو "فَرْعٌ مُقَابَلٌ" کہتے ہیں، یعنی پہلے سے موازنہ شدہ نسخہ)۔

❶ اصل سے مراد شیخ کا وہ نسخہ ہے جو طالب نے خود اس سے لیا ہو۔ (طحان)

۶۔ الفاظِ ادا وغیرہ کی کتابت کی (بعض مخصوص) اصطلاحات:

اکثر کاتبین حدیث الفاظِ اداء میں (اختصار کی غرض سے) بعض رموز پر اکتفاء کرتے ہیں (جنھیں "رموزِ کتابت" کہہ سکتے ہیں) اُن میں سے چند ایک کو ہم بطور مثال کے لکھتے ہیں) چناں چہ کاتبینِ حدیث

الف:...... حَدَّثَنَا کو "ثَنَا" یا (صرف) "نَا" لکھتے ہیں۔

ب:...... (اسی طرح) "اَخبَرَنَا" کو "اَنَا" یا "اَرَنَا"

لیکن قاری کو چاہیے کہ وہ الفاظ کو پڑھتے وقت ان کا پورا تلفظ ادا کرے اور اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ان الفاظ اس طرح پڑھے جس طرح وہ لکھے ہوئے ہیں۔

ج:...... کاتبین حدیث کی ایک یہ بھی عادت ہے کہ جب وہ ایک اسناد سے دوسری اسناد کی طرف جاتے ہیں تو (دوسری سند بیان کرنے سے پہلے) تحویل (پر دلالت کرنے) کے لیے "ح" کی رمز استعمال کرتے ہیں اور قاری اس لفظ کو "حَا" کے تلفظ کے ساتھ ادا کرتا ہے۔

د:...... اسی طرح کاتبینِ حدیث کی یہ بھی عادت ہے کہ وہ اسناد کے رجال کے درمیان لفظ "قَالَ" وغیرہ کو خط سے حذف کر دیتے ہیں اور ایسا وہ فقط اختصار کی غرض سے کرتے ہیں۔ لیکن قاری کو چاہیے کہ وہ (رجالِ اسناد کی) قراءت کے وقت "قَالَ" کا تلفظ کرے۔ مثلاً (اگر ایک اسناد کو کاتب نے یوں لکھا ہے)، "حدثنا عبداللّٰه بن یوسف، اخبرنا مالكٌ" تو قاری کو (یہ اسناد) یوں پڑھنی چاہیے، "حدثنا عبداللّٰه بن یوسف، قال اخبرنا مالكٌ"

ھ:...... اسی طرح کاتبینِ حدیث کی یہ بھی عادت رہی ہے کہ وہ سند کے آخر سے اختصار کی بنا پر لفظ "اَنَّهٗ" کو حذف کر دیتے ہیں، مثلاً (اگر اسناد کے آخری حصے کو کاتب نے یوں لکھا ہے، "عن ابی هریرة قال" تو قاری کو "اَنَّهٗ" ضرور پڑھنا چاہیے چناں چہ وہ (مذکورہ مثال میں اسناد کے آخر کو یوں) پڑھے، "عن ابی هریرة اَنَّهٗ قَالَ" اور اس کی وجہ کلام کو اعراب کے اعتبار درست کرنا ہے (اور یہ بات اہلِ علم پر عیاں ہے جس کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں)۔

۷۔ طلبِ حدیث کے لیے اسفار:

ہمارے اکابر اسلاف اور صلحائے امت نے حدیث نبوی پر جس قدر توجہ دی (اور اس کے اوپر اپنی زندگیاں لٹا دیں) اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ اور حدیث کے ضبط کرنے اور جمع کرنے میں ان حضرات نے اپنی ہمتیں، کوششیں اور جس قدر وقت صرف کیا، عقل (اس کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتی ہے اور) اس کو ماننے سے انکار کر دیتی ہے۔ پھر یہی نہیں بلکہ جب یہ حضرات (ان حیرت انگیز کوششوں اور محنتوں کے بعد) ایک شہر کے مشائخ سے احادیث حاصل کر لیتے تھے تو (علمِ حدیث کے یہ متلاشی اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے روئے زمین کی خاک چھاننے کو) دور نزدیک کے دوسرے بلاد وامصار کی طرف نکل جاتے تاکہ (اپنی اس بے قراری میں قرار آ جانے کا سامان کریں اور) ان بلاد کے مشائخ سے بھی حدیث حاصل کر (کے اپنا دامن علمی موتیوں سے بھر) لیں (اور علم کی پیاسی روح کی رگ

رگ کو احادیثِ نبویہ کے شفاف اور ٹھنڈے پانی سے سیراب کریں) چناں چہ یہ لوگ (دیوانہ وار وارفتگی اور شیفتگی کے ساتھ) سفر کی مشقتوں کو جھیل جاتے اور خوشی خوشی ان سب مصائب اور مشکلات کو برداشت کر لیتے۔ خطیب بغدادی نے "الرحلة فی طلب الحدیث" کے نام سے مستقل ایک کتاب لکھی ہے، جس میں حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین رحمہم اللہ اور بعد کے اکابر اسلاف کے طلب حدیث کے اسفار کی ایسی ایسی داستانوں کو جمع کیا ہے جنھیں سن کر آدمی حیرت زدہ اور ششدر رہ جاتا ہے (اور آج کی مادہ پرست عقل کو ان واقعات کی صداقت پر یقین نہیں آتا) جو ان نہایت دلچسپ واقعات کو (پڑھنا) سننا چاہتا ہو وہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرے کہ یہ کتاب طالبانِ علوم حدیث کو جوش دلانے والی، ان ہمتوں کو مہمیز کرنے والی اور ان کے عزائم کو پختہ کرنے والی ہے۔

۸۔ حدیث سے متعلق مختلف تصانیف:

جس شخص کو بھی (مشیت ایزدی سے) حدیث یا کسی دوسرے علم پر کچھ بھی لکھنے کی استعداد اور صلاحیت ودیعت کی گئی ہو، اُسے چاہیے کہ وہ (کچھ نہ کچھ) تصنیف کرنے کے لیے کمربستہ ہو جائے (اور جہاں تک بن پڑے اس صدقہ جاریہ میں اپنا حصہ ڈالے اور علمِ حدیث کی کوئی نہ کوئی تصنیفی و تالیفی خدمت کر جائے) مثلاً

متفرق احادیث کو جمع کر دے

مشکل الفاظ کے معانی کی وضاحت کر دے

غیر مرتب (احادیث کے ذخیروں) کو مرتب کر دے

اگر کسی کتاب کی فہرست نہیں، تو اس کی فہرست بنا دے ❶

غرض علم حدیث کی کوئی نہ کوئی خدمت ضرور کرے جس سے طالبانِ علوم حدیث کم وقت میں اور سہولت کے ساتھ احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کر سکیں۔ ❷ البتہ جب تک کتاب مہذب، منضبط اور صورتِ تحریر میں نہ آ جائے اس وقت تک اسے منظرِ عام پر لانے سے گریز کرے تاکہ اس کی تصنیف کا نفع بھی عام ہو اور فائدہ بھی بہت ہو۔ خیر! حضراتِ علمائے کرام نے احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد شکلوں پر تصنیف کیا ہے۔ ❸ ہم ذیل میں احادیث کی چند مشہور

---

❶ اور مثلاً جن احادیث کے حوالہ جات مذکور اور منقول نہ ہوں ان کی تلاش و تحقیق کر دے جسے محدثین کی اصطلاح میں "تخریج" کہتے ہیں۔ (از علوم الحدیث ص ۳۱۹ بتصرف) نسیم

❷ رب تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ کتب احادیث کے تراجم بھی روزِ قیامت حضور بارگاہِ الٰہی میں اس خدمت کے زمرہ میں شمار ہوں گے۔ آمین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بندۂ عاجز مترجم کو "صحیح ابن خزیمہ" کے ترجمہ کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ رب تعالیٰ اس ترجمہ کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں میری سرخروئی کا سبب بنائے۔ آمین یا رب العالمین۔ نسیم

❸ علوم اسلامیہ کو جب کتابی صورت میں جمع اور مرتب کرنے کی صورت پیش آئی تو حضراتِ علماء کرام نے اس مقصد کے حصول کے لیے اپنا سب کچھ تج دیا اور اس راہ میں متاعِ حیات گم کر دی۔ علوم اسلامیہ اور احادیث نبویہ کو موجودہ مرتب اور مدون شکل اختیار کرنے میں کن کن پرخار وادیوں اور دشوار گزار راہوں سے گزرنا پڑا، یہ بجائے خود ایک طویل الذیل موضوع ہے جس کی معمولی سی بھی تفصیلات بیان کرنے کی اس مختصر ⇐⇐⇐

انواعِ تصنیف ❶ کو ذکر کرتے ہیں:

الف: "الجوامع":

لفظ "الجوامع" یہ "جامع" کی جمع ہے اور (محدثین کی اصطلاح میں) ''جامع'' وہ کتاب ہے جس کے مؤلف نے اس میں عقائد (اور تفسیر) عبادات، معاملات، سِیَر، مناقب، رقاق، فتن اور روزِ قیامت کے احوال وغیرہ میں سے دین کے ہر باب کو جمع کر دیا ہو۔ جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی "الجامع الصحیح" ❷

ب: المسانید:

یہ "مُسْنَد" کی جمع ہے اور "مُسْنَد" ہر وہ کتاب ہے جس میں ہر ہر صحابی کی مرویات کو علیحدہ علیحدہ جمع کر دیا گیا ہو (خواہ اس کتاب میں حضراتِ صحابۂ کرام کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہو یا ان کے باہمی فرقِ مراتب کے اعتبار سے ہو) قطع نظر اس سے کہ حدیث کا تعلق کس موضوع سے ہے، جیسے ''مسند امام احمد بن حنبل'' ❸

ج: "السُّنَنُ":

یہ وہ کتب احادیث ہیں جو ابوابِ فقہیہ کے مطابق لکھی گئی ہیں تاکہ یہ کتب استنباطِ احکام میں حضرات فقہاء کے لیے ماخذ اور مصدر کی حیثیت ثابت ہوں اور سنن اور جوامع میں یہ فرق ہے کہ ''سنن'' میں عقائد (وتفسیر) اور سیر و مناقب سے متعلقہ روایات نہیں ہوتیں بلکہ یہ صرف فقہ اور احادیثِ احکام تک محدود ہوتی ہیں (اور ان میں زیادہ تر مرفوع احادیث ہی مذکور ہوتی ہیں) جیسے ''سننِ ابی داوٗد'' ❹

د: المَعَاجِمُ:

یہ مُعْجَم کی جمع ہے اور "معجم" ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس کے مؤلف نے اس میں حروفِ تہجی کی ترتیب پر

⇐⇐⇐ رسالہ میں گنجائش نہیں۔ حضرات علمائے کرام نے اس بحث کو ''تدوینِ حدیث'' کے مؤقر نام سے یاد کیا ہے۔ بلکہ علوم حدیث میں یہ ایک مستقل علم ہے۔ جس پر مستقل کتب اور رسائل تالیف کیے گئے ہیں، جیسے مولانا مناظر احسن گیلانی کی ''تدوینِ حدیث'' ڈاکٹر صبحی صالح کی "علوم الحدیث" اور ڈاکٹر مصطفیٰ اعظمی قاسمی کی "دراسات فی الحدیث النبوی و تاریخ تدوینه" اس موضوع کی سب سے اہم اور مفصل کوشش ہے۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر زبیر صدیقی کی "السیر الحثیث فی تاریخ تدوینِ الحدیث" بھی ایک اہم کاوش ہے (از علوم الحدیث ص ۳۴۲ تا ۳۴٤ ملخصاً وبزیادۃ) نسیم

❶ ان کو کتب حدیث کے اہم مجموعے'' بھی کہہ سکتے ہیں۔ نسیم

❷ اسی طرح صحیح مسلم، جامع عبدالرزاق (یہ مصنف عبدالرزاق نہیں بلکہ دوسری کتاب ہے) جامع الثوری، جامع ابن عیینہ اور جامع ترمذی بھی اسی نوع کی کتب حدیث ہیں (علوم الحدیث، ص: ۳۴۵) نسیم

❸ ایسی کتب کی تعداد سو سے اوپر ہے۔ جن میں مسند حمیدی، مسند ابوداؤد طیالسی اور ''مسند عبد بن حمید'' اہم ہیں۔ علاوہ ازیں احادیث مرفوعہ کی جامع کتب حدیث کو بھی ''مسند'' کہہ دیا کرتے ہیں جیسے "مسند بقی بن مخلد اندلسی" جس کی ترتیب ابوابِ فقہیہ پر ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۳٤٥۔۳٤٦) نسیم

❹ اس کے علاوہ سننِ نسائی، سننِ ابن ماجہ، سنن دارمی، سننِ بیہقی، سنن دار قطنی اور سننِ شافعی بھی (اس موضوع کی) مشہور کتب ہیں (علوم الحدیث، ص: ۳٤٦) نسیم

اپنے شیخ کے ناموں پر مرتب احادیث کو جمع کیا ہو (چاہے ان مشائخ میں حضرات صحابہ کی رعایت کی گئی ہو یا اپنے اساتذہ کی یا کسی شہر اور مقام کے خاص شیوخ کی) جیسے طبرانی کی "المعجم الاوسط" اور "المعجم الصغیر"۔ ❶

ھ: اَلْعِلَلُ:

"کتبِ علل" ان کتابوں کو کہتے ہیں جو "احادیثِ معلوله" کے ذکر پر مشتمل ہوں جن میں ان علتوں کو بھی ساتھ ہی ذکر کیا گیا ہو (یعنی ان کتب میں صرف وہ احادیث مذکور ہوں جن میں کوئی علت اور سقم پایا جاتا ہو اور ساتھ ہی ان احادیث کی علتوں کو بھی ذکر کیا گیا ہو) جیسے "کتاب العلل لابن ابی حاتم" اور "کتاب العلل للدارقطنی"۔

و: اَلْاَجْزَاءُ:

یہ "جزء" کی جمع ہے اور "جزء" ہر اس مختصر اور چھوٹی کتاب کو کہتے ہیں جس میں رواۃِ حدیث میں سے صرف ایک راوی کی مرویات کو جمع کر دیا گیا ہو، یا پھر صرف ایک موضوع (مثلاً نماز) کے متعلقہ احادیث کو تلاش کر کے اکٹھا کر دیا گیا ہو جیسے امام بخاری رحمہ اللہ کی "جزء رَفْعِ الْیَدَیْنِ" (اسی طرح امام بخاری کی ہی "جُزْءُ الْقِرَاءَةِ خَلْفِ الْاِمَامِ" بھی ہے)۔

ز: الاطراف:

(اطراف یہ "طرف" کی جمع ہے اور طرف کا معنی کسی شی کا کنارا اور اس کی ایک جانب ہے۔ اور "اطراف") یہ ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں اس کے مصنف نے ہر حدیث کے اس حصے کو ذکر کیا ہو جو اس کے باقی متن پر بھی دلالت کرتا ہو، پھر اس کے بعد مصنف تمام متونِ حدیث سے یا بعض کتب میں مذکور اس حدیث کی تمام اسانید کو ذکر کرے۔ جیسے علامہ مزی رحمہ اللہ کی "تحفة الاشراف بمعرفة الاطراف" ❷

ح: المستدرکات:

یہ "مُسْتَدْرَكٌ" کی جمع ہے اور "مستدرک" ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں اس کے مؤلف نے کسی کتاب میں

---

❶ علامہ طبرانی نے معجم کے نام سے تین کتابیں لکھی ہے دو کا ذکر اوپر متن میں ہو گیا ہے تیسری کتاب "المعجم الکبیر" ہے۔ مولف موصوف نے مثال میں اس کا نام اس لیے نہیں لیا کہ تعریف میں مولف نے معجم اس کتاب کو قرار دیا ہے جس میں مشائخ کے ناموں میں حروف تہجی کی رعایت رکھتے ہوئے ان کی احادیث کو جمع کیا گیا ہو۔ اب چوں کہ معجم کبیر میں اسماء صحابہ کی رعایت سے احادیث مذکورہ ہیں اور اوسط اور صغیر میں مشائخ کے اسماء کی رعایت ہے، اس لیے ذکر کردہ تعریف معجم کبیر پر منطبق نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے مثال میں معجم اوسط اور صغیر کو ذکر کیا البتہ اگر معجم کی تعریف میں توسع سے کام لیا جائے تو "معجم کبیر" بھی اس تعریف میں داخل ہوتی ہے۔

تنبیه: اور اگر مشائخ کا ذکر حروف تہجی کے اعتبار سے نہ ہو تو اس کو بجائے معجم کے "مشیخہ" کہتے ہیں۔ جس کی جمع "مشیخات" سے آتی ہے۔ جیسے "مشیخة عبدالله بن حیدر قزوینی" (علوم الحدیث، ص: ٣٤٦ بزیادةٍ کثیرةٍ) نعیم

❷ یہ "صحاح ستہ" سے متعلق ہے۔ اطراف کی تعداد بھی بہت ہے۔ ان میں حافظ ابراہیم بن محمد ابو مسعود دمشقی کی "اطراف الصحیحین" اور علی بن حسین ابن عساکر کی "الاشراف علی معرفة الاطراف" کافی مشہور ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ٣٤٧ بتصرفٍ) نعیم

ذکر ہونے سے رہ جانے والی احادیث کو اس کتاب کے مصنف کی شروط کو ملحوظ رکھتے ہوئے جمع کیا ہو۔ جیسے ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ کی "المستدرك على الصحيحين۔"

ط: اَلْمُسْتَخْرَجَاتُ:

یہ "مُسْتَخْرَج" کی جمع ہے۔ اور مستخرج ہر اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں اس کے مؤلف نے کسی دوسرے مصنف کی کتاب کی احادیث کو اپنی اسانید کے ساتھ تخریج کیا ہو جو پہلے مصنف کی ذکر کردہ اسانید کے علاوہ ہو۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان احادیث کو اپنی اسناد کے ذکر کرتے ہوئے مصنف پہلے مصنف کے شیخ یا اس کے اوپر کے راوی کے ساتھ جمع ہو جاتا (پھر آگے دونوں کی اسناد ایک ہو جاتی ہے) جیسے ابونعیم اصبہانی کی "المستخرج على الصحيحين" ❶

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل خالی جگہوں کو سامنے دیئے گئے مناسب الفاظ سے پر کیجیے۔

۱۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم وتابعین عظام کے مابین کتابت کے طریقہ میں اختلاف کا سبب............ ہے۔

(۱) حافظہ پر اعتماد (۲) اس بارے میں مروی روایات میں بہ ظاہر تعارض

۲۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر "ص" یا "صلعم" وغیرہ کی علامات لکھنا............ ہے۔

(۱) حرام (۲) مکروہ (۳) مباح

۳۔ "أنا" .... کا مخفف ہے:

(۱) حدثنا (۲) أخبرنا (۳) سمعنا

۴۔ .... کی "الرحلة في طلب الحديث" کا موضوع حدیث کی جمع وتدوین میں کیے جانے والے اسفار ہیں:

(۱) خطیب بغدادی (۲) ابن حجر العسقلانی (۳) محمود الطحان

۵۔ صحیح بخاری ومسلم پر مستدرک .... کی تصنیف ہے:

(۱) ابوعوانہ (۲) ابوداؤد (۳) امام حاکم

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع کیوں فرمایا تھا؟

---

❶ مستخرجات کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے ان میں سے صرف دس کتابیں تو صرف صحیحین سے ہی متعلق ہیں۔ اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔ (علوم الحديث، ص: ۳۴۷-۳۴۸) نسیم

۲۔ ڈاکٹر محمود الطحان نے حدیث کے کن موضوعات پر کام کرنے کی طرف اشارہ کیا ہے؟

۳۔ ابواب فقہیہ کے مطابق کتب حدیث کے مرتب ہونے سے کیا مراد ہے؟

۴۔ سِیَر اور رقاق کی احادیث سے کیا مراد ہے؟

۵۔ اَطراف سے کون سے کتب مراد ہیں؟

عملی کام:......حدیث کی کسی بڑی کتاب مثلاً سنن ابوداؤد کو لیجئے اور اس میں کتابتِ حدیث کی رموز تلاش کیجیے۔

عملی کام:......لائبریری کا رخ کیجیے اور کتبِ حدیث کی جو انواع آپ کی کتاب میں بیان کی گئی ہیں ان تمام کتب کا مشاہدہ کیجیے۔

بحث چہارم

روایت حدیث کی صفت ❶

۱۔ (اس بحث کا) یہ نام رکھنے سے کیا مراد ہے؟

اس عنوان سے مراد اس کیفیت کا، جو حدیث روایت کرتے وقت ہونی چاہیے اور ان آداب کا اور ان دونوں کے متعلقہ باتوں کا بیان ہے جن سے حدیث روایت کرنے والے کو مزین اور آراستہ ہونا چاہیے۔ ان کیفیات اور آداب میں سے کچھ کا ذکر تو گزشتہ مباحث میں ہو گیا ہے۔ باقی کے آداب و کیفیات کو ذیل میں ملاحظہ کیجیے!

۲۔ کیا کسی راوی کا ایسی کتاب سے حدیث روایت کرنا جائز ہے جسے وہ کتاب یاد ہو اور نہ اس کی مذکورہ احادیث؟

علماء کا اس بات میں اختلاف ہے۔ بعض نے تو اس باب میں تشدد اور افراط سے کام لیا ہے اور بعض تساہل اور تفریط کا شکار ہو گئے۔ جب کہ کچھ علماء اس بارے معتدل اور میانہ رو رہے۔ (ذیل میں ہر ایک طبقہ کے قول کو بیان کیا جاتا ہے):

الف: متشددین کا قول:

ان لوگوں نے صرف ان احادیث کو ہی روایت کرنا جائز قرار دیا ہے جو راوی اپنی یادداشت سے روایت کرے۔ یہ امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ابوبکر صیدلانی شافعی کا قول ہے۔

ب: متساہلین (یعنی سہل انگاروں) کا طریق:

ان لوگوں نے (سہولت پسندی اور تفریط سے اس حد تک کام لیا کہ) ان نسخوں تک سے احادیث روایت کر ڈالیں جن کا اصل کے ساتھ موازنہ تک نہ کیا گیا تھا۔ ان سہل انگاروں میں ایک نام ابن لھیعہ کا ہے۔

ج: متوسط (میانہ رو) اور معتدل لوگ:

یہ جمہور ہیں کہ ان لوگوں نے یہ کہا کہ، ''اگر تو راوی تحمل حدیث اور مقابلہ و موازنہ میں گزشتہ مذکورہ شروط کو ملحوظ رکھتا ہے تو اس کے لیے کتاب سے احادیث روایت کرنا جائز ہے۔ اگرچہ اس سے وہ کتاب (کچھ عرصہ کے لیے) غائب بھی ہو گئی ہو (اور دوبارہ دستیاب ہو گئی ہو) جب کہ غالب گمان یہ ہو کہ وہ کسی قسم کے تغیر اور تبدل سے محفوظ رہی ہو گی خصوصاً اس وقت جب راوی ایسا ہو کہ اس پر کتاب میں ہونے والی تبدیلی چھپی نہ رہ سکتی ہو۔

❶ اس موضوع کو بھی ہم اختصار کے ساتھ ذکر کریں گے کیوں کہ اس بحث کی بعض جزئیات ''عصر روایت'' میں ضروری تھیں جب کہ آج کل ان جزئیات کا مطالعہ ''تاریخ روایت'' کے مطالعہ کے باب سے ہے۔ البتہ ان جزئیات کا مطالعہ اس فن کے متخصصین کے لیے ضروری ہے۔ (طحان)

۳۔ ایسے نابینا کی روایت کا حکم جو سنی بات یاد نہ رکھ سکتا ہو:

جب سنی بات کو یاد نہ رکھ سکنے والا نابینا سنی حدیث کو لکھ رکھنے، ضبط کرنے اور کتاب میں محفوظ کرنے کے لیے کسی ثقہ سے مدد لیتا ہو اور وہ ثقہ نابینا پر حدیث قراءت کرتے وقت احتیاط بھی کرتا ہو کہ غالب گمان اس تحریر کے تبدیلی سے سلامت اور محفوظ ہونے کا ہو، تو اکثروں کے نزدیک ایسے نابینا کی روایت درست ہے اور (حکم کے اعتبار سے) یہ نابینا اُس ان پڑھ بینا کی طرح ہوگا جو (سنی بات کو) یاد نہیں رکھ سکتا۔

۴۔ حدیث کی روایت بالمعنی اور اس کی شروط:

اکابر اسلاف کا حدیث کے بالمعنی روایت کرنے میں اختلاف ہے۔ چناں چہ بعض اس کو منع کرتے ہیں اور بعض اس کے جواز کے قائل ہیں۔

الف:...... محدثین، فقہاء اور علمائے اصول کی ایک جماعت روایت بالمعنی سے منع کرتی ہے۔ ان میں ابن سیرین اور ابوبکر رازی کے جلیل القدر نام آتے ہیں۔

ب:...... جب کہ جمہور اسلاف اور متاخرین محدثین، فقہاء اور علمائے اصول نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ ان میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اسمائے گرامی آتے ہیں۔ لیکن یہ جواز (اور اجازت) اس وقت ہے جب راوی کو یقین ہو کہ اس نے حدیث کا (ہی) معنی ادا کیا ہے۔ (نا کہ ایسے الفاظ سے حدیث بیان کی ہے جن سے حدیث کا معنی ہی بدل گیا ہو)۔

پھر جن لوگوں نے روایت بالمعنی کو جائز قرار دیا ہے انھوں نے (اس کو مطلق نہیں رکھا بلکہ) اس کے (جواز کے) لیے چند شروط مقرر کی ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔ روایت بالمعنی کا راوی الفاظ اور ان کے مقاصد (اور ان کی مرادات) کا عالم ہو۔

۲۔ اور ان امور کی پوری خبر رکھتا ہو جو معانی بدل دیتے ہوں۔

یہ جملہ مذکورہ تفصیلات ایسی روایات کے بارے میں ہیں جو کتب حدیث میں (ضبطِ تحریر اور قیدِ تسطیر میں) نہ آئی ہوں۔ البتہ کتبِ مصنّفہ کی کسی روایت کو بالمعنی اور اس کے الفاظ کو بدل کر ادا کرنا جائز نہیں اگر چہ وہ الفاظ کتاب میں مذکورہ الفاظ کے ہم معنی (اور ان کے مرادف) ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ روایت بالمعنی کا جواز اس ضرورت کی وجہ سے تھا جب راوی کو حدیث کا کوئی کلمہ نہیں ملتا تھا۔ لیکن اب جب کہ احادیث کتابوں میں لکھی جا چکی ہیں تو کتابوں میں ان کے درج کر دینے کے بعد اب روایت بالمعنی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس تفصیل کے بعد یہ بات بھی یاد رہے کہ حدیث کو بالمعنی روایت کرنے والے کو چاہیے کہ وہ حدیث کو بیان کرنے کے بعد "أَوْ كَمَا قَالَ"۔ یا "نَحْوَهُ" یا "شِبْهَهُ" کے الفاظ ضرور کہے۔ (مطلب یہ ہے کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ کے الفاظ ان ذکر کردہ الفاظ کے قریب قریب یا ان سے ملتے جلتے ہیں)۔

۵۔ "لحن فی الحدیث" اور اس کا سبب:

(لحن کا مطلب ہے غلطی کرنا چناں چہ) "لحن فی الحدیث" کا معنی "حدیث پڑھنے میں لغزش کھانا" ہے۔

ذیل میں اس کے نمایاں اور ممتاز اسباب ذکر کیے جاتے ہیں:

الف: علمِ نحو اور لغت کی تعلیم سے نابلد ہونا:

چناں چہ طالب حدیث کو چاہیے کہ وہ لغت اور نحو کو اس قدر ضرور سیکھ لے جس سے لحن اور تصحیف سے محفوظ رہے۔ (لحن اور تصحیف مترادف الفاظ ہیں اور دونوں کا معنی "پڑھنے میں خطا کرنا" ہے) خطیب نے حماد بن سلمہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں، "جو شخص علمِ نحو سے تہی دست ہو اور حدیث حاصل کرنے کا متمنی بھی ہو اس کی مثال اس گدھے کی سی ہے جس کے اوپر تھیلا تو لدا ہو مگر جَو سے خالی ہو (یعنی اس پر خالی بوریاں لدی ہوں)" ❶

ب: احادیث کو براہِ راست کتابوں اور صحیفوں سے حاصل کرنا اور مشائخ (کے آگے زانوئے تلمذّ طے کر کے ان) سے حدیث نہ لینا:

گزشتہ میں بیان ہو چکا ہے کہ مشائخ سے احادیث لینے اور حاصل کرنے کے چند طرق ہیں جن میں سے بعض دوسرے بعض سے قوی ہیں اور ان میں سب سے قوی طریق خود شیخ کی زبان سے حدیث سننا ہے جس کو "السماع من لفظِ الشیخ" یا "قراءت علی الشیخ" کہتے ہیں۔ اس لیے تحصیل حدیث میں مشغول رہنے والے کے لیے ضروری ہے کہ احادیث نبویہ کو اہلِ معرفت و تحقیق کی زبانوں سے (بلاواسطہ) سنے اور حاصل کرے تاکہ (الفاظ حدیث میں) تصحیف اور خطا سے محفوظ رکھ سکے، طالب حدیث کو شایاں نہیں کہ وہ (صرف) کتابوں اور صحیفوں پر (ہی) اعتماد کر بیٹھ رہے کہ انھی سے حدیث لے اور روایت کر دے اور ان کتابوں کو ہی اپنا "شیخ" بنا لے کہ اس سے خطاؤں اور لغزشوں کا وقوع اکثر ہوگا۔ اس لیے متقدمین علماء کہا کرتے تھے کہ، "قرآن کو مصحفی سے اور حدیث کو "صَحفی" سے حاصل مت کرو۔" ❷

غریب الحدیث ❸

ا۔ غریب کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: غریب کا لغوی معنی ہے "خویش و اقارب سے دور پردیسی شخص" جب کہ غریب سے یہاں

❶ تدریب الراوی: ۲/ ۱۰۶. (طحّان)

❷ مُصْحَفِیٌّ: اس شخص کو کہتے ہیں جو قرآن کو مصحف سے حاصل کرتا ہے اور اسے مشائخ اور قراء سے حاصل نہیں کرتا۔ جب کہ "صَحَفِیٌّ" اس شخص کو کہتے ہیں جو صحیفوں سے حدیث حاصل کرے اور مشائخ سے حاصل نہ کرے۔

علامہ فیروز آبادی "القاموس المحیط ۳/ ۱۶۶" میں کہتے ہیں، "صَحَفِیٌّ" اس شخص کو کہتے ہیں جو صحیفہ کے پڑھنے میں خطا کرے۔ (طحّان)

❸ دراصل یہ حدیثِ غریب کی دو اقسام "غریب الاسناد" اور "غریب المتن" میں سے دوسری قسم "غریب المتن" کا بیان ہے جب کہ "غریب الاسناد" کی جملہ تفصیلات کو باب اوّل کی فصلِ ثانی کی بحثِ اوّل کے مطلبِ سوم میں بیان کیا جا چکا ہے۔ مگر یاد رہے کہ یہاں "غریب المتن" کے حوالہ سے صرف متن کے غریب الفاظ پر ہی بحث ہوگی۔ (نسیم)

مراد وہ الفاظ ہیں جن کا معنی پوشیدہ ہو (اور عام لوگوں کی فہم سے دور ہو گویا کہ ان کے لیے یہ لفظ اجنبی، بیگانہ اور پردیسی ہو)۔ علامہ فیروز آبادی ❶ (لفظ غریب کا فعل بیان کرتے ہوئے) کہتے، ''غَرُبَ جیسے کَرُمَ (یعنی لفظ غریب باب ''کَرُمَ یَکْرُمُ'' سے صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے) اور اس کا معنی ہے ''غَمُضَ وَخَفِیَ'' ❷ (کلام کا غیر واضح خفی اور دقیق ہونا)۔

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) ''غریب'' حدیث کے متن میں واقع ہونے والے اس غیر واضح لفظ کو کہتے ہیں جو اپنے قلت استعمال کی وجہ سے بعید الفہم ہو۔ ❸

۲۔ غریب الحدیث کی اہمیت اور کٹھنائی (اور دشواری):

(''علوم الحدیث'' میں) اس فن کی بے حد اہمیت ہے اور حضرات محدثین کو زیبا نہیں کہ وہ اس اہم ترین فن سے بے خبر اور جاہل رہیں۔ لیکن اس (عمیق دریا) میں قدم رکھنا بھی بڑی جان جوکھوں کا کام ہے، اس لیے اس میدان میں اترنے والے کو بڑی حزم و احتیاط کی ضرورت ہے اور ایسا شخص رب تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں وہ رسالت مآب ختمی المرتبت ﷺ کی احادیث مبارکہ کی تفسیر نرے گمانوں سے کرنے نہ بیٹھ جائے جب کہ اکابر اسلاف اس باب میں بے حد تحقیق اور چھان بین سے کام لیتے تھے۔

۳۔ غریب الحدیث کی بہترین تفسیر:

غریب الحدیث کی سب سے بہترین تفسیر وہ ہوتی ہے جو کسی دوسری حدیث میں جنابِ رسول اللہ ﷺ نے خود بیان فرمادی ہو۔ ❹ جیسے بیمار کی نماز کی بابت حضرتِ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں ارشاد نبوی ﷺ ہے، ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر ایسا نہ کر سکو تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ کر بھی نہ پڑھ سکو تو پہلو کے بل (نماز پڑھ لو)'' ❺

(اب یہاں ''پہلو کے بل سے'' دایاں پہلو مراد ہے یا بایاں اور قبلہ رخ لیٹنا مراد ہے یا غیر قبلہ رخ، اس کی تفصیل مخفی ہے جس کا ادراک بے حد دشوار ہے)

❶ یہ لغت و ادب کے امام علامہ ابو طاہر محمد فیروز آبادی ہیں جو ''شیراز'' کے قریب ''کازرون'' نامی ایک قصبہ میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے عراق، مصر اور شام کی خاک چھان ماری اور ''زبید'' میں سکونت اختیار کر لی اشرف اسماعیل کے عہد میں ''زبید'' کے قاضی بھی رہے اور ''زبید'' کی خاک میں ہی دفن ہوگئے۔ ''القاموس المحیط'' آپ کی شہرۂ آفاق علمی یادگار ہے۔ (المنجد فی الاعلام العربی ص ٤٢٤) نسیم

❷ ''القاموس المحیط ج١ ص١١٥'' (طحّان)

❸ علوم الحدیث لابن الصلاح ص٢٧٢ (طحّان)

❹ جیسے علمائے ''علوم القرآن'' نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی سب سے عمدہ تفسیر وہ ہے جو خود قرآن میں ہی کسی دوسری جگہ بیان ہو جائے۔ اس کو ''تفسیر القرآن بالقرآن'' کے معزز نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اگر اس تفسیر کو ''تفسیر الحدیث بالحدیث'' کا نام دے دیا جائے تو نہایت موزوں ہوگا۔ نسیم

❺ البخاری۔ کتاب تقصیر الصلوۃ۔ ٢/ ٥٨٧ حدیث رقم ١١١٧۔ (طحّان)

چناں چہ مذکورہ حدیث کے غریب لفظ "عَلٰی جَنْبٍ" کی تفسیر حضرتِ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان الفاظ کے ساتھ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمادی ہے:

"عَلٰی جَنْبِهِ الْاَيْمَنِ مُسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةِ بِوَجْهِهِ"[1]

(اور اگر وہ بیٹھ کر بھی نماز نہ پڑھ سکے تو) اپنی داہنی کروٹ پر قبلہ رُو ہو کر (نماز ادا کرے)۔"

۴۔ "غریب الحدیث" کی مشہور تصنیفات:

الف:......"غريب الحديث" یہ ابوعبید قاسم بن سلاّم کی تصنیفِ لطیف ہے۔

ب:......"النهاية فى غريب الحديث والاثر" یہ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ تصنیف ہے جو اس موضوع پر سب سے عمدہ کتاب ہے۔

ج:......"اَلدُّرُّ النَّثِيْرُ" یہ "النهاية" کی تلخیص ہے اور اس کے مؤلف علامہ سیوطی رحمہ اللہ ہیں۔

د:......"الفائق" اس کے مصنف جار اللہ زمخشری رحمہ اللہ ہیں۔

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل جملوں میں سے غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ "او كما قال ﷺ" تب کہا جاتا ہے جب راوی روایت کا مفہوم بیان کر رہا ہو۔

۲۔ مصحفی وہ شخص ہے جو باقاعدہ قراء سے قرآن مجید نہیں سیکھتا۔ ۳۔ صحفی مصحفی کا مترادف ہے۔

۴۔ غریب کا لغوی معنی کمزور کا ہے۔ اس لیے محدثین غریب کا لفظ ضعیف حدیث پر بولتے ہیں۔

۵۔ اگر کوئی شخص کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو وہ جس مرضی کروٹ لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ کیا کوئی شخص اپنی اس کتاب سے روایت بیان کر سکتا ہے جو اسے بھول چکی ہو اور اس میں مروی روایات بھی وہ بھول چکا ہوں؟

۲۔ روایت بالمعنی کے جواز کے لیے کیا شروط ہیں؟

۳۔ کیا پریس کے اس دور میں کسی حدیث کو بالمعنی بیان کرنا جائز ہے؟

۴۔ کیا آپ کے خیال میں اساتذہ سے سیکھے بغیر کسی علم میں مہارت حاصل کرنا ممکن ہے؟

۵۔ غریب الحدیث کا موضوع اور اس پر لکھی تصنیفات احاطہ تحریر میں لائیے۔

عملی کام:......ابن اثیر کی النہایۃ کا مطالعہ کیجیے۔

[1] سنن الدار قطنی (طحّان)۔ "علوم الحدیث" میں اس حدیث کا حوالہ "مسند دارقطنی" کے نام سے دیا گیا ہے، جو غلط ہے "کما هو معروف"۔ نسیم

فصل دوم

آداب روایت

اس میں دو مباحث ہیں، جو یہ ہیں:

بحث اوّل: محدث کے آداب

بحث دوم: طالب حدیث کے آداب

بحث اوّل

آدابِ محدّث

ا۔ مقدمہ:

چوں کہ حدیث نبوی ﷺ (کے پڑھنے، پڑھانے اور سیکھنے سکھانے) میں لگنا رب ذوالجلال کا قرب نصیب ہونے کے لیے افضل ترین نیکی اور سب سے بلند تر عمل ہے اس لیے خود کو علمِ حدیث کے حوالے کرنے والے اور لوگوں میں انھیں پھیلانے والے کو مکارم اخلاق اور نہایت عمدہ عادات سے آراستہ ہونا چاہیے تاکہ جن (پاکیزہ اور عمدہ ترین) باتوں کی وہ لوگوں کو تعلیم دیتا ہے اس کی (پہلی اور) سچی مثال وہ خود بنے اور دوسروں کو ان باتوں کا حکم کرنے سے پہلے خود اپنے آپ کو ان باتوں کے سانچے میں ڈھالے۔

۲۔ ایک محدّث میں نمایاں خوبیاں کیا ہونی چاہئیں:

الف:......تصحیح نیت اور اخلاص: اور (نیت کی درستی اور اخلاص کے ساتھ ساتھ) ایک محدث کو دنیاوی اغراض، جیسے شہرت کی تمنا اور ریاست و برتری کی محبت سے پاک ہونا چاہیے۔

ب:...... ایک محدث کی سب سے بڑی غرض رب ذوالجلال سے اجرِ عظیم پانے کے لیے حدیث نبوی کی (چہاردانگِ عالم میں) اشاعت و ترویج اور نبی کریم ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ کی تبلیغ ہونی چاہیے۔

ج:......اگر اپنے سے برتر شخصیّت موجود ہو تو ان کی موجودگی میں حدیث بیان نہ کرے، خواہ وہ عمر میں بڑا ہو یا علم میں۔

د:......اور اگر کوئی شخص محدّث سے کسی ایسی حدیث کا سوال کرے جس کی بابت وہ جانتا ہے کہ وہ حدیث کسی اور کے پاس ہے تو (یہ بات اپنے لیے عار نہ سمجھے بلکہ) اس سائل کی دوسرے شخص تک رہنمائی کرے۔

ھ:......اور کسی کو حدیث بیان کرنے سے محض اس بنا پر نہ روکے کہ شاید (اب) اس کی نیت درست نہیں بلکہ اللہ کی ذات سے امید ہے کہ نیت درست ہی ہوگی۔

و:......اور اگر اتنی اہلیت رکھتا ہو کہ حدیث کی املا اور تعلیم کی مجالس بھی قائم کر سکے تو ضرور کرے کہ یہ روایتِ حدیث کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔

۳۔ مجلس املاء میں حاضر ہوتے وقت ایک محدّث کے لیے کون سے امور مستحب ہیں:

الف:......وضو کرے، خوشبو لگائے اور داڑھی میں کنگھی کرے۔

ب:......نبی کریم ﷺ کی احادیث کی تعظیم میں ہیبت اور وقار کے ساتھ جم کر بیٹھے۔

ج:......سب حاضرین پر پوری توجہ دے اور کسی ایک کی طرف خصوصی توجہ نہ دے۔

د:......مجلس کے آغاز اور اختتام پر رب تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کرے اور جنابِ رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے اور حسبِ حال بارگاہِ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے۔

ھ:......ایسی باتوں سے اجتناب کرے جن کی حاضرینِ مجلس کی عقلیں متحمل نہ ہو سکیں یا ایسی حدیث نہ بیان کرے جو وہ سمجھ نہ سکیں۔

و:......اور اکتاہٹ دور کرنے اور طبیعتوں کو مستعد اور ہشاش بشاش کرنے کے لیے املاء حدیث کے اختتام پر حاضرین کو (پُراز حکمت) حکایتیں اور قیمتی باتیں سنائے۔

۴۔ایک محدّث کے لیے عمر کا کون سا حصّہ مناسب ہے جس میں اسے حدیث بیان کرنے میں لگ جانا چاہیے:

اس بابت علماء کے مختلف اقوال ہیں، جو یہ ہیں:

الف:......ایک قول ''پچاس'' سال کا ہے جب کہ ایک قول ''چالیس'' سال کا بھی۔ اور ایک قول ان دونوں کے علاوہ بھی ہے۔

ب:......جب کہ صحیح قول یہ ہے کہ وہ جب بھی اس لائق اور اس کا اہل ہو جائے اور لوگوں کو (بھی) اس کی احادیث حاصل کرنے کی احتیاج ہونے لگے تو چاہے اس کی عمر جو بھی ہو وہ احادیث بیان کرنے بیٹھ جائے۔

۵۔آدابِ محدّث کی بابت مشہور تصنیفات:

الف:......''الجامع لاخلاق الراوی و آداب السامع'' اس کے مصنف خطیب بغدادی رحمہ اللہ ہیں۔

ب:......''جامع بیان العلم وفضلہ وما ینبغی فی روایتہ وحملہ'' یہ علامہ ابن عبدالبر کی تصنیف ہے۔

بحث دوم

طالبِ حدیث کے آداب

ا۔ مقدمہ:

طالب حدیث کے آداب سے مراد وہ بلند آداب اور کریمانہ اخلاق ہیں جن سے ایک طالب علم کو متصف ہونا چاہیے اور جو اس بلند علم کے مناسب ہیں جس کو یہ حاصل کرنے چلا ہے، اور وہ علم ہے نبی کریم ﷺ کی احادیث۔ ان اخلاق و آداب میں سے کچھ تو وہ ہیں جو محدّث اور طالب دونوں کے لیے مشترک ہیں۔ البتہ کچھ آداب وہ ہیں جو صرف طالب علم میں ہونے چاہئیں۔ (ذیل میں دونوں قسم کے آداب کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے)

۲۔ وہ آداب جن میں طالب علم ''محدّث'' کے ساتھ شریک ہوتا ہے:

الف:......نیت درست کرنا اور محض اللہ کی رضا کے لیے علم حاصل کرنا۔

ب:......طلب حدیث کو دنیاوی اغراض تک پہنچنے کا وسیلہ بنانے سے ازحد گریز کرنا۔ ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے:

''جس نے ایسا کوئی علم سیکھا جس سے اللہ کی رضا مندی مقصود ہوتی ہے مگر اس نے وہ علم صرف کسی دنیاوی مقصد کو پانے کے لیے سیکھا وہ روزِ قیامت جنت کی خوش بو (تک) نہ پائے گا۔'' ❶

ج:......جن ارشاداتِ عالیہ کو سنا ہے ان پر عمل کرنا۔

۳۔ وہ آداب جو صرف طالب علم کے ہیں:

الف:......احادیث کو ضبط کرنے اور ان کو سمجھنے میں رب تعالیٰ سے توفیق، سیدھی راہ، سہولت و آسانی اور رب ذوالجلال کی مدد مانگے۔ ب:......طلبِ حدیث میں پوری طرح منہمک ہو جائے اور اپنی ساری جان لگا دے۔

ج:......حدیث کی سماعت کی ابتداء ان بزرگ اور شیخ سے کرے جن کی سند شہر میں سب سے عالی ہو اور وہ علم اور دین میں سب پر فائق ہو۔ د:......اپنے شیخ کی اور جن سے احادیث سنی ہیں، ان کی عزت اور ان کا احترام کرے۔ اور دراصل یہ علم کی تعظیم کرنا ہے جو علمی فائدہ حاصل کرنے کا (بہت بڑا) سبب ہے۔ دوسرے شیخ کی رضا جوئی میں لگا رہے اور اگر وہ بے رخی کرے تو اس پر صبر سے کام لے۔ ھ:......اپنے دوستوں اور ہم جماعتوں کو ان فوائد کے طلب کرنے کی طرف رہنمائی کرتا رہے جو اس نے حاصل کیے ہیں اور اپنے علمی استفادات اور فوائد کو ان سے چھپائے نہیں کیوں کہ اپنے ساتھی طلباء سے فوائد علیہ کا چھپانا ایک قابلِ ملامت پیشہ ہے جس میں صرف کمینے اور جاہل طلبہ ہی گرفتار ہوتے ہیں کیوں کہ حصولِ علم کا قرار واقعی مقصد تو اس کا پھیلانا ہے (نا کہ اس کا چھپانا)۔

❶ اخرجه الحاكم في المستدرك۔ كتاب العلم۔ ١/ ٨٥ بلفظه وقال :هذا حديث صحيح على شرط الشيخين ولم يخرجاه وأقرّه الذهبي (طحّان)

و: ......اور (سب سے اہم بات) یہ (ہے) کہ علم کی تحصیل، اس کے پانے اور احادیث کے سننے میں نہ تو حیا کرے اور نہ تکبر کرے۔ چاہے جس سے علم و حدیث کی سماعت اور تحصیل کرنے گیا ہے وہ عمر یا مقام و مرتبہ میں اس سے چھوٹا ہی کیوں نہ ہو۔

ز: ......اور احادیث کی معرفت حاصل کیے اور انھیں سمجھے بغیر صرف ان کے سننے اور لکھ لینے پر ہی قناعت نہ کر بیٹھے کہ ایسا کرنے سے (اپنی جان تو کھپائی اور) اپنا آپ تو تھکایا مگر کوئی مقصد حاصل نہ ہوا۔

ح: ......اور یہ کہ احادیث کی ضبط و سماعت اور ان کے سمجھنے میں "صحیحین" کو دوسری تمام کتبِ احادیث پر مقدم کرے۔ پھر سنن ابی داود، سنن ترمذی اور سنن نسائی کی سماعت کرے، پھر امام بیہقی کی سننِ کبری کی سماعت کرے۔ پھر جن مسانید اور جوامع کے پڑھنے سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہو ان کو سنے اور ضبط کرے۔ جیسے مسند احمد، مؤطا امام مالک، اور کتبِ علل میں سے علل دارِ قطنی، اسماء ورجال کے لیے امام بخاری رحمہ اللہ کی تاریخِ کبیر، جرح وتعدیل کے لیے ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کی "کتاب الجرح و تعدیل" اور ضبط اسماء کے لیے "ابن ماکولا" کی کتاب اور "غریب الحدیث" کے لیے ابن اثیر رحمہ اللہ کی "النهاية" پڑھے۔

(**تنبیہ**: بابِ سوم اپنی جملہ فصول اور مباحث و مقاصد سمیت ختم ہوا)

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ حدیث بیان کرنے کے لیے کون سے آداب ملحوظ خاطر رکھنے چاہییں؟ اپنا جائزہ لیجئے آیا آپ ان آداب کا لحاظ رکھتے ہیں یا نہیں؟

۲۔ کیا حدیث بیان کرنے کے لیے عمر کی کوئی تعیین ہے؟

۳۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ذی شان ہے کہ: "جس نے ایسا کوئی علم سیکھا جس سے اللہ کی رضامندی مقصود ہوتی ہے مگر اس نے وہ علم صرف کسی دنیاوی مقصد کو پانے کے لیے سیکھا وہ روزِ قیامت جنت کی خوش بو (تک) نہ پائے گا" حدیث میں دنیاوی غرض سے کیا مراد ہے؟

۴۔ دینی علم کو چھپانا کیسا ہے؟

۵۔ حدیث سماعت کرنے والے طالب علم کو کن آداب کا خیال رکھنا چاہیے؟ اپنا جائزہ لیجئے آیا آپ ان آداب کا لحاظ رکھتے ہیں یا نہیں؟

۶۔ کتب حدیث کے مراتب تحریر کیجیے۔

باب چہارم

اِسناد اور اس کے متعلقات کا بیان

اس باب میں دو فصلیں ہیں:

فصل اوّل: لطائف اسناد

فصل دوم: معرفت رواۃ

فصل اوّل

لطائفِ اِسناد کا بیان

یہ فصل علومِ حدیث کی سات انواع کے تذکرے پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں:

(۱) اسنادِ عالی و نازل (۲) المسلسل

(۳) روایتِ اکابر عن الاصاغر (٤) روایتِ آباء عن الابناء

(۵) روایتِ ابناء عن الآباء (٦) المُدَبَّج اور "روایتِ اقران"

(۷) سابق ولاحق

ا......اسنادِ عالی ونازل

ا۔تمہید:

اسناد اس امت کی وہ خصوصیت اور طرۂ امتیاز ہے جس میں گزشتہ امتوں میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں۔ اور اسناد (ایک نہایت محقق، یقینی) کامل (مستحکم) اور معتمد سنت ہے، اور ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ احادیث واخبار کے نقل (وبیان) میں "اسناد" پر (پورا پورا) اعتماد کرے۔

امام ابن مبارک فرماتے ہیں، "اسناد دین میں سے ہے، اگر "اسناد" نہ ہوتی تو جس کا جو جی چاہتا کہہ دیتا" اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کا قول ہے، "اسناد" ایک مومن کا ہتھیار ہے۔"

(تو جیسے خود "اسناد" ایک کامل اور یقینی سنت ہے) اسی طرح اسناد کے عالی مرتبہ کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا بھی سنت ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں، "عالی اسناد کی تلاش میں سرگرداں رہنا اسلاف اکابر کی سنت ہے۔" کیوں کہ حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب کوفہ سے مدینہ کے لیے صرف اس لیے رختِ سفر باندھتے تھے تاکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سیکھیں اور ان سے احادیث کی سماعت کریں۔ اسی لیے حضرات علماء نے طلبِ حدیث کے لیے اسفار کرنے (اور دور دراز کے بلاد وامصار جانے اور وہاں کے مشائخ سے احادیث لینے) کو مستحب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت یہ مروی ہے کہ انھوں نے اسناد کے عالی کرنے کے لیے سفر اختیار کیا، جیسے حضرتِ ابوایوب رضی اللہ عنہ اور حضرتِ جابر رضی اللہ عنہ۔

۲۔اسناد عالی ونازل کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "عـــالی" یہ "عُـلُوٌّ" مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے (جس کا معنی بلندی ہے) جو

''نزول'' (پستی، نشیب اور نچان) کی ضد ہے۔

اور ''نازل'' ''نزول'' کا اسم فاعل ہے جو ''علوّ'' کی ضد ہے۔

ب:......اسناد عالی و نازل کی اصطلاحی تعریف:

ا۔ اسنادِ عالی: (محدثین کی اصطلاح میں) اسناد عالی اس اسناد کو کہتے ہیں جس کے رجال کی تعداد اسی سند کی بہ نسبت کم ہو جس کے ساتھ وہی حدیث زیادہ رجال کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔ ❶

۲۔ اسنادِ نازل کی اصطلاحی تعریف: یہ وہ اسناد ہے جس کے رجال کی تعداد اس اسناد کی بہ نسبت زیادہ ہو جس کے ساتھ وہی حدیث کم رجال کے ساتھ وارد ہوئی ہو۔

۳۔علوّ اسناد کی اقسام:

علوّ اسناد کی پانچ قسمیں، جن میں سے ایک کا نام ''علوِّ مطلق'' ہے جب کہ باقی چار اسانید ''عــلــوِ نَسَبِیّ'' کہلاتی ہیں۔ یہ پانچ اقسام درج ذیل ہیں:

الف:...... کسی صحیح اور بے عیب اسناد کے ساتھ جنابِ رسول اللہ ﷺ کے قریب ہونا علوِ اسناد کی سب سے جلیل القدر قسم ہے جس کو محدثین ''علوِّ مطلق'' کہتے ہیں۔ ❷ (اور یہی علوِ مطلق کی تعریف بھی ہے اور صورت بھی دوسرے مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق باقی کی چاروں اقسام ''علوِّ نسبی'' ❸ کہلائیں گی)

ب:...... کسی امامِ حدیث کے واسطے سے صحیح اور بے عیب سند کے ساتھ جنابِ رسول اللہ ﷺ تک قرب خواہ اس میں راوی کے بعد جنابِ رسول اللہ ﷺ تک (واسطوں کی) تعداد زیادہ ہی ہو۔ مثلاً جیسے امام اَعمش، ابن جریج اور امام مالک رحمہ اللہ وغیرھم (جیسی شخصیات کے واسطے سے قرب اور اس کو ''عــلــو بــوجــه الــقــرب مِنْ اَحَدِ اَئِمَّةِ الحدیث'' کہتے ہیں)

ج:...... صحاح ستہ یا کسی دوسری معتبر و معتمد کتاب کی روایت کی طرف نسبت کے ذریعے قرب (مگر اس میں بھی حدیث کا صحیح اور بے عیب ہونا شرط ہے اور اصطلاحِ محدثین میں اس کو ''عــلــو بوجه القرب بالنسبة الی روایة

---

❶ یعنی اگر ایک ہی حدیث دو اسناد کے ساتھ وارد ہو تو دونوں میں سے عالی اسناد اس کو کہیں گے جس کے رواۃ کی تعداد بہ نسبت دوسری سند کے کم ہوگی۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۸۷) نسیم

❷ اور یہ سب سے اعلیٰ قسم اس لیے ہے کہ اس میں راوی اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطے کم ہوتے ہیں اور واسطے جتنے کم ہوں اسناد اتنی ہی زیادہ معتمد اور معتبر ہوتی ہے۔ مولف موصوف نے اس کی مثال بیان نہیں کی۔ اس کی مثال امام بخاری رحمہ اللہ کی وہ ''ثلاثیات'' ہیں جن کو انھوں نے دوسری اسناد سے بھی روایت کیا ہے۔ مگر ان میں رواۃ کی تعداد زیادہ ہے۔ اور ''ثلاثیات'' ان روایات کو کہتے ہیں جن کو صرف تین واسطوں سے جناب رسول اللہ ﷺ سے نقل کیا جائے۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۸۷ مع الحاشیة) نسیم

❸ اور علوِ نسبی کی تعریف یہ ہے کہ کسی خاص شخص یا نسبت کے ذریعے جناب رسول اللہ ﷺ سے قرب چاہے۔ راوی کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ تک واسطے زیادہ ہوں۔ اس کی چار صورتیں ہیں جن کو علی الترتیب بیان کیا جاتا ہے۔ (علوم الحدیث بتصرف ص ۲۸۷) نسیم

احد الکتب المعتمدۃ المؤلفۃ فی الحدیث" کہتے ہیں) اور (متاخرین علماء نے اس کی کل پانچ صورتیں بیان کی ہیں، جن میں سے ایک یہی مذکورہ قسم ہے کہ کتبِ صحاح وغیرہ سے کسی روایت کی طرف نسبت کر کے قرب حاصل کرنا اور اسناد کو عالی کرنا۔ جب کہ اس کی باقی چار صورتیں موافقت، ابدال، مساوات اور مصافحہ ہیں، مگر ان میں سے) یہی (پہلی) وہ صورت ہے جس کی طرف (ان) متاخرین علماء نے بہ نسبت موافقت، ابدال، مساوات اور مصافحہ کے زیادہ توجہ دی ہے۔ (ذیل میں ان چاروں قسموں کا تعارف بھی ملاحظہ کیجیے!)

۱۔ موافقت:

یہ کسی مصنف کے شیخ تک ایک دوسرے طریق سے (کم واسطوں کے ساتھ) پہنچنا ہے کہ اگر اس حدیث کو مصنف کے طریق سے اس سے روایت کیا جائے تو (اس کے واسطوں کی تعداد بہ نسبت) اس دوسرے طریق کے واسطوں کی تعداد کم ہو۔

موافقت کی مثال :......اس کی (دلچسپ) مثال حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "شرح النخبۃ" میں بیان کی ہے۔ حافظ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک حدیث (اپنے شیخ اور استاد) قتیبہ رحمہ اللہ کے واسطے سے امام مالک رحمہ اللہ سے بیان کی ہے۔ اب (اس حدیث کے متعدد طرق میں رجالِ اسناد کی تعداد کی صورت یہ ہے کہ) اگر ہم یہی حدیث امام موصوف رحمہ اللہ کے طریق سے روایت کریں تو ہمارے اور (امام موصوف رحمہ اللہ کے شیخ و استاذ) قتیبہ رحمہ اللہ کے درمیان آٹھ واسطے بنتے ہیں۔ لیکن اگر ہم یہی حدیث (امام بخاری کے ہی ایک دوسرے شیخ) ابو العباس سراج رحمہ اللہ کے واسطے سے قتیبہ رحمہ اللہ سے روایت کریں تو ہمارے اور قتیبہ رحمہ اللہ کے درمیان سات واسطے بنتے ہیں۔ پس ہمیں امام بخاری رحمہ اللہ کے ساتھ ان کے مذکورہ شیخ میں ہی موافقت بھی حاصل ہوگئی اور ساتھ ہی ان شیخ تک عالی اسناد بھی حاصل ہو گئی (جب کہ اس عالی اسناد میں امام بخاری رحمہ اللہ واسطہ نہیں ہیں)۔ ❶

۲۔ بدل:

یہ کسی مصنف کے شیخ کے شیخ تک (کم واسطوں کے ساتھ) پہنچنا ہے کہ اگر اس حدیث کو مصنف کے طریق سے اس سے روایت کیا جائے تو (اس کے واسطوں کی تعداد کی بہ نسبت) اس دوسرے طریق کے واسطوں کی تعداد کم ہو۔"

بدل کی مثال: اس کی مثال وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کی، وہ فرماتے ہیں، "اس کی مثال بعینہٖ گزشتہ مذکورہ اسناد ہو سکتی ہے وہ یوں کہ وہ اسناد کسی دوسرے طریق سے قعنبی تک ہو (جو بخاری رحمہ اللہ کے شیخ الشیخ یعنی قتیبہ کے شیخ ہیں) جو اس حدیث کو مالک سے روایت کریں (اور اسناد کا یہ طریق بھی امام بخاری کے واسطے سے خالی ہو) تو یہاں پر (اس مفروضہ مثال میں) قعنبی قتبہ سے بدل ہوں گے۔

---

❶ شرح النخبۃ ص ٦١ (طحان)

۳۔ مساوات:

یہ کسی حدیث کے رجالِ اسناد کی تعداد کا راوی سے لے کر آخر تک، کسی دوسرے مصنف کی ذکر کردہ اسناد کے رجال کی تعداد کے برابر ہونا ہے۔

مساوات کی مثال:...... اس کی مثال وہ ہے جو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے کہ ''جیسے مثلاً امام نسائی ایک حدیث روایت کریں اور اس حدیث کی اسناد میں ان کے اور جنابِ رسول اللہ ﷺ کے درمیان گیارہ افراد کا واسطہ ہو۔ اب بعینہٖ یہی حدیث ایک دوسری اسناد کے ساتھ بھی ہو۔ جس میں ہمارے اور جنابِ رسول اللہ ﷺ تک رواۃ حدیث کی تعداد گیارہ (ہی) ہو تو یوں ہم تعدادِ رجال میں امام نسائی رحمہ اللہ کے برابر ہو جائیں گے۔

۴۔ مصافحہ:

یہ کسی حدیث کے رجالِ اسناد کی تعداد کا راوی سے لیکر آخر تک کسی دوسرے مصنف کی شاگرد کی اسناد کے رواۃ کی تعداد کے برابر ہونا ہے۔ اور اس روایت کا نام ''مصافحہ'' اس لیے رکھا گیا ہے کہ دو ملنے والوں میں غالب عادت یہی ہے کہ وہ (پہلے) ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں۔

د:...... کسی راوی کے پہلے وفات پا جانے کے ذریعے علو (یعنی اسناد کا عالی کرنا):

(اس کی ذکر کردہ مثال سے ہی اس کی تعریف بھی اخذ کی جا سکتی ہے کہ یہ کسی راوی کی وفات کے پہلے ہو جانے کے ذریعے اپنی اسناد کو عالی کرنا ہے اور اس کو ''علو بوجه تقدم وفات الراوی'' بھی کہتے ہیں) اس کی مثال وہ ہے جو امام نووی رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ''جس حدیث کو میں تین واسطوں سے بیہقی سے اور ان کے واسطہ سے حاکم سے نقل کروں، وہ اس حدیث سے اعلیٰ ہے جس کو میں تین واسطوں سے ابوبکر بن خلف سے اور ان کے واسطے سے حاکم سے نقل کروں کیوں کہ بیہقی نے ابوبکر بن خلف سے پہلے وفات پائی ہے۔'' [1]

ھ:...... تقدم سماع کے ذریعے علو: یعنی شیخ (کے آگے زانوئے تلمذ طے کر کے اس) سے حدیث سننے میں سبقت کرنے (کے ذریعے سند کو عالی کرنا، اور اس کو ''علو بوجه تقدم السماع من الشیخ'' کہتے ہیں) پس جس نے شیخ سے حدیث کی سماعت پہلے کی ہو اس کی اسناد اس شخص سے عالی ہے جس نے اس شیخ سے اس کے بعد حدیث سنی ہے۔

تقدمِ سماع کے ذریعے علوِ اسناد کی مثال:...... مثلاً دو آدمی ایک ہی شیخ سے حدیث کی سماعت رکھتے ہوں مگر ایک گزشتہ ساٹھ برسوں سے حدیث کی سماعت کر رہا ہے جب کہ دوسرے کی سماعت صرف چالیس سال سے ہو۔ اب اگرچہ دونوں کی اسناد کے رواۃ کی تعداد برابر ہے مگر پہلا باعتبار اسناد کے دوسرے سے اعلیٰ ہے۔ اور اس کا فائدہ اس شخص کے

[1] التقریب بشرح التدریب ج ۲ ص ۱۶۸۔ یاد رہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ۴۵۸ھ میں جب کہ ابن خلف نے ۴۸۷ھ میں وفات پائی ہے۔ (طحان)

حق میں ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے شیخ کو اختلاط کا عارضہ لاحق ہو گیا ہو یا وہ بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا گیا ہو۔

۴۔ نزولِ اسناد کی اقسام:

نزولِ اسناد کی پانچ اقسام ہیں جن کو اپنی ضد سے پہچانا جا سکتا ہے کہ علو اسناد کی ہر قسم کے بالمقابل نزول اسناد کی ایک قسم ہے۔

۵۔ علو اسناد افضل ہے یا نزولِ اسناد؟:

(اس بارے دو اقوال ہیں، جو یہ ہیں):

الف:...... صحیح یہ ہے کہ علوِ اسناد نزولِ اسناد سے افضل ہے، اور یہی جمہور کا قول بھی ہے کیوں کہ علوّ اسناد حدیث سے کسی قسم کے خلل کے احتمال کو دور کر دیتا ہے (کہ جتنے واسطے کم ہوں حدیث پر اعتماد بڑھتا ہے) جب کہ نزولِ اسناد سے اعراض کیا جاتا ہے۔ ابن المدینی کہتے ہیں، ''نزولِ اسناد (ایک قسم کی) نحوست (اور بدشگونی) ہے۔'' مگر یاد رہے کہ یہ قول اس وقت ہے جب قوتِ (صحت) میں دونوں اسناد ایک دوسرے کے مساوی ہوں۔

ب:...... البتہ اگر اسنادِ نازل کسی فائدہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ممتاز ہو تو وہ افضل ہو گی۔ [1]

۶۔ اسناد عالی و نازل پر مشہور تصنیفات:

صرف ''اسناد عالی'' اور ''اسناد نازل'' کے ذکر پر مشتمل عمومی شکل میں (یعنی مستقل) کوئی کتاب نہیں، لیکن علماء نے کچھ مستقل ''اجزاء'' لکھے ہیں جن کو ''ثلاثیات'' کا نام دیا ہے اور اس سے ان کی مراد وہ احادیث ہوتی ہیں جن میں مصنف اور جنابِ رسول اللہ ﷺ تک صرف تین اشخاص کا واسطہ ہوتا ہے۔ یہیں سے ہمیں اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضرات علمائے کرام نے ''اسانید عوالی'' کے جمع کرنے کا کس قدر اہتمام کیا ہے۔ ان ثلاثیات میں سے:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''ثلاثیات البخاری رحمہ اللہ'' اور

۲۔ علامہ سفارینی رحمہ اللہ کی ''ثلاثیاتِ احمد بن حنبل رحمہ اللہ'' ہیں

۲...... حدیث مسلسل

۱۔ حدیثِ مسلسل کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ ''مسلسل'' (رباعی صحیح مجرد کے) ''السَّلْسَلَةُ'' مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اور یہ ایک شی کے دوسری شی کے ساتھ ملنے کو کہتے ہیں۔ اسی معنی میں ''سِلْسِلَةُ الحدید'' کا لفظ ہے یعنی ''لوہے کی زنجیر'' (جس میں زنجیر کی ایک کڑی دوسری کے ساتھ ملی ہوتی ہے) اور گویا کہ اس حدیث کا یہ نام (یعنی ''مسلسل'') اس

---

[1] جیسے اسنادِ نازل کے رجال اسنادِ عالی کی رجال سے وثاقت میں فائق، ضبط حدیث میں ان سے بڑھ کر اور فقہ الحدیث میں ان سے آگے ہوں۔ (طحان)

لیے رکھا گیا ہے کہ اجزاء کے درمیان تماثل اور اتصال کے اعتبار سے یہ ''سلسلہ'' یعنی زنجیر کے مشابہ ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) حدیث مسلسل وہ حدیث ہے جس کی اسناد کے رجال خود یا روایت کی کسی صفت یا حالت میں ایک تسلسل کے ساتھ ہوں [1] (کہ شروع سے لے کر آخر تک سب کے سب رجال تسلسل کے ساتھ ایک صفت پر ہوں یا سب کے سب حدیث کو کسی خاص صفت کے ساتھ لگاتار بیان کریں)۔

۲۔ اصطلاحی تعریف کی شرح:

یعنی مسلسل وہ حدیث ہے جس کے سب کے سب رواۃ درج ذیل امور میں ایک تسلسل کے ساتھ ہوں:

الف:......رواۃ کی کسی ایک صفت میں سب مشترک ہوں یا

ب:......رواۃ کی کسی حالت میں سب مشترک ہوں یا

ج:......روایت کی کسی صفت میں مشترک ہوں۔

۳۔ حدیثِ مسلسل کی اقسام:

تعریف کی (مذکورہ) شرح سے ہی یہ بات از خود عیاں ہو جاتی ہے کہ ''حدیث مسلسل کی تین قسمیں ہیں، جو یہ ہیں:

(۱) مسلسل باحوال الرواۃ

(۲) مسلسل بصفاتِ الرواۃ اور

مسلسل بصفاتِ الروایۃ

ذیل میں تینوں انواع کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

الف:...... **مسلسل باحوال الرواۃ**: رواۃ کے یہ احوال خواہ ان کے اقوال ہوں یا افعال یا اقوال و افعال دونوں ہوں (اس لحاظ سے ''حدیث مسلسل باحوال الرواۃ'' کی بھی تین قسمیں بن گئیں، جو یہ ہیں):

۱۔ مسلسل باحوالِ الروایۃ القولیۃ:......(یعنی وہ حدیث جس کے سب رواۃ کسی قول میں شروع اسناد سے لے کر آخر تک مشترک و متفق اور تسلسل کے ساتھ ہوں) اس کی مثال حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے جس میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں ارشاد فرماتے ہیں:

''اے معاذ! مجھے تم سے محبت ہے پس تم ہر نماز میں یہ دعا مانگا کرو، ''اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ'' ''اے اللہ! اپنے ذکر و شکر اور عبادت کی خوبی پر میری مدد فرما۔''

---

[1] التقریب مع التدریب ۲/ ۱۸۷ (طحّان)

البتہ حدیث کے مسلسل کہلانے کے لیے سب ہی رواۃ کا کسی خاص صفت یا حالت میں تسلسل کے ساتھ مشترک ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کے لیے اکثر کا اشتراک کافی ہے، اور اگر یہ تسلسل درمیان میں یا آخر میں جا کر ختم ہو جاتا ہے تو محدثین حضرات اس کی تصریح کر دیا کرتے ہیں کہ یہ حدیث فلاں فلاں تک مسلسل ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۹۱ بتصرفِ کثیر وزیادۃ) نسیم

کہ اس حدیث میں تسلسل یوں بنا کہ اس حدیث کے ہر راوی نے یہ روایت بیان کرتے وقت (اپنے شاگردوں سے) یہ کہا، "وَاَنَا اُحِبُّكَ فَقُلْ" "اور میں تم سے محبت کرتا ہوں لہٰذا کہو (پھر آگے حدیث بیان کرتے)۔"[1]

۲۔ مسلسل باحوال الرواۃ الفعلیۃ:......(یعنی وہ حدیث جس کے سب رواۃ کسی فعل میں شروع اسناد سے لے کر آخر تک متفق ومشترک اور تسلسل کے ساتھ ہوں) اس کی مثال حضرتِ ابوہریرہ کی یہ حدیث ہے، "حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، "ابوالقاسم (حضرت محمد) صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مبارک انگلیاں میری انگلیوں میں ڈال کر ارشاد فرمایا، "رب تعالیٰ نے زمین کو بروز ہفتہ پیدا فرمایا۔"

اب اس حدیث میں تسلسل کی صورت یوں بنی کہ اس حدیث کو روایت کرتے وقت ہر استاذ نے اپنے شاگرد کی انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر اسے بیان کیا۔"[2]

۳۔ مسلسل باحوال الرواۃ القولیۃ والفعلیۃ:......(یعنی وہ حدیث جس کے سب رواۃ شروع اسناد سے لے کر آخر تک کسی فعل اور قول دونوں میں متفق ومشترک اور تسلسل کے ساتھ ہوں) اس کی مثال حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بندہ (اس وقت تک) ایمان کی حلاوت (اور اس کی لذت) نہیں پاسکتا یہاں تک کہ تقدیر کی اچھائی برائی اور تلخی وشیرینی (غرض ہر حال) پر ایمان (نہ) لے آئے، (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) اور (پھر یہ ارشاد فرما کر) جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی داڑھی مبارک کو مٹھی میں لے کر فرمایا، "میں (رب کی) تقدیر پر ایمان لایا اس کی اچھائی برائی پر (بھی) اور اس کی تلخی وشیرینی پر (بھی)۔"[3]

اب اس حدیث میں تسلسل کی صورت یوں ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے کے (بعد) ہر راوی نے اپنی داڑھی کو مٹھی میں لیا اور پھر حدیث کا یہ ٹکڑا بیان کیا، "اٰمَنْتُ بِالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ، حُلْوِہٖ وَمُرِّہٖ" (یہ حدیث مسلسل کی پہلی قسم کا بیان تھا جو رواۃ کے احوال سے متعلق تھی۔ جس کی تین قسمیں تھیں۔ اب ذیل میں حدیث مسلسل کی دوسری قسم کا بیان ملاحظہ کیجیے!)

ب:......**مسلسل بصفات الرواۃ**:......(بدیہی طور پر) رواۃ کی صفات کی دو اقسام (ہوسکتی) ہیں۔ صفات قولیہ اور صفاتِ فعلیہ (ذیل میں دونوں کا تعارف اور مثال درج کی جاتی ہے)۔

ا۔ مسلسل بصفات الرواۃ القولیہ:......(یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام رواۃ شروع اسناد سے لے کر آخر

---

[1] اخرجہ ابو داؤد۔ کتاب الوتر ۲/ ۸۶ حدیث رقم ۱۵۲۲ (طحّان)
اور اس حدیث کو "حدیث المسلسل بالمحبۃ" بھی کہتے ہیں (علوم الحدیث، ص: ۲۹۲) نسیم

[2] اخرجہ الحاکم مسلسلاً فی معرفۃ علوم الحدیث ص ۴۲ (طحّان)

[3] اخرجہ الحاکم مسلسلاً فی معرفۃ علوم الحدیث ص ۴۰ (طحّان)

تک کسی صفتِ قولیہ میں مشترک ومتفق اور تسلسل کے ساتھ ہوں) جیسے وہ حدیث جس کے سب رواۃ سورۂ صف کو تسلسل کے ساتھ قراءت کرتے ہیں کہ اس میں سب اس قول کو تسلسل سے روایت کرتے ہیں، "پس اس سورت کو فلاں نے اس طرح قراءت کیا" (اس تفصیل کے ساتھ ساتھ) عراقی یہ کہتے ہیں، "رواۃِ حدیث کی صفاتِ قولیہ اوران کے احوالِ قولیہ قریب قریب ہیں بلکہ (ایک دوسرے سے) ملتے جلتے ہیں۔"

۲۔ مسلسل بصفاتِ الرواۃ الفعلیۃ :......(اس حدیث کی اسناد کے تمام رواۃ کسی صفتِ فعلیہ میں تسلسل کے ساتھ ہوتے ہیں) مثلاً سب رواۃ کا ایک نام ہونے میں (باہم) متفق (ومشترک) ہونا جیسے (کسی حدیث کا) "محمد" نامی رواۃ میں مسلسل ہونا (کہ اس کے سب راویوں کا نام شروع اسناد سے لیکر آخر تک "محمد" ہو) یا کسی صفت میں رواۃ کا (باہم) متفق ہونا جیسے (کسی حدیث کا) فقہاء یا حفاظ حدیث کے ساتھ مسلسل ہونا (کہ اس کی اسناد کے سب راوی شروع سے لے کر آخر تک فقہاء یا حفاظِ حدیث ہوں) یا کسی نسبت میں (سب) رواۃ کا (باہم) متفق ہونا (خواہ یہ نسبت قبیلہ کے اعتبار سے ہو یا بلا دو امصار اور اوطان کے اعتبار سے ہو) جیسے (کسی حدیث کا) دمشقیوں یا مصریوں کے ساتھ مسلسل ہونا (کہ اس کی اسناد کے سب رواۃ شروع سے آخر تک دمشق یا مصر کے ہوں اسی طرح سب ایک قوم قبیلہ اور خاندان سے ہوں جیسے سب کے سب قریشی ہوں وغیرہ وغیرہ)

(رہ گئی حدیث مسلسل کی تیسری قسم تو):

ج:...... **مسلسل بصفات الروایۃ** :(یہ وہ حدیث ہوتی ہے جس کے سب رواۃ شروع اسناد سے لے کر آخر تک روایت کی کسی صفت پر باہم متفق ومشترک اور تسلسل کے ساتھ ہوں) اور روایت کی صفات کا تعلق یا تو ادائیگی کے صیغوں کے ساتھ ہوگا یا پھر روایت کے زمان یا مکان کے ساتھ ہوگا۔ (یوں مسلسل حدیث کی تیسری قسم کی بھی تین قسمیں ہوئیں۔ ان میں سے ہر ایک کو ذیل میں الگ الگ بیان کیا جاتا ہے)

۱۔ مسلسل بصیغ الاداء :......(یہ وہ حدیث ہے جس کے سب رواۃ شروع اسناد سے لے کر آخر تک ایک ہی قسم کے الفاظ کے ساتھ حدیث روایت کرنے میں متفق ومشترک اور تسلسل کے ساتھ ہوں)۔ جیسے (کسی حدیث کے) ہر راوی کا "سَمِعۡتُ" یا "اَخۡبَرَنَا" کہنے کے ساتھ مسلسل ہونا۔

۲۔ مسلسل بزمان الروایۃ :......(یہ حدیث اپنے نام سے ہی واضح ہے کہ اس میں سب رواۃ کسی خاص وقت میں روایت کرنے میں متفق ومشترک اور تسلسل کے ساتھ ہوں) جیسے کسی حدیث کا "عید کے دن" روایت کیے جانے کے ساتھ مسلسل ہونا (کہ اس کے سب رواۃ نے شروع سے آخر تک اس حدیث کو صرف عید کے دن ہی روایت کیا ہو)۔

۳۔ مسلسل بمکان الروایۃ :......(کہ سب رواۃ حدیث کو کسی خاص جگہ روایت کرنے میں متفق ومشترک اور تسلسل کے ساتھ ہوں)۔ جیسے "مقامِ مُلۡتَزَم" پر اجابت دعا کی "مسلسل حدیث" (کہ اس حدیث کو ہر ایک

راوی نے ''ملتزم'' پر ہی بیان کیا)۔

۴۔احادیث مسلسلہ کی سب سے افضل قسم:

ان میں سب سے افضل حدیث وہ ہے جو سماع کے اتصال اور عدمِ تدلیس پر دلالت کرتی ہو۔ (یعنی وہ حدیث انقطاع اور تدلیس کی خرابیوں سے پاک ہو)

۵۔حدیث مسلسل کے فوائد:

(محدثین نے حدیث مسلسل کے متعدد فوائد گنوائے ہیں، جن میں سے) ایک فائدہ یہ ہے کہ حدیث مسلسل رواۃ کے زیادہ ضبط (اور حفظ) پر مشتمل ہوتی ہے (کہ راوی نہ صرف حدیث بیان کرتا ہے بلکہ اس کے جملہ احوال، صفات، مقامات، کیفیات اور پس منظر تک کو روایت کرتا ہے جو اس کے حفظ وضبط کے اتقان کی شہادت ہوتی ہے)۔

٦۔کیا پوری اسناد میں تسلسل کا پایا جانا شرط ہے؟:

(اس کا جواب یہ ہے کہ) پوری اسناد میں (شروع سے لے کر آخر تک) تسلسل کا پایا جانا شرط نہیں کہ کبھی اسناد کے وسط یا آخر میں یہ تسلسل ٹوٹ بھی جاتا ہے۔ البتہ ایسی صورت میں محدثین یہ کہہ (کر حدیث مسلسل میں پائے جانے والے انقطاع کی طرف اشارہ کر) دیتے ہیں کہ، ''یہ حدیث فلاں (راوی) تک مسلسل ہے۔''

۷۔تسلسل اور صحت کا آپس میں کوئی ربط (وتعلق) نہیں:

(یعنی یہ ضروری نہیں کہ جو حدیث مسلسل ہو وہ صحت کی سب شروط کی بھی جامع ہو) چناں چہ حدیث مسلسل تسلسل میں کسی خرابی یا ضعف (کے پائے جانے) سے کم ہی محفوظ ہوتی ہے (کہ اس میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی خلل پایا جاتا ہے جس سے اس کی صحت کا معیار گر جاتا ہے) اگرچہ خود اصل حدیث جو تسلسل کے طریق کے علاوہ کسی دوسرے طریق سے مروی ہو، صحیح ہی کیوں نہ ہو۔

۸۔احادیث مسلسلہ پر مشہور تصانیف:

الف:......''اَلْمُسَلْسَلَاتُ الْكُبْرٰى'' یہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ متوفی ۹۱۱ھ کی تصنیف لطیف ہے جو ۸۵ا احادیث پر مشتمل ہے۔

ب:......''المناهل السلسلة فی الآحادیث الْمُسَلْسَلَةِ'' اس کے مولف محمد عبدالباقی ایوبی رحمہ اللہ متوفی ۱۳٦۴ھ ہیں۔ یہ کتاب ۲۱۲ احادیثِ مسلسلہ پر مشتمل ہے۔

۴...... بڑوں کی چھوٹوں سے روایت

المعروف بروایۃ الاکابر عن الاصاغر

ا۔ ”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“ کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ ”اکابر“ یہ ”اکبر“ کی اور ”اصاغر“ یہ ”اصغر“ کی جمع ہے اور اس کا (لغوی) معنی ہے، ”بڑوں کا چھوٹوں سے روایت کرنا۔“

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں ”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“ سے مراد) کسی شخص کا اپنے سے عمر اور طبقہ یا علم اور حفظ میں کم تر سے حدیث روایت کرنا۔

۲۔ تعریف کی شرح:

یعنی (مذکورہ تعریف کے دو پہلو ہیں ایک عمر اور طبقہ میں چھوٹے لوگوں سے روایت کرنا اور دوسرے علم اور حفظ میں کم درجہ کے لوگوں سے روایت کرنا۔ پہلی صورت کی وضاحت یوں ہے کہ) راوی ایک ایسے شخص سے حدیث روایت کرے جو اس سے عمر میں چھوٹا اور طبقہ میں ادنیٰ (یعنی درجہ میں نیچے) ہو۔ (اب عمر میں چھوٹا ہونا تو واضح ہے) جب کہ طبقہ میں (چھوٹا اور) نیچے ہونا (ایک مثال سمجھا جاسکتا ہے) جیسے حضرات صحابہ کا (جو ”اعلیٰ طبقہ“ ہے) تابعین سے (جو چھوٹا اور نچلا طبقہ ہے) روایت کرنا۔

یا (”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“ کی دوسری صورت یہ ہے کہ) راوی اس شخص سے حدیث روایت کرے جو علم اور حفظ (وضبط) میں اس سے کم درجہ کا ہو۔ ❶ جیسے کسی عالم اور حافظِ (حدیث) کا (اپنے سے علم اور حفظِ حدیث میں کم درجے کے) شیخ (اور استاد) سے حدیث روایت کرنا چاہے وہ شیخ (اور استاد) عمر میں راوی سے بڑا ہی کیوں نہ ہو۔

اس مقام پر یہ پہلو مدِ نظر رکھنا نہایت ضروری ہے کہ (صرف) عمر میں بڑا ہونا یا طبقہ میں مقدم ہونا یعنی جس شخص سے حدیث روایت کر رہا ہے اس کے ساتھ علمی برابری کے بغیر (عمر میں بڑا ہونا یا طبقہ میں مقدم ہونا) ”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“ کہلائے جانے کے لیے کافی نہیں۔ درج ذیل مثالوں سے اس کی وضاحت ہو جاتی ہے (جن سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ روایۃ الاکابر عن الاصاغر کی اصولی پر تین قسمیں اور صورتیں ہیں)

۳۔ ”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“ کی اقسام اور ان کی مثالیں:

ہم ”روایۃ الاکابر عن الاصاغر“ کو تین قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں، جو یہ ہیں:

❶ یاد رہے کہ طبقہ اور مرتبہ و درجہ میں فرق ہے کہ طبقہ کا تعلق عمر اور زمانے سے ہوتا ہے جب کہ مرتبہ اور درجہ کا تعلق ذاتی اوصاف و کمالات سے ہوتا ہے۔ جیسے طبقہء صحابہ اوصاف و کمالاتِ روحانیہ وعلمیہ و دینیہ میں طبقہء تابعین سے فائق ہے (علوم الحدیث، ص: ۲۹۵ بتصرف وزیادۃ) نسیم

الف:......پہلی قسم یہ ہے کہ راوی مروی عنہ سے صرف عمر میں بڑا اور طبقہ میں مقدم ہو ❶ (مگر حفظ اور علم میں دونوں مساوی ہوں)۔

ب:......دوسری قسم یہ ہے کہ راوی مروی عنہ سے صرف مرتبہ میں بڑا ہو نا کہ عمر میں بھی۔ جیسے ایک حافظ (حدیث) اور عالم راوی کسی غیر حافظ مگر بڑی عمر کے شیخ سے روایت کرے۔ مثلاً امام مالک رحمہ اللہ کا عبداللہ بن دینار سے روایت کرنا۔ ❷

ج:......اور تیسری (صورت اور) قسم یہ ہے کہ راوی عمر اور مرتبہ دونوں میں مروی عنہ سے بڑا ہو کہ وہ مروی عنہ سے عمر میں بھی بڑا ہو اور اس سے زیادہ علم والا بھی ہو (جیسے) مثلاً برقانی کی خطیب سے روایت۔ ❸

۴۔روایۃ الاکابر عن الاصاغر کی چند مزید مثالیں:

الف:......صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تابعین سے روایت کرنا: جیسے حضراتِ عبادلہ رضی اللہ عنہم (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرتِ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ) وغیرہم کا (تابعین سے جیسے) کعب احبار سے روایت کرنا۔ ❹

ب:......تابعین کا تبع تابعین سے روایت کرنا:......جیسے یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ (تابعی) کا امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنا (کہ امام مالک رحمہ اللہ تبع تابعی تھے)۔

۵۔روایۃ الاکابر عن الاصاغر کے فوائد:

(حضرات محدثین نے اس کے متعدد فوائد گنوائے ہیں جن میں سے چند ایک کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے)

الف:......اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ (ہمیشہ) مروی عنہ (یعنی استاد اور شیخ) راوی (یعنی شاگرد) سے افضل اور عمر میں بڑا ہی ہوگا ❺ کیوں کہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔

ب:......دوسرا فائدہ یہ ہے کہ یہ نہ گمان کر لیا جائے کہ اس سند میں ''قلب'' ہے کہ عام طور پر اصاغر ہی اکابر سے

❶ نا کہ مرتبۂ علمی اور حفظ حدیث میں بھی بڑا ہو۔نسیم

❷ کیوں کہ امام مالک رحمہ اللہ امام اور حافظ تھے جب کہ عبداللہ بن دینار صرف (ان کے) شیخ اور راوی حدیث تھے۔ اگرچہ وہ عمر میں امام مالک رحمہ اللہ سے بڑے تھے۔ (طحان)

❸ کیوں کہ برقانی خطیب سے عمر میں بھی بڑے تھے اور علمی رتبہ میں بھی ان سے بڑے تھے۔ کیوں کہ برقانی خطیب کے شیخ اور معلّم بھی تھے اور ان سے علم میں بھی فائق تھے۔ (طحان)

❹ اسی ضمن میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تابعین سے وہ روایات بھی آتی ہیں جو ان تابعین نے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے حاصل کی تھیں۔ جیسے بخاری شریف کی حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کی وہ روایت جو وہ مروان بن حکم تابعی سے روایت کرتے ہیں جب کہ مروان وہ روایت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۹۵) نسیم

❺ اس میں ان اساتذہ اور شیوخ کے لیے مقامِ غور ہے جو اپنے تلامذہ کی لیاقت و استعداد اور علمی ہونہاری کو انا کا مسئلہ سمجھتے ہوئے ان شاگردوں سے پرخاش رکھتے ہیں اور ان سے علمی استفادہ کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں کہ ''علم مومن کی گم گشتہ متاع ہے، وہ جہاں سے ملے اسے لے لینا علمی دیانت اور علمی مقام و منصب کے شایاں ہے''۔نسیم

روایت کرتے ہیں (لیکن اکابر کا اصاغر سے روایت کرنا بھی خارج از امکان نہیں کہ سند میں اسے دیکھتے ہوئے اس کو "مقلوب" باور کرلیا جائے)۔

۶۔ مشہور تصانیف:

اس باب میں حافظ ابو یعقوب اسحاق بن ابراھیم وراق رحمہ اللہ متوفی ۴۰۳ھ کی کتاب "ما رواہ الکبار عن الصغار والآباء عن الابناء" بہت مشہور ہے۔

۴......"روایت الآباء عن الابناء"
یعنی باپوں کا بیٹوں سے روایت کرنا

ا۔ "روایۃ الآباء عن الابناء" کی تعریف:

یہ کسی حدیث کی سند میں اس بات کا پایا جانا ہے کہ باپ اپنے بیٹے سے روایت کر رہا ہو۔ [1]

۲۔ "روایۃ الآباء عن الابناء" کی مثال:

(اس کی مثال) وہ حدیث ہے جو حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اپنے برخوردار "فضل" سے روایت کرتے ہیں کہ "جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ مزدلفہ پر "جمع بین الصلوتین" کیا۔ [2]

۳۔ فوائد:

(حضرات محدثین نے اس کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں۔ جن میں سے ایک اہم فائدہ یہ ہے) کہ یہ گمان نہ کرلیا جائے کہ (مذکورہ حدیث کی) سند میں "قلب" یا خطا ہے کیوں کہ اصل (اور اغلب اور عام) تو یہ ہے کہ بیٹا باپ سے روایت کرے۔

غرض روایت کی یہ قسم اور گزشتہ مذکورہ قسم علماء کی (شانِ) تواضع پر دلالت کرتی ہیں کہ ان لوگوں نے ہر ایک سے (کسی عار اور خار کے بغیر) علم حاصل کیا خواہ وہ کوئی بھی تھا چاہے وہ عمر اور مقام و مرتبہ میں ان سے کم بھی تھا۔

۴۔ مشہور تصانیف:

اس موضوع پر خطیب بغدادی کی کتاب "روایۃ الآباء عن الابناء" زبانِ زد خاص و عام ہے۔

---

[1] دراصل یہ "روایۃ الاکابر عن الاصاغر" کی ہی ایک شق ہے۔ باپ کا بیٹے سے عمر میں بڑا ہونا تو بدیہی ہے مگر اس کا بیٹے سے علمی مقام و مرتبہ اور طبقہ میں بھی افضل ہونا لازمی نہیں۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۹۷ ملخصاً) نیم

[2] اس حدیث کو خطیب نے روایت کیا ہے جیسا کہ سخاوی نے بھی بیان کیا ہے۔ (ص ۴۱۰) جب کہ اصل حدیث صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں موجود ہے۔ (طحان)

۵......روایۃ الابناء عن الآباء
یعنی بیٹوں کا باپوں سے روایت کرنا

ا۔ روایۃ الابناء عن الآباء کی تعریف:

یہ کسی حدیث کی سند میں اس بات کا پایا جانا ہے کہ بیٹا صرف اپنے باپ سے یا اپنے باپ کے واسطے سے اپنے دادا سے (یا اس سے بھی اوپر کے دادا سے) حدیث روایت کر رہا ہو۔

۲۔ "روایۃ الابناء عن الآباء" کی سب سے اہم نوع:

اس کی سب سے اہم قسم وہ ہے جس میں باپ یا دادا کا نام مذکور نہ ہو کیوں کہ اس میں باپ یا دادا کے نام کی معرفت کے لیے تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہوتی ہے۔ ❶

۳۔ انواع:

اس کی دو اقسام ہیں:

الف:......راوی صرف اپنے باپ سے روایت کرے اور بس۔ (یعنی دادا سے روایت نہ کرے) اور یہی قسم اکثر ہے۔

اس کی مثال جیسے ابو العشراء کا اپنے باپ سے روایت کرنا۔ ❷

ب:......راوی اپنے باپ کے واسطہ سے دادا سے یا باپ کے واسطہ سے دادا اور اوپر کے دادا سے روایت کرے۔ ❸

اس کی مثال عمرو بن شعیب کا اپنے باپ کے واسطہ سے دادا سے روایت کرنا ہے۔ ❹

۴۔ فوائد:

(محدثین نے "روایۃ الابنـاء عن الآباء" کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں۔ جن میں سے چند کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے):

الف:......(اس علم کا پہلا فائدہ یہ ہے کہ) جب (سند حدیث میں) راوی کے باپ یا دادا کے نام کی صراحت نہ

❶ نیز ایسی صورت میں اس امر کے تعیین کی ضرورت بھی پیش آتی ہے کہ "دادا" سے مراد راوی کا دادا ہے یا راوی کے باپ کا دادا۔ غرض ان امور کا جاننا اس علم یعنی "روایۃ الابناء عن الآباء" کا فائدہ ہے۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۹۹ بزیادۃ) نعیم

❷ ابو العشراء اور اس کے باپ کے نام کی تعیین میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے مشہور قول "اسامہ بن مالک" کا ہے۔ (طحان)

❸ اس باب میں زائد سے زائد مسلسل چودہ پشتوں تک کی روایت منقول ہے۔ (علوم الحدیث بتصرف ص۲۹۹) نعیم

❹ مذکورہ عمرو کا نسب محدثین نے یوں بیان کیا ہے، "عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص"۔ چناں چہ عمرو کے دادا محمد ہیں (جو حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے صاحب زادے ہیں) لیکن علماء تحقیق اور چھان بین کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ "جــدّہ" میں ضمیر کا مرجع (عمرو نہیں بلکہ) شعیب ہے۔ اب مطلب یہ بنا کہ عمرو اپنے والد کے واسطے سے ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا کرتے تھے جو مشہور صحابیٔ رسول ہیں۔ (طحان)

ہو تو اس کی معرفت حاصل کرنے کے لیے بحث و تحقیق کی جائے۔

ب:...... (اور دوسرا افائدہ اس علم کا یہ ہے کہ) دادا سے کون مراد ہے بیٹے کا دادا یا باپ کا دادا (اس کو تحقیق کے بعد بیان کیا جاتا ہے)

۵۔ مشہور تصانیف:

الف:...... "روایة الابناء عن آبائِهم" اس کے مولف "ابو نصر عبید الله بن سعید وائلی" ہیں۔

ب:...... "جزؤ مُن روی عن ابیه عن جدّه" یہ ابن ابی خیثمہ متوفی ۲۷۹ھ کی تالیف ہے۔

ج:...... "اَلْـوَشْـیُ الـمُـعْـلِـمُ" فیمن روی عن ابیه، عن جده، عن النبیّ صلی الله علیه وسلم۔" یہ حافظ صلاح الدین علائی متوفی ۷۶۱ھ کا علمی شاہکار ہے۔

۶...... مُدَبَّج اور روایت اَقران

ا۔ مُدَبَّج اور روایت اَقران:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ "اَقران" یہ "قرین" کی جمع ہے جس کا معنی "مُصاحب" اور ساتھی ہے جیسا کہ صاحبِ قاموس نے بیان کیا ہے۔ ❶

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں "اَقران" سے مراد) عمر اور اسناد میں ایک دوسرے کے قریب رواۃ کا ایک دوسرے سے حدیث روایت کرنا ہے۔ ❷

۲۔ روایت اقران کی تعریف:

(اقران کی مذکورہ بالا لغوی اور اصطلاحی تعریف کی روشنی میں، روایتِ اَقران سے مراد) "یہ ایک قرین (یعنی ہم عمر محدث) کا دوسرے قرین (یعنی ہم عمر محدث) سے روایت کرنا ہے۔" ❸

(اس کی) مثال (جیسے): سلیمان تیمی کا مسعر بن کدام سے روایت کرنا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے قرین ہیں۔ لیکن مسعر نے بھی تیمی سے روایت کی ہے (یا نہیں) اس بابت ہم کچھ نہیں جانتے۔

۳۔ مُدَبَّج کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ "مُـدَبَّج" یہ "التـدبیج" سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے، جس کا معنی تزیین (یعنی بنانا سنوارنا) ہے۔ اور یہ مصدر "دیبـاجتـی الوجـه" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے چہرے کے رخسار، (یعنی لفظ مُدَبَّج

❶ القاموس المحیط لفیروز آبادی۔ ج ٤ ص ٢٦٠ (طحّان)

❷ علوم الحدیث لا بن الصلاح۔ ص ٣٠٩ اور "تـقـارب فی الاسناد" سے مراد یہ ہے کہ رواۃ نے ایک ہی طبقہ کے شیوخ سے احادیث کو لیا ہو۔ (جب کہ تقارب فی السن یعنی "ہم عمر ہونا" کا معنی بدیہی ہے) (طحّان)

❸ علوم الحدیث لا بن الصلاح ص ٣١٠ (طحّان)

"دیباچہ" یعنی رخسار سے مشتق ہے کہ جیسے چہرے کے دو رخسار ہوتے ہیں ایسے ہی اس حدیث کو بھی دونوں قرین ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں) اب گویا کہ اس حدیث کا مُدَبَّج نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں راوی اور مروی عنہ دونوں (ایک دوسرے سے روایت کرنے میں) مساوی ہوتے ہیں جیسے (چہرے کے) دونوں رخسار مساوی اور برابر ہوتے ہیں۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں حدیث مُدَبَّج) یہ دو قرین میں سے ہر ایک کا دوسرے سے حدیث کو روایت کرنا ہے۔ ❶

۴۔ حدیث مُدَبَّج کی مثالیں:

(محدثین نے اس کی تین اقسام بیان کی ہیں جو طبقات کے اعتبار سے ہیں اس لیے اس کی مثالیں بھی تین قسم کی ہوں گی، جو یہ ہیں):

الف: ......(پہلی قسم) حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں حدیث مُدَبَّج: مثال: حضرتِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنا۔

ب: ......(دوسری قسم) حضرات تابعین میں حدیث مُدَبَّج: مثال: امام زہری رحمہ اللہ کی حضرت عمر بن عبدالعزیز سے، اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی امام زہری رحمہ اللہ سے روایت۔

ج:......(تیسری قسم) حضرات تبع تابعین میں حدیث مُدَبَّج: مثال: امام مالک رحمہ اللہ کا امام اوزاعی رحمہ اللہ سے اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا امام مالک رحمہ اللہ سے حدیث روایت کرنا۔

۵۔ حدیث مُدَبَّج کے فوائد:

(محدثین حضرات نے اس کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں):

الف:......اسناد میں زیادتی اور اضافہ کا وہم نہ کیا جائے۔ ❷

ب:......اور یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہاں "عن" کو "واو" سے بدل دیا گیا ہے۔ ❸ (یعنی واو کی جگہ اسناد میں عن لکھ دیا ہے)۔

❶ علوم الحدیث لابن الصلاح ص۳۰۹ (طحّان)
اور بظاہر حدیث مُدَبَّج روایتِ اَقران کی ایک صورت ہے (علوم الحدیث، ص: ۳۰۱) نسیم

❷ کیوں کہ اصل یہ ہے کہ شاگرد اپنے شیخ سے روایت کرے (نا کہ دو قرین اور مصاحب ایک دوسرے سے روایت کریں) لہٰذا جب ایک راوی اپنے قرین سے روایت کرے گا تو ممکن ہے کہ جسے اس نوع پر عبور حاصل نہ ہو، یہ گمان کر بیٹھے کہ مروی عنہ کا راوی کا قرین ہونا کاتب کا اضافہ ہے۔ (کہ یہاں راوی کا قرین نہیں بلکہ اس کا شیخ مذکور ہونا چاہیے تھا مگر کاتب نے غلطی سے یہ اضافہ کر دیا)۔ (طحان)

❸ یعنی اس اسناد کو پڑھنے یا سننے والا یہ گمان نہ کر بیٹھے کہ اصل روایت تو "حدثنا فلان و فلان" تھی (کہ یہ تو دونوں قرین ہیں بھلا یہ ایک دوسرے سے کیسے روایت کر سکتے ہیں) مگر قاری یا سامع سے خطا کا ارتکاب ہوا اور اس نے اس اسناد کو "حدثنا فلان عن فلان" پڑھ دیا (حالاں کہ اصل بات یہی تھی کہ یہاں ایک قرین نے دوسرے قرین سے روایت کیا تھا۔ لہٰذا اس جگہ "عــن" پڑھ کر یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہاں راوی نے لکھنا تو واو تھا مگر غلطی سے عن لکھ دیا) (طحان)
غرض اس فن سے واقفیت ہوگی تو اس قسم کا دھوکا نہ ہوگا (علوم الحدیث، ص: ۳۰۲) نسیم

۶۔ مشہور تصانیف:

الف:......"اَلْمُدَبَّجُ" یہ دارِقطنی رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ہے۔

ب:......روَايَةُ الْاَقْرَان۔ اس کے مولف ابوالشیخ عبداللہ بن محمد اصبہانی رحمہ اللہ ہیں۔

۷......سابق ولاحق

۱۔ سابق ولاحق کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "سـابـق" "السَّبْـق" مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے "متقدم" (پہلے، آگے رہنے والا اور سبقت لے جانے والا) اور "لاحق" یہ "اللّحَاق" مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے متاخر (بعد میں آنے والا اور پیچھے آنے والا) اور (دونوں سے) مراد پہلے وفات پانے والا اور بعد میں وفات پانے والا راوی ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں سابق ولاحق سے مراد) کسی شیخ سے روایت کرنے میں دو ایسے اشخاص کا مشترک ہونا (ہے) جن دونوں کی وفات میں کافی مدت کا فاصلہ ہو۔ [1]

۲۔ سابق ولاحق کی مثال:

الف:......محمد بن اسحاق سراج [2]: (یہ) امام بخاری رحمہ اللہ اور خفاف (دونوں کے استاد ہیں، اس لیے یہ دونوں حضرات) ان سے روایت کرنے میں مشترک ہیں جب کہ ان دونوں کی وفات میں ایک سو سینتیس سال یا اس سے بھی زیادہ کا عرصہ ہے۔ [3]

ب:......امام مالک رحمہ اللہ: (یہ) زہری اور احمد بن اسماعیل سہمی (دونوں کے شیخ اور استاد ہیں اور یہ دونوں بزرگ) ان سے روایت کرنے میں مشترک ہیں حالاں کہ ان دونوں کی وفات میں ایک سو پینتیس سال کی (طویل) مدت ہے۔ کیوں کہ زہری رحمہ اللہ نے ۱۲۴ھ میں جب کہ سہمی نے ۲۵۹ھ میں وفات پائی تھی۔

اس (دوسری مثال) کی وضاحت یوں ہے کہ زہری امام مالک رحمہ اللہ سے عمر میں بڑے تھے کیوں کہ زہری کا شمار حضرات تابعین میں ہوتا ہے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ تبع تابعین میں سے ہیں۔ چناں چہ زہری رحمہ اللہ کی امام مالک رحمہ اللہ سے روایۃ کو (محدثین کی اصطلاح میں) "روایة الاکابر عن الاصاغر" (کی نوع میں) شمار کیا جاتا ہے جیسا کہ

---

[1] التقریب مع التدریب ۲/ ۲۶۲ (طحّان)

[2] سراج ۲۱۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۱۳ھ میں ۹۷ سال کی عمر پا کر وفات پا گئے تھے۔ (طحّان)

[3] امام بخاری رحمہ اللہ نے ۲۵۶ھ میں وفات پائی جب کہ ابوالحسین احمد بن محمد خفاف نیشاپوری رحمہ اللہ نے ۳۹۳ھ میں وفات پائی۔ ایک قول ۳۹۴ھ اور ایک قول ۳۹۵ھ میں بھی وفات پانے کا ہے (طحّان)

اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ جب کہ ٹھیک اس وقت ہم دیکھتے ہیں کہ سہمی امام مالک رحمہ اللہ سے عمر میں چھوٹے ہیں۔ مزید برآں یہ کہ انھوں نے بڑی لمبی عمر پائی کیوں کہ ان کی عمر تقریباً سو سال کی تھی۔ اس لیے ان دونوں کی وفات میں یعنی زہری (جو امام مالک سے بڑے) اور سہمی (جو امام مالک رحمہ اللہ سے چھوٹے تھے جب کہ امام مالک رحمہ اللہ سے روایت کرنے میں دونوں مشترک ہیں) کی وفات میں کافی بڑا زمانی فرق پیدا ہو جاتا ہے۔

اور اس کی اور زیادہ واضح (اور آسان) تعبیر یوں کی جاسکتی ہے کہ راوی سابق (جیسے ہماری دی گئی مثال میں امام زہری) مذکورہ مروی عنہ (جو امام مالک رحمہ اللہ ہیں) کا شیخ ہوتا ہے جب کہ راوی ء لاحق (جیسے سہمی) مذکورہ مروی عنہ کا شاگرد ہوتا ہے جب کہ اس شاگرد نے لمبی زندگی پائی ہوتی ہے (جیسے سہمی نے جو امام مالک کے شاگرد ہیں اور یہ نسبت امام زہری کے ''راوی ء لاحق'' ہیں، سوسال کی عمر پائی۔ اور ایک صدی ایک قرن ہوتا ہے۔ سبحان اللہ!)

۳۔ سابق ولاحق (کی تحقیق اور تعیین) کے فوائد:

الف: ...... دِلوں میں اسناد کے عالی ہونے کی لذت کا بیٹھ جانا۔

ب: ...... اور راوی ء لاحق کی سند کے منقطع ہونے کا وہم نہ ہونا۔

۴۔ مشہور تصانیف:

اس باب میں خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی ''السابق واللاحق'' مشہور کتاب ہے۔

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ سند اس امت کی خصوصیت کیوں کر ہے؟

۲۔ عالی سند کسے کہتے ہیں؟ نیز اس کی کیا اہمیت ہے؟

۳۔ نازل سند کسے کہتے ہیں؟ اور اس میں کس نقصان کا اندیشہ موجود ہے؟

۴۔ علو مطلق اور علو نسبی میں کیا فرق ہے؟

۵۔ سند کو عالی بنانے کے کون سے طریقے ہیں؟

۶۔ مسلسل روایت کسے کہتے ہیں؟ نیز بتایئے کہ اس کے لیے تگ و دو کرنے سے عملی طور پر کیا فائدہ ہوتا ہے؟

۷۔ روایة الأکابر عن الأصاغر کی جانچ پڑتال سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟

۸۔ عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده کی وضاحت کیجیے۔

۹۔ مدبج کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ نیز اس کی وجہ تسمیہ بھی تحریر کیجیے۔

۱۰۔ روایة الاقران اور مدبج کی جستجو سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

۱۱۔ السابق واللاحق سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ حضرت ابوایوب اور جابر رضی اللہ عنہما نے سند کو عالی کرنے کی غرض سے سفر کیا۔

۲۔ اگر مصنف کی سند کے علاوہ کم واسطوں سے کسی اور سند کے ساتھ اس کے شیخ تک پہنچا جائے تو یہ بدل کہلاتا ہے۔

۳۔ مصافحہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ عموماً دو ملنے والا آپس میں مصافحہ کرتے ہیں۔

۴۔ ثلاثیات ان روایات کو کہا جاتا ہے کہ جس میں نبی ﷺ تک تین واسطے ہوں۔

۵۔ تسلسل شروع سے آخر سند تک ہونا ضروری ہے۔

۶۔ "المناهل السلسلة فی الآحادیث المُسَلْسَلَةِ" میں ۲۱۲ مسلسل احادیث مروی ہیں۔

۷۔ روایۃ الأکابر عن الأصاغر کا محض ایک ہی مفہوم ہے وہ یہ کہ عمر میں بڑا اپنے سے چھوٹی عمر کے شخص سے روایت کرے۔

۸۔ برقانی کی خطیب سے روایت روایۃ الاصاغر عن الاکابر کی مثال ہے۔

۹۔ امام مالک رحمہ اللہ تابعی ہیں۔

۱۰۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بیٹے کا نام فضل تھا۔

۱۱۔ قرین کا لغوی معنی ساتھی کا ہے۔

۱۲۔ امام مالک اور امام اوزاعی ہم عصر اور ایک دوسرے کے ساتھی ہیں۔

عملی کام:......پریس کی ترقی نے موجودہ دور میں سند کی اہمیت میں کتنا فرق ڈالا ہے؟ اس بارے میں اپنے سبھی اساتذہ کی رائے لیجیے۔

عملی کام:......صحیح بخاری سے ثلاثیات کی کوئی سی تین مثالیں تلاش کیجیے۔

عملی کام:......کیا آپ صحابی کی تابعین سے روایت کی کوئی مثال کتب حدیث سے ڈھونڈ سکتے ہیں؟

عملی کام :......لائبریری کا رخ کیجیے اور امام بخاری رحمہ اللہ اور خفاف کی محمد بن اسحاق السراج سے مروی روایات ڈھونڈیے۔

فصل دوم

معرفت رواۃ کا بیان

یہ فصل "علوم الحدیث کی اکیس (۲۱) انواع پر مشتمل ہے، جو یہ ہیں:

۱۔ معرفتِ صحابہ ۲۔ معرفتِ تابعین

۳۔ معرفتِ برادران وخواہران (یعنی بھائی بہنوں کی معرفت)

۴۔ معرفتِ مُتَّفِق و مُتفتَرِق ۵۔ معرفتِ مؤتلِف ومختلِف

۶۔ معرفتِ متشابہ ۷۔ معرفتِ مُہمَل

۸۔ معرفتِ مُبْہمات ۹۔ معرفتِ وُحدان

۱۰۔ مختلف ناموں یا صفات کے ساتھ ذکر کیے جانے والوں کی معرفت

۱۱۔ مفرد ناموں، کنیتوں اور القاب کی معرفت

۱۲۔ کنیت سے شہرت پانے والوں کے ناموں کی معرفت

۱۳۔ معرفت القاب

۱۴۔ باپ کے علاوہ (یعنی دادا وغیرہ) کی طرف منسوب ہونے والوں کی معرفت

۱۵۔ خلافِ ظاہر نسبتوں کی معرفت

۱۶۔ تواریخِ رواۃ کی معرفت

۱۷۔ اختلاط کا شکار ہونے والے ثقہ رواۃ کی معرفت

۱۸۔ علماء اور رواۃ کے طبقات کی معرفت

۱۹۔ موالی علماء اور رواۃ کی معرفت

۲۰۔ ثقہ اور ضعیف رواۃ کی معرفت

۲۱۔ رواۃ کے اوطان اور بلاد وامصار کی معرفت [1]

---

[1] علوم الحدیث کی یہ اکیس انواع روایانِ حدیث کی زندگیوں پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں اور ان کے مجموعہ کو "علم اسماء الرجال" کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے راویانِ حدیث کی مکمل زندگی سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔
علامہ اسعدی نے اس مقام پر ایک پُر مغز مقالہ لکھا ہے جس کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔ شائقینِ علم وہاں دیکھ لیں۔ دیکھیں "علوم الحدیث ص ۲۲۵۔۲۲۷" نسیم

۱......معرفتِ صحابہ

۱۔ صحابی کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لغت کے اعتبار سے لفظ "الصحابۃ" مصدر ہے جو "صُحْبَۃٌ" کے معنی میں ہے۔اسی سے لفظ "صحابی" اور "صاحب" ہے جن کی جمع "اصحاب" اور "صَحْبٌ" آتی ہے اور لفظ "صحابہ" اکثر "اصحاب" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (علماء، فقہاء، محدثین اور اصولیین کی اصطلاح میں) صحابی وہ شخص ہے جس نے بحالتِ اسلام جنابِ رسول اللہ ﷺ کی (زیارت و) ملاقات کی ہو اور اسلام پر ہی جان جان آفریں کے سپرد کر دی ہو اگرچہ اس دوران وہ اسلام سے پھر بھی گیا ہو (مگر بعد میں تائب ہو کر تازیست مسلمان رہا ہو) کہ (صحابی کی تعریف میں) یہی زیادہ صحیح قول ہے۔ ❶

۲۔ معرفتِ صحابہ کی (ضرورت و) اہمیت اور فائدہ:

معرفتِ صحابہ بڑا عظیم الشان، بلند مرتبہ، اور عظیم و بے بہا فوائد پر مشتمل علم ہے۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ حدیثِ مُتَّصِل اور حدیثِ مُرسَل میں امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔

۳۔ کسی صحابی کی صحابیت کی کیوں کر معرفت حاصل ہوتی ہے؟:

(کسی صحابی کی) صحابیت کو درجِ ذیل پانچ امور میں سے کسی ایک کے ذریعے جانا جا سکتا ہے، جو یہ ہیں:

الف:......تواتر: ❷ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرتِ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم (کہ ان سب حضرات کا صحابی ہونا امت کے تواتر سے ثابت ہے)

---

❶ نخبۃ الفکر ص ۵۷ (طحّان)
مذکورہ بالا تعریف سے ہمیں یہ فوائد حاصل ہوئے۔
اگر کسی نے اسلام لانے سے پہلے رخِ انور ﷺ کی زیارت کی ہو تو وہ صحابی شمار نہ ہوگا۔
زیارتِ تو بحالت اسلام کی مگر انجام کفر پر ہوا تو بھی صحابی نہ کہلائے گا۔
بحالت اسلام شرفِ زیارت نصیب پانے والا اگر بعد میں کافر ہو گیا مگر پھر توبہ کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تو اصح قول یہی ہے کہ وہ صحابی کہلانے کی سعادت سے محروم نہ ٹھہرایا جائے گا۔
چہرہ انور کی زیارت کا قصد تھا یا نہ تھا، یا ارادہ کسی اور کے دیکھنے کا تھا مگر نگاہِ جمالِ جہاں آرا ﷺ پر جا پڑی یا خود جناب رسالت مآب ختمی المرتبت ﷺ کی نظرِ التفات ان پر جا پڑی اور وہ ایمان لے آئے تو ہر حال میں صحابی کہلائیں گے (علوم الحدیث بتصرفٍ وزیادۃٍ کثیرۃ ص ۲۲۸) نسیم

❷ یعنی عہدِ رسالت مآب ﷺ سے لے کر آج تک امت کے ہر عہد اور طبقے میں ایک بڑی معتمد جماعت کا کسی کے متعلق یہ بیان ہو کہ وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے صحابی تھے (علوم الحدیث، ص: ۲۳۹) نسیم

ب:......شہرت: ❶ جیسے حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا (امت میں حدِ شہرت کو پہنچا ہوا ہے)۔

ج:......کسی دوسرے صحابی کا (ان کے صحابی ہونے کے بارے میں) خبر دینا:

د:......کسی ثقہ تابعی کا (کسی کے صحابی ہونے کی) خبر دینا:

ھ:......کسی کا خود اپنے صحابی ہونے کی خبر دینا: (مگر یہ اس وقت ہے) جب خبر دینے والا ثقہ (بھی) ہو اور اس کا یہ دعویٰ (عادۃً) ممکن بھی ہو۔ ❷

۴۔ سب کے سب صحابہ عادل ہیں:

معتمد اور معتبر علماء امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سب کے سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم عادل ہیں چاہے ان کو فتنوں سے واسطہ پڑا ہو (یعنی دورِ فتن وفساد تک زندہ رہے ہوں) یا واسطہ نہ پڑا ہو (اور اس سے پہلے ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے ہوں۔ خواہ انھوں نے بارگاہِ رسالت میں چند گھڑیاں گزاری ہوں یا انھیں طویل صحبت نصیب ہوئی ہو بہر حال ایسے سب حضرات عادل ہیں) اور ان کے عادل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے روایت کرنے میں قصداً جھوٹ بولنے اور ان میں سے کسی قسم کے انحراف کرنے میں ایسی ہر بات کے ارتکاب سے اجتناب اور گریز کیا جس سے ان کی روایات غیر مقبول ٹھہریں اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سب کی سب روایات مقبول ہیں اور (ان روایات کے مقبول ٹھہرانے کے لیے) ہمیں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت کی تحقیق کرنے کی بھی ضرورت نہیں رہی۔

رہ گئے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنھیں فتنوں سے واسطہ پڑا، تو ان میں سے ہر ایک صحابی کے معاملہ کو اس اجتہاد پر محمول کیا جائے گا جس میں مجتہد کو رب تعالیٰ اجر سے نوازتے ہیں۔ اور ایسا حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسنِ ظن رکھنے کے لیے ہے کیوں کہ یہی حضرات حاملینِ شریعت اور ''خیر القرون'' والے ہیں۔

۵۔ زیادہ احادیث بیان کرنے والے صحابہ رضی اللہ عنہم:

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے چھ اصحاب ایسے ہیں جن کا شمار کثرت کے ساتھ احادیث بیان کرنے والوں (مکثرین) میں ہوتا ہے۔ ذیل میں (کثرتِ روایت کے اعتبار سے) علی الترتیب ان حضرات کے نام دیئے جاتے ہیں:

❶ یعنی تواتر کی حد تک پہنچے بغیر کسی کے حق میں ''صحابی'' ہونا مشہور ہونا۔ (علوم الحدیث، ص: ۲۳۹) نسیم

❷ اور اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے وفات پا جانے کے بعد سو سال سے کم عرصہ میں صحابیت کا دعویٰ کرے۔ اور جو قرونِ متاخرہ میں صحابی ہونے کا دعویٰ کرے اس کا یہ دعویٰ مردود ہوگا جیسے ''رتن ھندی'' جس نے چھٹی صدی ہجری کے بعد اپنے صحابی ہونے کا دعویٰ کر ڈالا تھا۔ بے شک وہ ''دجال'' تھا جیسا کہ علامہ ذہبی نے ''میزان الاعتدال ۲/ ٤٥'' اس کی تصریح کی ہے۔ (طحان)
ایسے نام نہاد جھوٹے مدعیانِ صحابیت دجالوں کے دلچسپ احوال کے لیے دیکھیں مولانا ابو القاسم رفیق دلاوری رحمہ اللہ کی مشہور ومقبول کتاب ''ائمہ تلبیس''۔ نسیم

۱۔ حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ: آپ نے ۵۳۷۴ احادیث روایت کی ہیں اور تین سو سے زائد لوگوں نے آپ سے روایت کی ہے۔

۲۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ: آپ نے ۲۶۳۰ احادیث روایت کی ہیں۔

۳۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ: آپ نے ۲۲۸۲ احادیث روایت کی ہیں۔

۴۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا: آپ نے ۲۲۱۰ احادیث بیان کی ہیں۔

۵۔ حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ: آپ نے ۱۶۶۰ احادیث روایت کی ہیں۔

۶۔ حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ: آپ نے ۱۵۴۰ احادیث روایت کی ہیں۔

۶۔ کثیر الفتاویٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم:

ان میں سرِ فہرست حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں جن سے اکثر فتاویٰ منقول ہیں، ان کے بعد کبار علماء صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام آتا ہے (جنھوں نے بہت زیادہ فتاویٰ دیئے) اور بقولِ مسروق ان کی تعداد چھ ہے۔ مسروق کہتے ہیں، "سب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا علم ان چھ پر جا کر ختم (یعنی جمع) ہو جاتا ہے، "حضرتِ عمر، حضرت علی، حضرتِ ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابو درداء اور حضرتِ ابن مسعود رضی اللہ عنہم"، پھر ان چھ کا علم دو پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور یہ دو عظیم المرتبت صحابی حضرتِ علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔"

۷۔ "عَبَادِلَہ" کون ہیں؟:

درحقیقت "عبادلہ" سے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا نام "عبداللہ" ہے، اور اس نام کے صحابہ کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ مگر یہاں ان میں سے صرف چار مراد ہیں جن میں سے ہر ایک کا نام عبداللہ ہے اور وہ چار یہ ہیں:

الف:......حضرتِ عبداللہ بن عمر

ب:......حضرت عبداللہ بن عباس

ج:......حضرتِ عبداللہ بن زبیر

د:......اور حضرتِ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم

(عبداللہ نامی یہ سب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں) ان چاروں کو یہ امتیازی مقام اس لیے حاصل ہے کہ یہ ان علماءِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنھوں نے لمبی عمر پائی۔ یہاں تک لوگ ان کے علم کے محتاج ہو گئے (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کے سب علوم کے حصول کے لیے ایک دنیا نے ان کے دروازے پر دستک دی اور ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کیا) چناں چہ انھیں یہ امتیاز اور شہرت حاصل ہے۔ پس جب یہ چاروں احباب کسی ایک فتویٰ پر اجماع کر لیتے ہیں تو (اس مسئلہ اور فتویٰ کے بارے میں) کہا جاتا ہے، "یہ عبادلہ کا قول ہے۔"

۸۔حضراتِ صحابہ کی تعداد:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی (حتمی اور قطعی) تعداد کا کوئی دقیق اعداد و شمار نہیں، البتہ علماء کے اس بابت متعدد اقوال ہیں جن (کے مجموعہ) سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں سے سب سے مشہور قول ابوزرعہ رازی کا ہے کہ، ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے ایک لاکھ چودہ ہزار ایسے صحابہ چھوڑ گئے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بیان بھی کیا اور جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کو سنا بھی۔'' [1]

۹۔طبقات (ومراتب) کی تعداد:

صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کے طبقات کی تعداد میں (علماء و محققین کا) اختلاف ہے۔ چناں چہ بعض نے اسلام یا ہجرت یا اہم غزوات میں سبقت کے اعتبار سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے طبقات بنائے ہیں، جب کہ بعض نے دوسرے اعتبارات سے طبقاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تقسیم بیان کی ہے۔ بہرحال ہر ایک نے طبقات کی ان اقسام (اور ان کی تعداد) کو اپنے اپنے اجتہاد سے بیان کیا ہے۔ (چناں چہ)

الف:......ابن سعد نے صحابۂ کرام کے پانچ طبقات بیان کیے ہیں۔

ب:...... جب کہ حاکم نے بارہ طبقات بیان کیے ہیں۔

۱۰۔افاضل صحابہ:

اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے علی الاطلاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں اور ان کے بعد حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور جمہور اہلِ سنت کا یہ قول ہے کہ ان حضرات کے بعد سب سے افضل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر عشرہ مبشرہ، پھر بدری صحابہ پھر اہلِ احد اور پھر بیعتِ رضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے افضل ہیں۔

۱۱۔سب سے پہلے اسلام لانے والے:

الف:......آزاد مردوں میں سے: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ب:......بچوں میں سے: حضرت علی رضی اللہ عنہ

ج:......عورتوں میں سے: ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

د:......آزاد کردہ غلاموں میں سے (یعنی موالی میں سے): حضرتِ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

ھ:......اور غلاموں میں سے: حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سب سے پہلے اسلام لائے۔

۱۲۔سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی:

یہ حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے ۱۰۰ھ میں مکہ مکرمہ میں اس دارِ فانی کو رخصت کیا۔

[1] التقریب مع التدریب ۲/ ۲۲۰ (طحّان)

جب کہ ان سے پہلے سب سے آخر میں جوارِ رحمتِ الٰہی میں جانے والے صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں جنھوں نے ۹۳ھ میں بصرہ میں انتقال فرمایا۔ ❶

۱۳۔ معرفتِ صحابہ پر مشہور تصانیف:

الف:...... "الاصابة فی تمییز الصحابة" مولف ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ

ب:...... "أُسدُ الغابة فی معرفة الصحابة": مولف علی بن محمد جزری المعروف علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ

ج:...... "الاستیعاب فی اسماء الاصحاب": مولف علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ

۲...... معرفتِ تابعین

ا۔ تابعی کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ "تابعین" یہ "تَابِعیٌّ" یا "تَابِعُ" کی جمع ہے جو "تَبِعَهٗ" فعل سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے کسی کے پیچھے چلنا۔

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین اور جملہ علماء کی اصطلاح میں تابعی) یہ وہ شخص ہے جس نے حالت اسلام میں کسی صحابی سے ملاقات کی ہو اور پھر اسلام پر ہی وفات پا گیا ہو۔" ❷

اور ایک قول یہ ہے کہ "تابعی اس کو کہتے ہیں جس نے صحابی (کی صرف زیارت ہی نہ کی ہو بلکہ صحابی) کی صحبت (بھی) اٹھائی ہو۔" ❸

۲۔ معرفتِ تابعین کے فوائد:

(محدثین نے علوم الحدیث کی اس نوع کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں، جن میں ایک اہم فائدہ) حدیث مرسل کا حدیث مُتَّصِل سے امتیاز حاصل کرنا (ہے تاکہ کسی تابعی کی حدیث کو کوئی شخص صحابی کی حدیث نہ سمجھ لے)۔

۳۔ طبقاتِ تابعین:

تابعین کے طبقات کی تعداد میں اختلاف ہے، علماء نے اپنی اپنی رائے (اور اجتہاد) کے مطابق ان کو (مختلف طبقات میں) تقسیم کیا ہے، (چناں چہ):

الف:...... امام مسلم نے ان کے تین

---

❶ اس کے علاوہ مفسرین، مولفین اور عشرہ مبشرہ صحابہ کے تعارف کے لیے دیکھیں "علوم الحدیث ص ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۵" اور کاتبین وحی کے تعارف کے لیے دیکھیں بندہ عاجز مترجم کی تالیف "تسہیم البیان شرح التبیان فی علوم القرآن فصل چہارم از" ص ۱۵۰ تا ۱۸۷" نعیم

❷ النخبة مع شرحها ص ۸۵ (طحّان)

❸ الکفایة ص ۱۲ (طحّان)

ب:......ابن سعد نے چار

ج:......اور حاکم نے ان کے پندرہ طبقات بیان کیے ہیں، جن میں سب سے پہلا طبقہ ان تابعین کا ہے جنھوں نے عشرۂ مبشرہ کو پایا ہے۔

۴۔ مُخضرمین:

لفظ 'مخضرمین' یہ "مُخضرَم" کی جمع ہے۔ اور "مُخَضْرَم" اس شخص کو کہتے ہیں جس نے جاہلیت کا زمانہ بھی پایا اور عہدِ رسالت بھی پایا اور عہدِ رسالت میں ہی اسلام بھی لے آیا ہو، مگر بحالتِ اسلام جنابِ رسول اللہ ﷺ کی زیارت نہ کر سکا ہو۔ مخضرمین کے بارے میں صحیح قول یہی ہے کہ یہ لوگ تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔

مخضرمین کی تعداد تقریباً بیس ہے جیسا کہ امام مسلم نے ان کی یہی تعداد شمار کروائی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ ان کی تعداد بیس سے زیادہ ہے۔ ان میں ابو عثمان نہدی اور اسود بن یزید نخعی زیادہ مشہور ہیں۔

۵۔ فقہائے سبعہ:

"فقہائے سبعۃ" یہ کبار علمائے تابعین میں سے ہیں اور (حسنِ اتفاق سے) سب کے سب مدنی ہیں، جو یہ ہیں:

سعید بن مسیّب	قاسم بن محمد
عروہ بن زبیر	خارجہ بن زید
ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن	عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ

اور سلیمان بسیار [1]

۶۔ افضل ترین تابعی:

افضل ترین تابعی (کون ہیں، ان) کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ مشہور قول یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت سعید بن مسیّب ہیں۔ ابو عبداللہ محمد بن خفیف شیرازی (اس بارے میں علماء کے متعدد اقوال نقل کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ:

الف:......اہل مدینہ کا قول ہے کہ سب سے افضل تابعی سعید بن مسیّب ہیں۔

ب:......علمائے کوفہ کا کہنا ہے کہ "اویس قرنی" ہیں اور

ج:......اہلِ بصرہ کا قول ہے کہ "حسن بصری" سب سے افضل تابعی ہیں۔

[1] ابن مبارک رحمہ اللہ نے ابوسلمہ کی جگہ "سالم بن عبداللہ بن عمر" کو جب کہ ابو زناد نے ان دونوں یعنی ابوسلمہ اور سالم کی جگہ "ابوبکر بن عبدالرحمٰن" کو فقہائے سبعہ میں شمار کیا ہے۔ (طحان)

۷۔ افضل ترین تابعات:

ابوبکر بن ابی داؤد کہتے ہیں کہ ''تابعات میں سے دو خواتین (اپنے علم و فضل اور زہد و عبادت میں) سب سے افضل ہیں، حفصہ بنتِ سیرین اور عمرۃ بنت عبدالرحمٰن اور ان کے بعد ام درداء کا رتبہ ہے۔'' ❶

۸۔ معرفت تابعین پر مشہور تصانیف:

اس باب میں ابومطرف فُطَیس اندلسی کی کتاب "معرفۃ التابعین" معروف ہے۔ ❷

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل خالی جگہیں مناسب الفاظ سے پر کیجیے۔

۱۔ الصحابۃ کلھم ....

۲۔ رتن ہندی نے اپنے بارے میں .... ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔

۳۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے تقریباً .... سے زیادہ اشخاص نے روایات بیان کی ہیں۔

۴۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعداد .... ہے۔

۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعداد .... ہے۔

۵۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی روایات کی تعداد .... ہے۔

۶۔ حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعداد .... ہے۔

۷۔ حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعداد .... ہے۔

۸۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی روایات کی تعداد .... ہے۔

۹۔ عبداللہ نامی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد تقریباً .... ہے۔

۱۰۔ سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی کا نام .... ہے۔ انھوں نے .... ہجری میں وفات پائی۔

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ صحابی کی معرفت کیوں کر حاصل ہوتی ہے؟ اور اس سے کیا فائدہ حاصل ہوسکتا ہے؟

۲۔ عبادلہ سے کون لوگ مراد ہیں؟

۳۔ فقہائے سبعہ کون لوگ ہیں؟

۴۔ تابعین میں سے سب سے زیادہ فضیلت کسے حاصل ہے؟ اختلاف کی وجہ بھی تحریر کیجیے۔

❶ مذکورہ ام درداء، ''ام درداء صُغریٰ'' ہیں جن کا نام ہجیمہ یا جُھیمہ ہے۔ (یہ تابعیہ ہیں) اگرچہ یہ بھی حضرتِ ابودرداء رضی اللہ عنہ کی ہی بیوی ہیں مگر جو ''ام درداء'' صحابیہ ہیں ان کا نام ''خیرہ'' ہے۔ جو ''ام درداء کبریٰ'' کہلاتی ہیں اور وہ حضرت ابودرداء کی پہلی بیوی ہیں۔ (طحّان)

❷ دیکھیں "الرسالۃ المستطرفۃ"، ص: ۱۰۵. (طحّان)

۵۔ صحابہ وتابعین کی معرفت کے لیے لکھی جانے والی کتب مع اسماء مولفین تحریر کیجیے۔

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ اگر کوئی ثقہ شخص اپنے صحابی ہونے کا دعوی خود کرے تو اس کی بات قبول کی جائے گی، خواہ ایسا ممکن نہ بھی ہو۔

۲۔ مکثرین ان صحابہ کو کہا جاتا ہے جن سے نسبتا کم روایات مروی ہیں۔

۳۔ زیادہ فتوی دینے والے صحابہ کی تعداد سات ہے۔

۴۔ عبادلہ میں سے چار صحابہ کے معروف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے لمبی عمر پائی اور اللہ تعالی نے ان کا سینہ اپنے علم کے لیے کھول دیا۔

۵۔ "اسد الغابة" حافظ ابن حجر کی کتاب ہے۔

۶۔ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ صحابی نہیں، کیوں کہ نابینا ہونے کی وجہ سے انہوں نے نبی ﷺ کو نہیں دیکھا تھا۔

۷۔ مخضرمین نہ صحابی ہوتے ہیں اور نہ تابعی۔

۸۔ مخضرمین کی تعداد تقریبا بیس ہے۔

۹۔ ام درداء صغریٰ صحابیہ ہیں۔

۱۰۔ فقہائے سبعہ سب کے سب مکہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

عملی کام :......کیا آپ جانتے ہیں کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ سے بہت کم روایات مروی ہیں۔ لوگ اس کو بنیاد بنا کر اعتراضات کرتے ہیں۔ آپ ان اسباب کی نشان دہی کیجیے کہ جن کی وجہ سے ان حضرات نے کم روایات بیان کیں۔

۳......معرفتِ برادران وخواہران
یعنی بھائی بہنوں کی معرفت

ا۔ تمہید:

(علوم الحدیث کی انواع سے متعلقہ) یہ علم حضرات محدثین کے ان معارف میں سے ہے جن کی طرف انھوں نے (خصوصی) توجہ دی اور اس موضوع پر مستقل کتب تصنیف کیں۔ یہ (علم دراصل) ہر طبقہ کے رواۃ کے بھائی بہنوں کی معرفت (سے متعلق) ہے [1] اور اس موضوع پر الگ سے تحقیق کرنا اور مستقل کتاب لکھنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرات محدثین نے رواۃ کی بابت کس قدر اہتمام سے کام لیا اور ان کے انساب اور بھائی بہنوں تک کے احوال کی معرفت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ جیسا کہ آئندہ انواع (کے بیان) میں آرہا ہے۔

۲۔ برادران وخواہران کی معرفت کے فوائد:

(محدثین نے "علوم الحدیث" کی اس نوع کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں جن میں سے) ایک فائدہ یہ ہے کہ:

جہاں ایک راوی اور دوسرے راوی کے باپ کا نام مشترک ہو مگر وہ آپس میں بھائی نہ ہوں تو انھیں (محض والد کے نام میں مشترک ہونے کی بنا پر) ایک دوسرے کا بھائی نہ گمان کرلیا جائے۔ (اس کی نہایت دلچسپ) مثال "عبداللہ بن دینار" اور "عمرو بن دینار" ہیں۔ اب جس شخص کو (اس علم سے) واقفیت نہیں وہ (محض باپ کے نام سے مشترک ہونے کی وجہ سے) انھیں ایک دوسرے کا بھائی سمجھ لے گا۔ حالاں کہ یہ ایک دوسرے کے بھائی نہیں۔ اگرچہ دونوں کے والد کا نام ایک (یعنی "دینار") ہے۔

۳۔ معرفت برادران وخواہران کی مثالیں:

(رواۃ حدیث میں سے کم از کم دو اور بڑی تعداد تک لوگ آپس میں بھائی بھائی ہو سکتے ہیں۔ آیئے ذیل میں اس کی علی الترتیب مثالیں پڑھتے ہیں):

الف: ......طبقۂ صحابہ میں (کم از کم) دو بھائیوں کی مثال: جیسے حضرتِ عمر اور حضرتِ زید یہ دونوں خطاب کے بیٹے ہیں۔

ب: ......طبقۂ صحابہ میں تین بھائیوں کی مثال: حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت عقیل کہ تینوں ابوطالب کے بیٹے ہیں۔

[1] تاکہ ہر طبقہ کے رواۃ میں جو لوگ آپس میں بھائی بھائی یا بھائی بہن ہیں ان سے واقفیت حاصل ہو۔ (علوم الحدیث، ص: ۳۴۰ بتصرف یسیر) نسیم

ج:......طبقہء تبع تابعین میں چار بھائیوں کی مثال: سہیل، عبداللہ، محمد اور صالح کہ یہ چاروں ''ابو صالح'' کے بیٹے ہیں۔

د:......طبقہء تبع تابعین میں پانچ بھائیوں کی مثال: سفیان، آدم، عمران، محمد اور ابراہیم کہ یہ پانچوں ''عیینہ'' کے بیٹے ہیں۔

ھ:......طبقہء تابعین میں چھ بہن بھائیوں کی مثال: محمد، انس، یحییٰ، معبد، حفصہ اور کریمہ کہ یہ چھ بہن بھائی ''سیرین'' کی اولاد ہیں۔

و:......طبقہء صحابہ میں سات بھائیوں کی مثال: نعمان، مَعقِل، عقیل، سُوید، سِنان، عبدالرحمٰن اور عبداللہ کہ یہ ساتوں بھائی ''مُقرِّن'' کے بیٹے ہیں۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ ساتوں بھائی صحابی بھی ہیں اور مہاجر بھی کہ اس بزرگی وفضیلت میں کوئی دوسرا ان کا شریک نہیں [1] اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ساتوں بھائی غزوۂ خندق میں بھی شریک تھے۔

۴۔ معرفتِ برادران وخواہران پر مشہور تصانیف:

الف:......''کتاب الاخوۃ'' یہ ابو مطرف بن فُطَیس اندلسی کی تالیف ہے۔

ب:......''کتاب الاخوۃ'' اس کے مؤلف ابو العباس سرّاج [2] ہیں۔

۴......معرفت مُتَّفِق و مُفْتَرِق

ا۔ مُتَّفِق اور مُفْتَرِق کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ ''مُتَّفِق'' یہ ''الاتفاق'' مصدر کا اور ''مُفتَرِق'' ''الافتراق'' مصدر کا اسم فاعل کا صیغہ ہے اور معنی کے اعتبار سے یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں (کہ اتفاق کا معنی ملنا، جڑنا اور یکساں ہونا ہے جب کہ افتراق کا معنی ایک دوسرے سے الگ ہونا ہے)۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں ''اتفاق'' اور ''افتراق'' سے مراد) رواۃ اور ان کے آباء و اجداد اور اوپر کے ناموں کا تحریر اور لفظوں میں یکساں اور ایک ہونا جب کہ ان رواۃ کی ذاتوں کا مختلف ہونا ہے۔ [3]

---

[1] مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ایسے سات بہن بھائی نہیں ملتے سوائے ان کے، جو سب کے سب شرفِ ہجرت سے بھی سرفراز ہوں۔ (طحان)

[2] ابو العباس کا نام سرّاج ''سُـــــرُوج'' یعنی زین سازی کے پیشہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہے کیوں کہ ان کے آباء واجداد میں سے کوئی ''زین سازی'' کا کام کرتا تھا۔

ابو العباس کا نام محمد بن اسحاق بن ابراہیم ثقفی ہے جو بنو ثقیف کے آزاد کردہ غلام تھے۔ ابو العباس اپنے دور میں نیشاپور کے محدث تھے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ان سے حدیث روایت کی ہے (لہٰذا یہ شیخین کے شیخ ٹھہرے) ۳۱۳ھ میں وفات پائی۔ (طحان)

[3] النخبة مع شرحها ص٦٨ (طحّان)

اور اسی میں سے یہ (صورتیں) بھی ہیں کہ رواۃ کے نام اور کنیتیں بھی ایک ہوں یا ان کے نام اور ان کی نسبتیں بھی ایک ہوں وغیرہ وغیرہ۔ ❶

(اب رواۃ کے ناموں اور ان کے آباء کے ناموں میں اشتراک کی متعدد صورتیں ہو سکتی ہیں جن کو ذیل کی مثالوں میں بیان کیا جاتا ہے):

۲۔ متفق و مفترق کی مثالیں:

الف:...... (صرف راوی اور اس کے والد کے نام میں اتفاق ہو، جب کہ دونوں راوی الگ الگ اشخاص ہوں، جیسے) ''خلیل بن احمد'' کہ یہ چھ اشخاص ہیں جن سب کا یہ مشترکہ نام ہے، اور ان چھ میں سب سے پہلے (مشہور نحوی امام) سیبویہ کے شیخ ہیں (کہ ان کا نام خلیل بن احمد ہے)۔

ب:...... (راوی، اس کے باپ اور دادا کا نام ایک ہو، جیسے) ''احمد بن جعفر بن حمدان'' کہ اس نام کے چار اشخاص تھے اور (لطف کی بات یہ ہے کہ یہ چاروں) ایک زمانہ میں تھے۔

ج:...... ''عمر بن خطاب'' ❷ کہ اس نام کے چھ اشخاص ہیں۔ ❸

۳۔ اس فن کی اہمیت اور فائدہ:

علوم الحدیث کی اس نوع کی معرفت حاصل کرنا بے حد اہمیت اور ضرورت کی مالک ہے۔ کیوں کہ متعدد اکابر علماء بھی اس نوع سے نابلد ہونے کی وجہ سے ٹھوکر کھا گئے (اور اس میدان یعنی معرفتِ رواۃ میں ان کے قدم ڈگمگا گئے، اسی لیے حضرات محدثین نے اس کی اہمیت پر بے حد زور بھی دیا ہے) اور اس کے متعدد فوائد (بھی بیان کیے) ہیں (جن میں سے چند ایک کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے):

الف:...... ایک نام میں مشترک چند افراد کو ایک شخص نہ باور کر لیا جائے حالاں کہ وہ افراد کی ایک جماعت ہوتے

---

❶ صرف نام میں اتفاق پر اشکال ہونا قلیل بھی ہے اور نادر بھی۔ اشکال اس وقت اٹھتا ہے جب یہ اتفاق ایک سے زائد ناموں میں پایا جائے۔ جب کہ مذکورہ تعریف بھی ایک سے زیادہ ناموں میں اتفاق کی بابت ہے۔ جس کی مثالیں ''مطولات'' میں مذکور ہیں۔ میرے خیال میں "علوم الحدیث" کی یہ نوع "مهمل" کے زیادہ قریب ہے۔ (جس کا بیان آگے آ رہا ہے) (طحان)

❷ مولف موصوف کی اس مثال میں معنوی تکرار ہے کہ اب وہ مثال پیش کرنی چاہیے تھی جس میں راوی، باپ دادا اور پڑدادا کا نام ایک ہو۔ لیکن مولف موصوف نے یہ مثال اپنے نزدیک دلچسپ ہونے کی وجہ سے پیش کی ہے۔ جیسا کہ وہ خود حاشیہ میں بیان کر رہے ہیں حالاں کہ اسماء میں اتفاق کی تعداد سترہ تک گئی ہے۔

دوسرے مولف موصوف نے راویوں اور ان کی کنیتوں اور نسبتوں میں اتفاق کی امثلہ پیش نہیں کیں۔ تیسرے اتفاق کی متعدد اور صورتیں بھی ہیں جن میں سے ایک صورت یہ بھی کہ خود راوی، اس کے والد اور اس کے دادا تک کا نام ایک ہو۔ غرض ان تفصیلات کو مطولات میں دیکھا جا سکتا ہے اور اس کی قدرے تفصیل "علوم الحدیث، ص: ۲٤۲" میں بھی ہے۔ نسیم

❸ یہ بے حد دلچسپ مثال ہے جو میں نے خطیب رحمہ اللہ کی مشہور زمانہ کتاب "المتفق والمفترق" میں دیکھی ہے۔ اور اس کتاب میں نام میں مشترک رواۃ کی تعداد سترہ اشخاص تک گنوائی گئی ہے (کہ ایک نام ایسا بھی ہے جو سترہ مختلف رواۃ کا ہے) (طحان)

ہیں اور (علوم الحدیث کی) یہ (نوع، نوع) "مہمل" کا "عکس" ہوتی ہے جس میں اس بات کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں ایک شخص کو دو افراد نہ گمان کر لیا جائے۔ ❶

ب:......ایک نام میں مشترک تمام افراد کے درمیان فرق اور امتیاز حاصل ہو جائے کیوں کہ کبھی مشترک نام والے رواۃ میں ایک ثقہ اور دوسرا ضعیف ہوتا ہے کہ پھر آدمی یا تو ثقہ کو ضعیف کہہ بیٹھتا ہے یا پھر اس کے بالعکس معاملہ کر دیتا ہے۔

۴۔ متفق و مفترق کی مثالیں پیش کرنا کب مناسب ہوتا ہے؟:

اس کی مثال پیش کرنا اس وقت مناسب ہوتا ہے جب دو یا زیادہ راوی ایک نام میں متحد اور متفق ہوں اور دونوں کا زمانہ بھی ایک ہی ہو اور وہ اپنے بعض شیوخ و اساتذہ اور تلامذہ میں بھی متفق و متحد ہوں۔ البتہ جب دونوں کا زمانہ ایک نہ ہو اور ان میں کافی بُعد ہو تو ان کے (ایک) نام (ہونے) میں کوئی اشکال نہیں (پیدا) ہوتا۔

۵۔ متفق و مفترق پر چند مشہور تصانیف:

الف:......"المتفق والمفترق": یہ خطیب بغدادی کی تصنیف لطیف ہے جو بے حد جامع اور عمدہ کتاب ہے۔ ❷

ب:......"الانساب المتفقة": اس کے مصنف حافظ محمد بن طاہر متوفی ۵۰۷ھ ہیں یہ کتاب "متفق" کی ایک خاص نوع کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

۵......معرفتِ مؤتَلِف و مُختَلِف

ا۔ موتلف ومختلف کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "مؤتلف" یہ "الائتلاف" مصدر کا اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی اکٹھے ہونا اور ملنا ہے اور مؤتلف کا معنی ہوا ملنے والا اور ملاقات کرنے والا اور یہ معنی "نفرت" یعنی بیگانگی اور بُعد کی ضد ہے اور لفظِ "مختلف" یہ "اختلاف" مصدر سے اسم فاعل کا صیغہ ہے جو "اتفاق" کی ضد ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں یہ) ناموں یا القاب یا کنیتوں یا انساب کا تحریر یعنی کتابت میں یکساں مگر تلفظ میں مختلف ہونا ہے ❸ (کہ دو لفظ لکھنے میں یکساں مگر پڑھنے میں مختلف ہوں)

---

❶ (اس کی تفصیل کے لئے) دیکھیں "شرح النخبة ص۶۸" (طحان)

❷ اس کتاب کا ایک نامکمل نسخہ مخطوطہ کی صورت میں استنبول کے "کتب خانہ آفندی" کی الماری نمبر ۲۳۹ میں موجود ہے اور اس نسخہ کا نمبر "۲۰۹۷" ہے۔ یہ دسویں جز کے شروع سے لے کر آخر کتاب یعنی اٹھارہویں جز تک ہے۔ جب کہ ایک نسخہ شیخ عبداللہ بن حمید کے پاس ہے یہ تیسرے جز سے لے کر نویں جز کے آخر تک ہے۔

ہمارے بھائی فاضل ڈاکٹر محمد صادق آیدن نے اس کی تحقیق کی ہے اور اس پر P.H.D کی ڈگری حاصل کی ہے۔ (طحان)

❸ لفظوں یعنی تلفظ میں اختلاف کا مرجع چاہے نقطے ہوں یا اشکال (یعنی اعراب میں اختلاف)

دیکھیں "التقریب مع التدریب ۲/ ۲۹۷" (طحان)

۲۔ مؤتلف ومختلف کی مثالیں:

الف:......(جیسے لفظِ) "سَلَام" اور سَلّام ہے کہ پہلا لفظ لام کی تخفیف اور دوسرا لفظ لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ (کہ اگرچہ لکھنے میں یہ دونوں لفظ یکساں ہیں مگر پڑھنے میں مختلف ہیں اور ان میں اختلاف کا مرجع شکل یعنی اعراب ہے)۔

ب:......"مِسْوَر" اور "مُسَوَّر" کہ پہلا لفظ میم کے کسر، سین کے سکون اور واو کی تخفیف کے ساتھ ہے جب کہ دوسرا لفظ میم کے ضمہ، سین کی حرکت اور واو کی تشدید کے ساتھ ہے (اور لکھنے میں یہ دونوں لفظ بھی ایک ہیں جب کہ پڑھنے میں مختلف ہیں اور اختلاف کا مرجع یہاں بھی اعراب ہے)۔

ج:......لفظ "بَـزَّاز" اور "بَـزَّار" کے پہلے لفظ کے آخر میں زا ہے، جب کہ دوسرے لفظ کے آخر میں را ہے (اور یہاں اختلاف کا مرجع "نقطہ" ہے اور پہلی دونوں مثالیں ناموں کی جب کہ تیسری مثال لقب کی ہے)۔ [1]

د:......ثَـوْرِیٌّ اور تَـوَّزِی کہ پہلا لفظ ثا اور را کے ساتھ ہے، جب کہ دوسرا تا اور زا کے ساتھ ہے (یہاں اختلاف کا مرجع نقطے اور اعراب دونوں ہیں۔ اور یہ نسبت کی مثال ہے کہ ثور اور توز دو قبیلوں کے نام ہیں)

۳۔ کیا ائتلاف واختلاف کی معرفت کا کوئی ضابطہ اور قاعدہ بھی ہے؟:

(اس بابت دو اقوال ہیں، جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے):

الف:......اکثر الفاظ (کی معرفت) کا ان کے کثرت کے ساتھ پھیل جانے کی وجہ سے کوئی ضابطہ نہیں، انھیں یعنی ان میں سے ہر ایک نام کو الگ الگ حفظ اور ضبط کر کے پہچانا جاتا ہے۔

ب:......ان میں بعض الفاظ کسی ضابطہ کے تحت آتے ہیں اور ایسے الفاظ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ وہ الفاظ جن کا کسی خاص کتاب یا خاص کتب کے اعتبار سے ایک ضابطہ ہو، اس کو مثال سے یوں سمجھیے، جیسے یہ کہا جائے کہ لفظ "یَسَار" صحیحین اور موطا میں جہاں کہیں بھی آئے گا یائے مثناۃ (دو نقطوں والی یا) اور سین مہملہ (بے نقطہ) کے ساتھ آئے گا سوائے لفظِ محمد بن "بَشَّار" کے کہ یہاں ایک نقطہ والی با اور بعد میں تین نقطوں والی شین ہے۔

۲۔ بعض الفاظ وہ ہیں جن کا کسی خاص کتاب یا کسی خاص کتب کے اعتبار سے کوئی ضابطہ نہیں بلکہ ایک عمومی ضابطہ ہے مثلاً یہ کہا جائے کہ سوائے پانچ ناموں کے سلّام ہر جگہ مشدد پڑھا جائے گا، پھر وہ پانچ نام گنوا دیے جائیں (جن میں "سلَام" کی لام غیر مشدد ہو)۔

۴۔ مؤتلف ومختلف کی اہمیت اور اس کے فوائد:

"علوم الحدیث" کی اس نوع کی معرفت "علم اسماء الرجال" میں بے حد اہمیت کی حامل ہے اور علی بن مدینی نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ "(احادیث کے متن واسناد میں) سب سے زیادہ تصحیف "اسماء" میں واقع ہوتی ہے، کیوں کہ ناموں (کی معرفت وتصحیح) میں نہ تو قیاس کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ سیاق وسباق ہی اس (کے تلفظ اور اعراب

---

[1] کیوں کہ بزاز پارچہ فرش یعنی "Cloth Merchant" کو اور بزار بیج فروش کو کہتے ہیں (القاموس الوحید ص ۱٦٤ کالم نمبر ۱) نسیم

اور کتابت) پر دلالت کرتا ہے۔ ❶

اور اس (علم کی معرفت اور اس میں کامل دستگاہ حاصل کرنے) کا فائدہ خطا سے بچنا اور اس میں جا پڑنے سے محفوظ رہنا ہے۔

۵۔ مشہور تصانیف:

الف:......"المؤتلف والمختلف": یہ عبدالغنی بن سعید کی تالیف ہے۔

ب:......ابن ماکولا کی "الاکمال" اور اس کا تتمہ "ذیل الاکمال" جو ابوبکر بن نقطہ نے لکھا ہے۔

۶......معرفت متشابہ ❷

ا۔ متشابہ کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظِ متشابہ "التَّشَابُهُ" مصدر سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی "تماثل" یعنی دو چیزوں کا یکساں ہونا ہے (تو متشابہ کا معنی "کسی دوسری چیز جیسا ہونے والا" ہوا) اور یہاں متشابہ سے مراد "ملتبس" ہے (یعنی مشتبہ ہونے والا) اور اسی سے بعض قرآنی آیات کا نام "متشابہ" رکھا گیا ہے۔ یعنی وہ آیات جن کا معنی مخاطب پر مشتبہ ہو گیا ہو (اور اسے ان آیات کا معنی سمجھنے میں دشواری پیش آ رہی ہو)۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں "متشابہ" کی تعریف یہ ہے) کہ (خود) رواۃ کے اسماء تو کتابت اور تلفظ میں یکساں ہوں مگر ان کے آباء کے اسماء تلفظ میں مختلف جب کہ کتابت میں متفق ہوں یا پھر صورت اس کے برعکس ہو۔ ❸

۲۔ متشابہ کی مثالیں:

الف:......(وہ مثال جس میں رواۃ کے اسماء تلفظ اور کتابت دونوں میں متفق جب کہ ان کے آباء کے اسماء کتابت میں متفق مگر تلفظ میں مختلف ہوں اور یہاں اختلاف کا مرجع اعراب ہو، جیسے) "محمد بن عُقَیل" اور "محمد بن عَقِیل" کہ پہلا لفظ عین کے ضم اور دوسرا عین کے فتح کے ساتھ ہے۔ یہاں رواۃ کے اسماء تو متفق ہیں مگر آباء کے اسماء مختلف ہیں (اور یہ متشابہ کی پہلی قسم کی مثال ہے)۔

ب:......"شُرَیح بن نُعمان" اور "سُرَیج بن نُعمان" کہ یہاں رواۃ کے اسماء مختلف ہیں (اور اختلاف کا

❶ دیکھیں: نخبة الفکر ص۶۸ (طحّان)

❷ دراصل یہ گزشتہ دو اقسام "المتفق والمفترق" اور "المؤتلف والمختلف" سے مرکب ہے۔ دیکھیں "علوم الحدیث لابن الصلاح ص۳۶۵۔ (طحّان)

❸ وہ یوں کہ رواۃ کے اسماء تو بولنے میں مختلف ہوں (گو کتابت میں متفق ہوں) مگر رواۃ کے آباء کے اسماء تلفظ اور کتابت دونوں میں متفق ہوں۔ (طحان)

مرجع نقطے ہیں) جب کہ ان کے آباء کے اسماء (تلفظ اور کتابت دونوں میں) متفق ہیں۔ (اور یہ متشابہ کی دوسری قسم کی مثال ہے جو پہلی قسم کے بالعکس ہے)۔

۳۔ متشابہ کی معرفت کا فائدہ:

(محدثین نے اس نوع کے متعدد فوائد شمار کرائے ہیں) اس نوع کے فوائد ان امور میں پنہاں ہیں:

رواۃ کے اسماء کا ضبط ہونا۔

ان کے تلفظ اور نطق میں التباس واشتباہ نہ لگنا۔

تصحیف اور وہم (جیسی نازک لغزشوں) میں مبتلا نہ ہونا۔

۴۔ متشابہ کی چند دیگر انواع:

متشابہ کی چند دیگر انواع بھی ہیں (جنھیں محدثین نے ذکر کیا ہے) ہم ان میں سے چند اہم انواع کو ذکر کریں گے۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

الف:...... ایک صورت یہ ہے کہ راوی اور اس کے والد کا نام ایک ہو مگر والد کے نام میں ایک یا دو حرفوں کا فرق ہو جیسے "محمد بن حُنَین" اور "محمد بن جُبَیر"۔

ب:...... ایک صورت یہ ہے کہ راوی اور اس کے باپ کا نام تلفظ اور کتابت دونوں میں یکساں ہو مگر اختلاف تقدیم اور تاخیر کی صورت میں ہو۔ اس کی بھی آگے دو صورتیں ہیں:

۱۔ تقدیم اور تاخیر دونوں ناموں میں ہو جیسے "اسود بن یزید" اور "یزید بن اسود" ❶

۲۔ اور کبھی یہ تقدیم پورے نام میں نہیں بلکہ صرف حروف میں ہوتی ہے۔ جیسے "ایوب بن سَیَّار" اور "ایوب بن یَسَار" (کہ یہاں لفظِ "سیار" اور "یسار" میں یا اور سین میں تقدیم و تاخیر ہے)۔

۵۔ متشابہ پر مشہور تصانیف:

الف "تلخیص المتشابه فی الرَّسم وحمایة ما اشکل منه عن بوادر التصحیف والوهم" یہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ کا علمی شاہکار ہے۔

ب:......"تالي التلخیص": یہ بھی خطیب رحمہ اللہ کی ہی تصنیف ہے۔ اور اسے پہلی کتاب کا تتمہ یا حاشیہ ہے۔

یہ دونوں کتابیں نہایت عمدہ ہیں اور اس باب میں ان جیسی کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ ❷

---

❶ بعض محدثین نے اس نوع کا نام "المشتبه المقلوب" رکھا ہے اور یہاں اشتباہ صرف ذہن میں واقع ہوتا ہے نا کہ کتابت اور خط میں اور کبھی بعض رواۃ کا نام الٹ ہو جاتا ہے۔ خطیب رحمہ اللہ نے "رافع الارتیاب فی المقلوب من الاسماء والانساب" نامی ایک مستقل کتاب اسی موضوع پر لکھی ہے (جو اپنی مثال آپ ہے) (طحان)

❷ "دار الکتب المصریة" میں ان دونوں کتابوں کے کامل نسخے موجود ہیں اور میرے پاس ان دونوں کا عکس ہے۔ (طحان)

۷......معرفت مُہمَل

ا۔مُہمَل کی تعریف:

الف: ......لغوی تعریف: لفظِ ''مہمل'' یہ ''الاھمال'' مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے ترک کرنا(چناں چہ مہمل کا معنی ''ترک کیا ہوا'' اور ''چھوڑا ہوا'' ہوگا) گویا کہ راوی نام کو ایسی کسی بات کو ذکر کیے بغیر یوں چھوڑ دے جو اس نام کو دوسرے ناموں سے ممتاز اور نمایاں کر دے۔

ب: ......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں مہمل کی تعریف یہ ہے کہ) راوی دو ایسے شخصوں سے روایت کرے کہ یا تو صرف ان کے نام ایک جیسے ہوں یا ان کے ساتھ ساتھ ان کے باپوں کے نام بھی ایک جیسے ہوں، مگر یہ دونوں شخص ایسی کسی بات کے ساتھ ممتاز نہ ہوں جو انھیں ایک دوسرے سے نمایاں کر دے۔

۲۔اِہمال کب ضرر رساں ثابت ہوتا ہے؟:

اِہمال کے ارتکاب کا نقصان اور ضرر اس وقت ہوتا ہے جب ایک نام کے دو شخصوں میں سے ایک ثقہ اور دوسرا ضعیف ہو کیوں کہ اس وقت ہم یہ نہیں جان پاتے کہ اس جگہ جس شخص سے روایت کی گئی ہے وہ کون ہے؟ (ثقہ یا ضعیف. کیوں کہ ایسی کوئی بات مزید مذکور نہیں ہوتی جو ثقہ کو ضعیف سے ممتاز کر دے) کیوں کہ کبھی اس جگہ دونوں میں سے وہ مذکور ہوتا ہے جو ضعیف ہوتا ہے۔ یوں وہ حدیث اس کی وجہ سے ضعیف ہوتی ہے (مگر کوئی ناواقف اسے ثقہ گمان کر کے اس حدیث کو صحیح باور کر لیتا ہے)۔

البتہ جہاں دونوں ثقہ ہوں تو اہمال کے ارتکاب سے حدیث کی صحت کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ کیوں کہ مروی عنہ یہاں دونوں میں سے کوئی بھی ہو حدیث (بہرحال) صحیح ہی رہتی ہے۔

۳۔مہمل کی مثال:

(چوں کہ اصولی طور پر اس کی قسمیں بھی دو ہی ہیں اس لیے اس کی مثالیں بھی دو بنیں گی)۔

الف: ......(پہلی مثال) جب دونوں راوی ثقہ ہوں: اس کی مثال امام بخاری رحمہ اللہ کی وہ روایت ہے جو وہ احمد سے بواسطہ ابن وہب کے بیان کرتے ہیں (یعنی اس کی اسناد "عن احمد عن ابن وھب" ہے) مگر امام بخاری رحمہ اللہ نے ''احمد'' کی کوئی امتیازی نسبت بیان نہیں کی اب یہ احمد ''احمد بن صالح بھی ہو سکتے ہیں اور ''احمد بن عیسیٰ'' بھی اور یہ ''اہمال'' صحتِ حدیث کے لیے مضر نہیں کیوں کہ) یہ دونوں ہی راوی ثقہ ہیں۔

ب: ......(دوسری مثال) جب دونوں میں سے ایک ثقہ اور دوسرا ضعیف ہو: (اس کی مثال) ''سلیمان بن داؤد'' ہیں کہ جب یہ ''خولانی'' ہوں تو ثقہ ہیں اور اگر ''یمانی'' ہوں تو ضعیف ہیں۔

۴۔مہمل اور مبہم میں فرق:

(علوم الحدیث کی) ان دونوں (انواع) میں فرق یہ ہے کہ مہمل میں راوی تو (ضرور) مذکور ہوتا بس اس کی تعیین (مذکور) نہیں ہوتی جس کی بنا پر "تعیین" مشتبہ ہو جاتی ہے۔ جب کہ مبہم میں سرے سے راوی کا نام ہی مذکور نہیں ہوتا (جس کی تفصیل آگے مبہمات کے بیان میں آ رہی ہے)۔

۵۔مہمل پر مشہور تصانیف:

(اس موضوع پر بھی) خطیب بغدادی (ہی فائق رہے ہیں کہ ان) کی کتاب "المُکْمَل فی بیان المهمل" ہے (جو تشنگانِ علوم الحدیث کی سیرابی کا کافی سامان لیے ہوئے ہے)۔

۸. ....معرفت مُبْهَمات

ا۔مبہمات کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "مبهمات" یہ "مبهم" کی جمع ہے جو "الابهام" مصدر سے اسمِ مفعول کا صیغہ ہے۔ (جس کا معنی پوشیدگی، اغلاق اور پیچیدگی ہے۔ اور مُبهَم کا معنی پوشیدہ اور مُغلَق ہے) اور یہ "ایضاح" کی ضد ہے (جس کا معنی واضح کرنا اور تشریح و وضاحت کرنا ہے)۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) مبہم وہ شخص ہے جس کا حدیث کے متن میں یا اسناد کے رواۃ میں ذکر ہو یا اس کا روایت کے ساتھ کوئی تعلق ہو مگر اس کا نام پوشیدہ (یعنی مبہم) رکھا گیا ہو۔ [1]

۲۔معرفت مبہمات کے فوائد:

(اب ابہام یا تو اسناد میں ہوگا یا متن میں، اس لیے حضراتِ محدثین نے دونوں کے اعتبار سے معرفتِ مبہمات کے فوائد بیان کیے ہیں۔ ہم ذیل میں ان میں سے دو فوائد ذکر کرتے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق اسناد سے اور دوسرے کا تعلق متن سے ہے۔ پہلے اسناد سے متعلقہ فائدہ ملاحظہ ہو کہ اسناد متن سے پہلے ہوتی ہے)۔

الف:......اگر ابہام سند میں ہو: تو اس سے ہمیں راوی کی بابت معرفت حاصل ہوتی ہے کہ ثقہ ہے یا ضعیف ہے تاکہ حدیث پر صحت یا ضعف کا حکم لگایا جا سکے۔

ب:......اور اگر ابہام متن میں ہو: تو اس وقت معرفتِ مبہمات کے متعدد فوائد مستفاد ہوتے ہیں جن میں سرِ فہرست "صاحبِ قصہ" یا "سائل" کی معرفت کا حاصل ہونا ہے (جن کا مبہم ذکر حدیث میں آیا ہوتا ہے) تاکہ اگر حدیث میں ان صاحب کی کوئی فضیلت و منقبت مذکور ہے تو ہم وہ جان لیں۔ اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے (کہ حدیث میں کسی نقص کا ذکر ہے) تو مبہم کی معرفت سے ہم (فاضل صحابہ کے ساتھ کسی قسم کے سوئے ظن رکھنے سے محفوظ

[1] دیکھیں "علوم الحدیث لابن الصلاح ص ۳۷۵" (طحان)

رہیں۔ (کیوں کہ مبہم کی معرفت سے ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ جس شخص کی یہ منقصت اور برائی بیان ہوئی ہے وہ کوئی صحابی نہیں بلکہ کوئی اور ہے)۔

۳۔ مبہم کی معرفت کیوں کر حاصل ہوتی ہے؟:

(سند یا متن میں مذکور مبہم شخص کو) دو میں سے ایک بات کے ذریعے پہچانا اور جانا جا سکتا ہے۔ جو یہ ہیں:

الف:...... کسی دوسری روایت میں اس کا نام (صراحۃً) آیا ہو۔

ب:...... اصحابِ سِیَر (وتاریخ) کی تنصیص (وتصریح کہ وہ صراحۃً مبہم شخص کا نام لیں) اور یہی اکثر و بیشتر ہوتا ہے۔

۴۔ مبہم کی اقسام:

ابہام کی شدت اور عدمِ شدت کے اعتبار سے (حضرات محدثین نے) مبہم کی چار قسمیں (بیان کی) ہیں۔ ہم سب سے پہلے اس قسم کو بیان کرتے ہیں جس میں ابہام سب سے زیادہ ہوتا ہے:

الف:...... مرد یا عورت کا ابہام: ❶ جیسے حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے، "اَنَّ رَجُلًا" قَالَ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اَلْحَجُّ کُلَّ عَامٍ؟" ایک آدمی نے (حج کے موقع پر) خدمتِ رسالت میں عرض کیا، "اے اللہ کے رسول! (کیا یہ) حج (ہم پر) ہر سال (فرض) ہے؟"

(محدثین نے صراحت کی ہے کہ) یہ "رجل" اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ " تھے۔

ب:...... ابن یا بنت کا ابہام: (کہ ان دونوں لفظوں میں پایا جانے والا ابہام پہلی قسم سے کم ہے) اور "بھائی اور بہن" "بھتیجا اور بھانجا" اور "بھتیجی اور بھانجی" کا ابہام بھی (ابہام کی شدت کے اعتبار سے) اس (دوسری قسم) کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔

جیسے ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت جس میں جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک "بنت" کو پانی اور بیری کے ساتھ غسلِ وفات دینے کا ذکر ہے کہ یہ (مذکورہ مبہم "بنت") "سیدہ زینب رضی اللہ عنہا" ہیں۔

ج:...... چچا اور پھوپھی کا ابہام: (اور اس میں ابہام کی شدت گزشتہ دونوں قسموں سے کم ہوتی ہے) اور ماموں اور خالہ اور چچا زاد اور پھوپھی زاد بھائی اور بہن اور ماموں زاد اور خالہ زاد بھائی اور بہن کا ابہام بھی (ابہام کی شدت کی اعتبار سے) اس (تیسری قسم) کے ساتھ ملحق ہوتا ہے۔

---

❶ یاد رہے کہ اس عنوان کا یہ مطلب نہیں کہ مذکورہ مبہم مرد ہے یا عورت بلکہ مطلب یہ ہے کہ جہاں کسی مبہم کی تعبیر لفظ "رجل" یا لفظ "امراۃ" سے ہو تو ان لفظوں کے عموم کی وجہ سے ان میں ابہام بھی از حد ہوتا ہے کہ مثلاً "رجل" سے نہ جانے کون سا "رجل" مراد ہے اور "امراہ" سے نہ جانے کون سی عورت مراد ہے۔ اسی لیے بندہ عاجز مترجم نے اس عنوان کا ترجمہ "مرد یا عورت کا ابہام" سے کیا ہے تاکہ "مرد یا عورت میں ابہام" سے اور اسی پر اگلی اقسام کو بھی قیاس کر لیا جائے۔ فافہم وتدبر "نسیم"

جیسے "مخابرہ" ❶ کی ممانعت کی بابت رافع بن خدیج کی ''اپنے چچا'' سے روایت کہ (وہاں انھوں نے "عمّ" کا لفظ ذکر کیا ہے جو مبہم ہے اور) ان کے چچا کا نام "ظُھَیر بن رافع" ہے۔

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ''پھوپھی'' کی حدیث جس میں جنگِ احد کے دن ان کے باپ کے مارے جانے پر ان کے رونے کا ذکر ہے۔ کہ (روایت میں "عمّة" کا لفظ مذکور ہے جو مبہم ہے اور) ان کا نام ''فاطمہ بنت عمرو'' ہے۔

د:......زوج اور زوجہ کا ابہام: جیسے صحیحین کی وہ حدیث جس میں "سُبَیعہ" کے ''زوج'' کی وفات کا ذکر ہے (کہ لفظِ "زوج" مبہم ہے) مذکورہ سبیعہ کے زوج یعنی خاوند کا نام ''سعد بن خولہ'' ہے۔

اور جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر کی ''زوجہ'' کی حدیث جو (پہلے رفاعہ قرظی کے نکاح میں تھیں اور انھوں نے اسے طلاق دے دی تھی (جس پر بعد میں عبدالرحمٰن نے ان سے نکاح کر لیا تھا۔ اب روایت میں لفظِ ''زوجہ'' آتا ہے جو مبہم ہے) ان کا نام "تمیمہ بنتِ وھب" ہے۔ ❷

۵۔ مبہمات پر مشہور تصانیف:

(علوم الحدیث کی) اس نوع پر متعدد علماء نے خامہ فرسائی کی ہے جن میں عبدالغنی بن سعید، خطیب بغدادی اور امام نووی جیسے اساطینِ علم کے نام آتے ہیں مگر ان سب کی کتابوں میں سے سب سے عمدہ اور جامع ترین کتاب "ولی الدین عراقی" کی "المستفاد من مبهمات المتن والاسناد" ہے۔

۹......معرفت وُحدان

ا۔ وحدان کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ "وُحدان" واو کے ضم کے ساتھ ''واحد'' کی جمع ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) یہ وہ رواۃ ہیں جن میں سے ہر ایک سے صرف ایک

❶ مخابرہ: یہ بٹائی پر کھیتی کرنے کو کہتے ہیں۔ مگر یہ بٹائی پر کھیتی کی ایک خاص صورت ہے کہ مالک کاشت کار کو اس شرط پر کاشت کرنے کے لیے زمین دے کہ پیداوار میں سے متعین تہائی یا چوتھائی حصہ اس کا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے۔ "القاموس الوحید ص ٤٠٥ کالم نمبر ٣، اور اس کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں "معدن الحقائق ج ۲ ص ۳۱۳" نعیم

❷ ان کا پورا قصہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔ سیدہ صدیقہ فرماتی ہیں، ''رفاعہ قرظی کی بیوی نے خدمتِ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا: ''(یا رسول اللہ!) میں رفاعہ کے عقد میں تھی اور انھوں نے مجھے طلاق دے دی اور طلاق بھی مغلظ دی۔ پھر ان کے بعد میں نے عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا۔ مگر میں نے ان کے پاس کپڑے کے اس (لٹکے) پلّو کی طرح کے سوا کچھ نہیں پایا (یعنی وہ میرے ساتھ حقِ زوجیت ادا کرنے پر قادر نہیں) اس پر آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تم رفاعہ کے نکاح میں دوبارہ جانا چاہتی ہو؟ انھوں نے عرض کیا، جی ہاں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں (اب تم رفاعہ کے پاس دوبارہ نہیں جا سکتی) یہاں تک کہ تم عبدالرحمٰن کی مٹھاس چکھ لو اور عبدالرحمٰن تمہاری مٹھاس چکھ لے۔'' (متفق علیہ) بحوالہ "نور الانوار ص ۲۰ حاشیہ رقم ۱"۔ نعیم

ہی راوی نے روایت کی ہوتی ہے۔ ❶

۳۔ وحدان کی مثالیں:

(چوں کہ واحد راوی صحابی بھی ہوسکتا ہے اور غیر صحابی بھی اس لیے اس کی اصولی طور پر دو قسمیں بنیں۔ اسی لیے ان کی مثالیں بھی دو ہوں گی جنھیں علی الترتیب ذیل میں بیان کیا جاتا ہے):

الف:......صحابہ کرام میں سے (راوی ءواحد): (اس کی مثال میں دو صحابہ کو ذکر کیا جاتا ہے)

حضرت عروۃ بن مُضَرِّس رضی اللہ عنہ: ان سے صرف شعبی رحمہ اللہ نے روایت کی ہے۔

حضرت مسیّب بن حَزن رضی اللہ عنہ: ان سے صرف ان کے بیٹے ''سعید بن مسیّب'' نے روایت کی ہے۔

ب: ......تابعین میں سے (راوی ء واحد): حضرت ابو العشراء رحمہ اللہ ہیں کہ ان سے صرف حماد بن سلمہ نے روایت کی ہے۔

۴۔ کیا شیخین نے ''صحیحین'' میں ''وحدان'' سے روایت ذکر کی ہے؟:

(اس بابت دو اقوال ہیں)

الف:......حاکم نے ''المَدْخَل'' میں ذکر کیا ہے کہ شیخین نے اس نوع کی کوئی روایت (صحیحین میں) ذکر نہیں کی۔

ب:......لیکن جمہور محدثین کا کہنا ہے کہ (چوں کہ محض اس وجہ سے کہ صرف ایک آدمی نے کسی سے حدیث روایت کی ہو، اس سے راوی کی حیثیت و مرتبہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا، یہی وجہ ہے کہ شیخین نے بھی ایسے لوگوں سے روایات نقل کی ہیں۔ ❷ چناں چہ) صحیحین میں وحدان صحابہ سے متعدد روایات موجود ہیں۔ جن میں چند کو ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

۱۔ ابو طالب کی وفات کی بابت ''مسیّب بن حزن رضی اللہ عنہ'' کی حدیث۔ اس کو بخاری اور مسلم دونوں نے نقل کیا ہے۔

۲۔ حضرت مرداس اسلمی رضی اللہ عنہ کی حدیث کہ، ''نیک لوگ (اس دنیا سے) جاتے جائیں گے پہلے اگلے پھر ان سے اگلے............'' کہ اس حدیث کو حضرتِ مرداس رضی اللہ عنہ سے صرف قیس بن ابی حازم نے ہی روایت کیا ہے۔ اور اس کو بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے۔

۵۔ معرفت وحدان پر مشہور تصانیف:

اس بابت امام مسلم رحمہ اللہ کی کتاب ''المنفردات والوحدان'' کو خاص شہرت حاصل ہے۔

❶ دیکھیں: علوم الحدیث لا بن الصلاح ص۳۲۳، التقریب مع التدریب ۲/ ۲۶۸ (طحّان)

❷ مابین القوسین از ''علوم الحدیث ص ۳۵۱'' - نسیم

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ اِہمال کب نقصان دہ ہوتا ہے؟

۲۔ مبہم اور مہمل میں کیا فرق ہے؟

۳۔ سند میں ابہام کی وضاحت کیجیے۔ نیز یہ ابہام کیسے دور کیا جاسکتا ہے؟

۴۔ وحدان اور غریب میں کیا فرق ہے؟

مندرجہ ذیل جملوں میں غلط اور صحیح کی نشان دہی کیجیے۔

۱۔ دو ایک جیسے ناموں والے راویوں سے کہ جن کے مابین امتیاز نہ کیا جاسکے، حدیث بیان کرنے کو مجمل کہا جاتا ہے۔

۲۔ احمد بن صالح اور احمد بن عیسی دونوں ضعیف راوی ہیں۔

۳۔ ابہام سے حدیث کی صحت پر کوئی فرق نہیں آتا۔

۴۔ رجل اور امرأۃ سے متعلق ابہام بہ نسبت دوسرے ابہامات کے کم ہے۔

۵۔ بخاری و مسلم میں وحدان راویوں کی روایات مروی نہیں ہیں، کیوں کہ وحدان راویوں کی روایات مرتبے میں کم ہوتی ہیں۔

عملی کام:......کیا آپ یہ تلاش کر سکتے ہیں کہ اس حدیث میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کون مراد ہیں۔ عبد اللہ بن عباس یا عبداللہ بن مسعود یا عبداللہ بن عمرو؟

”عن عبد الله قال قلنا يا رسول الله أنواخذ بما عملنا فى الجاهلية؟ قال من أحسن فى الاسلام لم يواخذ بما عمل فى الجاهلية۔۔۔“ (مسند أحمد)

۱۰.....مختلف ناموں یا صفات (والقاب) کے ساتھ ذکر کیے جانے والوں کی معرفت

ا۔مختلف اسماء وصفات کے ساتھ ذکر کیے جانے والوں کی معرفت کی تعریف:

یہ رواۃ میں سے ایسے ایک شخص یا افراد جماعت کی معرفت حاصل کرنا ہے جن کو مختلف ناموں یا القاب یا کنیتوں کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

۲۔مختلف ناموں اور کنیتوں کے ساتھ ذکر کیے جانے والے راوی کی مثال:

محمد بن السائب الکلبی کہ کچھ نے انھیں ابو النضر کا نام دیا ہے جب کہ کچھ نے حماد ابن السائب کا۔اسی طرح کچھ انھیں ابوسعید سے موسوم کرتے ہیں۔

۳۔اس کے فوائد:

(محدثین نے اس کے متعدد فوائد ذکر کیے ہیں ذیل میں دو اہم فوائد ذکر کیے جاتے ہیں):

الف:.....ایک شخص کے متعدد ناموں میں سے اشتباہ نہ لگنا اور اس بات کا وہم نہ ہونا کہ (شاید) یہ (ایک شخص نہیں بلکہ) متعدد اشخاص ہیں۔

ب:.....شیوخ میں کی جانے والی تدلیس کا پردہ چاک ہونا۔

۴۔خطیب بغدادی کا اپنے شیوخ کے ساتھ بالکثرت ایسا کرنا:

(خطیب رحمہ اللہ نے اپنی کتب میں ایسا بہ کثرت کیا ہے کہ وہ متعدد مقامات پر ایک شخص کے مختلف ناموں کے ساتھ روایت کرکے قاری کو یہ تأثر دیتے ہیں کہ ان کے شیوخ کی تعداد بہت زیادہ ہے حالاں کہ وہ متعدد نام ایک ہی شخص کے ہوتے ہیں) چناں چہ وہ اپنی کتب میں مثلاً ابوالقاسم ازہری، عبید اللہ بن ابی فتح فارسی اور عبید اللہ بن احمد بن عثمان صیرفی سے روایت کرتے نظر آتے ہیں (جس سے بظاہر یہ تین اشخاص لگتے ہیں) مگر دراصل یہ سب (نام) ایک (شخص کے) ہیں۔

۵۔مشہور تصانیف:

الف:.....''ایضاح الاشکال'' یہ حافظ عبدالغنی بن سعید کی تالیف ہے۔

ب:.....''موضح اوھام الجمع والتفریق'' خطیب رحمہ اللہ بغدادی نے لکھی ہے۔

۱۱......مفرد ناموں اور کنیتوں اور القاب کی معرفت

۱۔ مفردات سے کیا مراد ہے؟: [1]

مفردات سے مراد ایک شخص کا ایسا نام یا کنیت یا لقب ہونا ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو (یعنی وہ نام وغیرہ کسی دوسرے کا نہ ہو) خواہ وہ شخص صحابۂ کرام میں سے ہو یا عام رواۃ میں سے یا علماء میں سے ہو۔ اور اکثر مفردات ایسے نامانوس نام ہوتے ہیں جن کا تلفظ بہت دشوار ہوتا ہے۔

۲۔ مفردات کی معرفت کا فائدہ:

(محدثین نے اس کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں۔ اور اس کا اہم ترین فائدہ آدمی کا) ان مفرد اور نامانوس اسماء میں تحریف اور تصحیف کے ارتکاب سے بچ جانا (ہے)۔

۳۔ مفردات کی مثالیں:

(چوں کہ اصولی طور پر مفردات تین قسم پر ہیں، مفرد اسماء، مفرد القاب اور مفرد کنیتیں۔ اس لیے ان کی مثالیں بھی تین قسم کی ہوں گی جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے):

الف:......مفرد اسماء (کی مثالیں):

۱۔ مفرد اسماء والے صحابہ: حضرت ''احمد بن عُجَیان رضی اللہ عنہ'' (عجیان) جیسے سفیان یا عُلَیّان اور حضرتِ ''سُنْدَر رضی اللہ عنہ'' بروزنِ جَعْفَر۔

۲۔ مفرد اسماء والے غیر صحابی: ''اوسط بن عمرو'' (کہ اَوسط نام کا ایک ہی راوی ہے) اور ضُرَیب بن نقیر بن سُمَیر (کہ ضُرَیب بھی ایک ہی شخص کا نام ہے)۔

ب:......مفرد کنیتیں:

۱۔ مفرد کنیت والے صحابہ: نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ''ابو الحمراء'' جن کا نام ''ہلال بن حارث'' ہے۔ (کہ ایسی کنیت صرف انھی کی ہے)۔

۲۔ مفرد کنیت والے غیر صحابی: ''ابو العُبَیْدَیْن'' ان کا نام ''معاویہ بن سبرۃ'' ہے۔

ج:......مفرد القاب:

۱۔ مفرد القاب والے صحابہ: حضرتِ ''سَفِیْنَہ۔'' یہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں جن کا نام ''مہران'' ہے۔

---

[1] مولف موصوف نے یہ اصطلاحی تعریف بیان کی ہے جب کہ لغوی تعریف یہ ہے کہ ''مفردات'' ''مفرد'' کی جمع ہے اور یہ ''الاِفْـرَاد'' مصدر سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ جس کا معنی اکیلا اور تنہا ہے۔ یعنی کسی شخص کا ایسا نام یا کنیت وغیرہ کا ہونا جو صرف اسی کا ہو اور نام وکنیت وغیرہ کے ساتھ وہ اکیلا ہو کوئی دوسرا اس نام میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو۔ نسیم

۲۔ مفرد القاب والے غیر صحابہ: "مَنْدَل" کہ ان کا نام عمرو بن علی عنزی کوفی ہے۔

۴۔ مفردات پر مشہور تصانیف:

اس موضوع پر حافظ احمد بن ہارون بردیجی نے "الاسماء المفردة" کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے۔ اس کے علاوہ تراجم رواۃ پر لکھی جانے والی کتب کے آخر میں ایسے بے شمار مفرد اسماء و القاب وغیرہ دیکھے جاسکتے ہیں۔ جیسے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب، "تقریب التهذیب" (کے آخر میں مندرج مفرد اسماء)

۱۲......کنیت سے شہرت پانے والوں کے ناموں کی معرفت

ا۔ اس بحث سے کیا مراد ہے؟:

اس بحث سے مراد یہ ہے کہ ہم تحقیق و تفتیش کے بعد ان لوگوں کے ناموں کو تلاش کریں جو اپنی کنیت کے ساتھ شہرت پاگئے (کہ اب اکثر لوگ جن میں بعض خواص بھی داخل ہیں صرف ان کی کنیت جانتے ہیں جب کہ ان کے ناموں سے یہ لوگ ناواقف ہوتے ہیں) تاکہ ہم ان میں سے ہر ایک کا غیر مشہور نام جان لیں۔

۲۔ اس بحث کا فائدہ:

اس بحث کی معرفت کا (اہم ترین) فائدہ یہ ہے کہ ایک شخص کو دو نہ باور کرلیا جائے کیوں کہ کبھی تو اس شخص کا غیر مشہور نام ذکر کیا جاتا ہے اور کبھی اس کو اس کی مشہور کنیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔ اب جس شخص کو اس بحث کی معرفت حاصل نہیں ہوتی اس پر اس شخص کا معاملہ مشتبہ ہو جاتا ہے اور وہ اسے دو اشخاص سمجھ بیٹھتا ہے۔ حالاں کہ یہ ایک ہی شخص ہوتا ہے۔

۳۔ معروف کنیتوں پر کتاب تصنیف کرنے کا طریقہ:

کنیتوں پر کتاب تصنیف کرنے والا اپنی کتاب کو کنیتوں کے ذکر کرنے کے لیے حروف تہجی کے اعتبار سے ابواب کی صورت میں مرتب کرتا ہے۔ مثلاً (پہلے) وہ "باب الهمزه" (کا عنوان قائم کرتا ہے پھر اس) میں (ان کنیتوں کو ذکر کرتا ہے جو ھمزہ سے شروع ہوتی ہیں۔ چناں چہ مثلاً وہ ہمزہ سے شروع ہونے والی کنیت) ''ابو اسحاق'' کو ذکر کرتا ہے اور (بعد میں جس کی یہ کنیت ہوتی ہے) اس کا نام ذکر کرتا ہے۔ اور (مثلاً) ''باب الباء'' میں ''ابو بشر'' کو ذکر کرتا ہے اور (پھر) اس کا نام ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح (تمام حروف تہجی کے ابواب قائم کر کے ان کے تحت اس حرف سے شروع ہونے والی کنیتوں کو ذکر کرتا ہے)

۴۔اصحابِ کنیت کی اقسام اور (ہر ایک قسم کے اعتبار سے) اس کی مثالیں:

(کنیتوں والے لوگوں کی متعدد اقسام ہیں ذیل میں چند اقسام کو مع ان کی مثالوں کے ذکر کیا جاتا ہے):

الف:......وہ لوگ جن کی کنیت ہی ان کا نام ہو: اور اس کے سوا ان کا دوسرا کوئی نام نہ ہو جیسے ''ابو بلال اشعری'' کہ ان کا نام اور کنیت ایک ہی ہے۔

ب:......وہ شخص جو کنیت سے تو معروف ہو مگر یہ معلوم نہ ہو کہ آیا اس کا کوئی نام بھی ہے یا نہیں؟ جیسے ''ابو اُناس'' نامی صحابیِ رسول۔

ج:......وہ شخص جس کی بطور لقب کے کنیت ہو اور اس کا نام بھی ہو مگر اس کی (نسب کے اعتبار سے) ایک دوسری کنیت بھی ہو۔ جیسے ''ابوتراب'' کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا لقب (بہ صورت کنیت) ہے جب کہ آپ کی (نسب کے اعتبار سے) کنیت ''ابوالحسن'' ہے۔

د:......وہ شخص جس کی دو یا زیادہ کنیتیں ہوں جیسے ''ابن جریج'' کہ ان کی ''ابوالولید'' اور ''ابو خالد'' نامی کنیتیں بھی ہیں۔

ھ:......وہ شخص جس کی کنیت میں اختلاف ہو جیسے ''اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ'' کہ ان کی کنیت کے بارے میں تین اقوال ہیں، ابو محمد، ابو عبداللہ اور ابو خارجہ۔

و:......وہ شخص جس کی کنیت تو معروف ہو مگر اس کے نام میں اختلاف ہو۔ جیسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ان کے اور ان کے والد کے نام کی بابت تیس مختلف اقوال ہیں جن میں سب سے مشہور قول ''عبدالرحمٰن بن صخر'' کا ہے۔

ز:......وہ شخص جس کی کنیت اور نام دونوں میں اختلاف ہو۔ جیسے حضرتِ سفینہ رضی اللہ عنہ کہ ان کے نام کے بارے میں تین اقوال ہیں، عمیر، صالح اور مہران جب کہ ان کی کنیت کے بارے میں دو اقوال ہیں، ابو عبدالرحمٰن اور ابوالبختری۔

ح:......وہ شخص جس کی کنیت اور نام دونوں معروف ہوں اور وہ ان دونوں سے مشہور بھی ہو (یعنی عوام و خواص سب اس کی کنیت اور نام دونوں سے واقف ہوں) جیسے سفیان ثوری، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کہ ان تینوں (مشہور و معروف) اکابر کی ایک ہی کنیت ''ابوعبداللہ'' ہے (اور یہ تینوں حضرات اپنے ناموں اور اس کنیت دونوں کے ساتھ مشہور ہیں) اور جیسے ''ابوحنیفہ نعمان بن ثابت''۔

ط:......وہ شخص جو اپنی کنیت سے مشہور ہو مگر اس کا نام بھی معروف ہو (گو مشہور نہ ہو) جیسے ''ابوادریس خولانی'' کہ ان کا نام ''عائذ اللہ'' ہے۔

ی:......وہ شخص جو اپنے نام سے مشہور ہو اور اس کی کنیت بھی معلوم ہو جیسے طلحہ بن عبیداللہ تیمی، عبدالرحمٰن بن عوف، حسن بن علی بن ابی طالب کہ ان سب کی کنیت ''ابومحمد'' ہے۔

۵۔کنیتوں پر مشہور کتب:

علمائے کرام نے کنیتوں پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں علی بن مدینی مسلم اور نسائی وغیرہ حضرات کے نام آتے

ہیں۔ اور مطبوعہ کتب میں سے سب سے مشہور کتب: ''ابو بشر محمد بن احمد دُولابی متوفی ۳۱۰ھ کی "الکُنٰی والاسماء" ہے۔

مشقی سوالات

مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات تحریر کیجیے۔

۱۔ کوئی راوی کئی ناموں یا القابات سے معروف ہو تو آپ اس کے حالات زندگی کیسے پہچان پائیں گے؟

۲۔ تدلیس شیوخ کسے کہا جاتا ہے؟

۳۔ مفردات کسے کہتے ہیں؟ نیز اس علم میں مہارت سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟

۴۔ معرفت اسما کی بحث میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کس قسم اور نوع کے تحت داخل ہوتے ہیں؟

۵۔ ناموں اور کنیتوں کی معرفت پر کسی کتاب کا مختصر تعارف کروایئے۔

مندرجہ ذیل خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پر کیجیے۔

۱۔ "موضح اوھام الجمع والتفریق" .... کی تصنیف ہے:

(۱) خطیب بغدادی (۲) عبدالغنی نابلسی

(۳) ابن حجر عسقلانی

۲۔ .... صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف ایک شخص کی کنیت تھی:

(۱) ابوتراب (۲) ابوالحمراء (۳) ابوجعفر

۳۔ سفینہ لقب ہے........... کا:

(۱) سعید بن المسیب (۲) آزاد کردہ غلام (۳) کشتی

۴۔ بردیجی کی "الاسماء المفردۃ" کا موضوع .... ہے:

(۱) غریب الحدیث (۲) مفردات کی وضاحت

(۳) وحدان کی وضاحت

۵۔ ابو بلال اشعری یہ................. ہے:

(۱) صرف نام (۲) صرف کنیت (۳) نام اور کنیت دونوں

۶۔ اگر معرفتِ کُنٰی کی کتب میں ابو بشر کا نام دیکھنا ہو تو پھر........... دیکھنا ہوگا:

(۱) باب الالف (۲) باب الباء

۷۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام بارے میں تقریباً........... اقوال ہیں:

(۱) تین (۲) تیس (۳) پچیس

۱۳......معرفت القاب

۱۔القاب کی لغوی تعریف:

لفظ "القاب" یہ "لقب" کی جمع ہے۔ اور لقب ہر وہ نام ہوتا ہے جو کسی عظمت یا پستی کو بتلائے یا کسی کی منقبت یا منقصت پر دلالت کرے۔

۲۔معرفت القاب کی بحث سے مراد:

اس بحث سے مراد محدثین اور رواۃِ حدیث کے القاب کی تحقیق وتفتیش کرنا ہے تاکہ ہمیں ان کی معرفت بھی حاصل ہو اور ہم ان کو ضبط بھی کر سکیں۔

۳۔معرفت القاب کا فائدہ:

معرفت القاب کے دو (اہم) فوائد ہیں، جو یہ ہیں:

الف:......ایک یہ کہ القاب کو اسماء نہ سمجھ لیا جائے اور دوسرے یہ کہ ایسے ایک شخص کو دو نہ سمجھ لیا جائے جس کا کبھی تو نام ذکر کیا جاتا ہو اور کبھی لقب۔ حالاں کہ وہ ایک ہی شخص ہوتا ہے۔

ب:......اس سبب کی معرفت ہو سکے جس کی بنا پر اس راوی کا لقب یہ رکھا گیا تھا، تاکہ لقب کی وہ حقیقی مراد معلوم ہو سکے جو اکثر لقب کے ظاہری معنی کے مخالف (ہی) ہوتی ہے۔

۴۔القاب کی اقسام:

(اچھے یا بُرے لقب ہونے کے اعتبار سے) لقب کی دو (اساسی) اقسام ہیں:

۱۔ وہ لقب جس کے ساتھ کسی کی تعریف جائز نہ ہو اور یہ وہ القاب ہیں جن کو خود وہ احباب پسند نہیں کرتے جن کا وہ لقب رکھا گیا ہے۔ (دوسرے لفظوں میں اس کو ناجائز لقب کہہ سکتے ہیں)

۲۔ وہ لقب جس کے ساتھ (کسی کی) تعریف جائز ہو اور یہ وہ لقب ہے جس کو وہ شخص ناپسند نہیں کرتا جس کا یہ لقب ہے۔ (اس کو جائز لقب کہہ سکتے ہیں)۔

۵۔القاب کی مثالیں:

الف:......"ضـــالّ" (جس کا بظاہر معنی گم راہ ہے مگر) یہ معاویہ بن عبدالکریم کا لقب ہے۔ اور ان کا یہ لقب اس لیے رکھا گیا کیوں کہ یہ مکہ کا راستہ بھول گئے تھے۔

ب:...... ضعیف: یہ عبداللہ بن محمد کا لقب ہے۔ اور ان کا یہ لقب ان کے جسم کے کمزور ہونے کی بنا پر رکھا گیا تھا نا کہ حدیث میں کمزور ہونے کی وجہ سے۔ (اسی لیے) عبدالغنی بن سعید کہا کرتے تھے کہ، "دو جلیل القدر شخصیتیں ایسی ہیں جن کو دو بُرے لقب ضالّ اور ضعیف چمٹے ہوئے ہیں۔"

ج:...... غُـنْـدَر: اہلِ حجاز کی لغت میں اس کا معنی ہے شور وشغب کرنے والا۔ یہ شعبہ کے ساتھی ''محمد بن جعفر بصری'' کا لقب ہے۔ اور ان کے یہ لقب پڑنے کا سبب (اور قصہ) یہ ہے کہ ابن جریج بصرہ آئے اور انھوں نے حسن بصری کے واسطے سے ایک حدیث سنائی مگر لوگوں نے اس پر انکار کیا اور خوب شور برپا کر دیا اور اس ساری ہنگامہ آرائی میں محمد بن جعفر سب سے آگے آگے تھے۔ اس پر ابن جریج نے انھیں (مخاطب کر کے) کہا، ''او غندر! (ذرا دم لے! اور چپ ہو جا۔'' (پس یہیں سے ان کا لقب ''غندر'' پڑ گیا)

د:...... غُـنْـجار: یہ عیسیٰ بن موسیٰ تیمی کا لقب ہے اور ان کا یہ لقب ان کے رخساروں کے سرخ ہونے کی وجہ سے پڑا۔

ھ:...... صـاعـقـہ: یہ حافظ محمد بن ابراہیم کا لقب ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے ان سے روایت کیا ہے اور ان کا لقب (بجلی اور چمک) اس لیے پڑا کہ ان کا حافظہ اور یادداشت غضب کی تھی۔

و:...... مُشْکُدَانہ: یہ عبداللہ بن عمر اموی کا لقب ہے۔ (دراصل یہ فارسی لفظ ہے) اور فارسی زبان میں اس کا معنی ''مشک کا دانہ'' یا ''مشک (رکھنے) کا برتن'' ہے۔

ز:...... مُطَيَّن: یہ ابو جعفر حضرمی کا لقب ہے (اور مُطَيَّن کا معنی ہے جس پر گارا لیپ دیا گیا ہو) ان کا یہ لقب اس لیے پڑا کہ ابو جعفر بچپن میں بچوں کے ساتھ پانی میں کھیلا کرتے تھے تو بچے (شرارت کے طور پر) ان کی پیٹھ پر گارا مل دیتے تھے۔ ابو نعیم انھیں کہا کرتے تھے، ''اے مُطَيَّن! تم (یہاں کھیلنے کودنے کی بجائے) علم کی مجلس میں کیوں نہیں جاتے؟''

٦۔ القاب پر مشہور تصانیف:

متقدمین و متاخرین علماء کی ایک جماعت نے خاص اس موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے سب عمدہ اور مختصر کتاب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ''نزهة الالباب'' ہے۔

١۴...... باپ کے علاوہ (یعنی دادا اور ماں وغیرہ) کی طرف منسوب ہونے والوں کی معرفت

١۔ اس بحث سے کیا مراد ہے؟:

اس بحث سے دو باتیں مراد اور مقصود ہیں:

ایک تو ان لوگوں کی معرفت حاصل کی جائے جو باپ کے علاوہ کسی قریبی رشتہ جیسے ماں یا دادا کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے یا کسی اجنبی کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے۔ جیسے استاد اور مربی کی طرف منسوب ہونا۔

دوسری مراد یہ ہے کہ ایسے راوی کے باپ کے نام کی معرفت حاصل کی جائے۔

۲۔ اس بحث کی معرفت کا فائدہ:

اس بحث کی معرفت کا فائدہ یہ ہے کہ جب ایسے راویوں کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا جاتا ہے، تو انھیں ایک سے زائد اشخاص سمجھے جانے کا اشتباہ باقی نہیں رہتا۔

۳۔ غیر آباء کی طرف نسبت کی اقسام اور ہر ایک قسم کی مثال:

(محدثین نے اس کی چند اقسام بیان کی ہیں جن کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے)

الف:......وہ شخص جو اپنی ماں کی طرف منسوب ہو، اس کی مثال معاذ، معوّذ اور عوذ ہیں جو عفراء کے بیٹے تھے۔ جب کہ ان کے باپ کا نام حارث تھا (مگر یہ تینوں بھائی جو صحابی بھی ہیں، ماں کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئے) اسی طرح ''بلال بن حمامہ'' ہیں جن کے باپ کا نام رباح ہے، اور محمد بن حنفیہ ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں۔

ب:......وہ شخص جو اپنی دادی کی طرف منسوب ہو خواہ اوپر کی دادی ہو یا نیچے کی۔ جیسے "یعلی بن مُنیہَ" کہ "مُنیہ" ان کی دادی تھی اور ان کے والد کا نام امیہ ہے۔ اسی طرح ''بشیر بن خصاصیہ'' کہ خصاصیہ ان کی تیسری پشت کی دادی ہے۔ اور ان کے والد کا نام ''معبد'' ہے۔

ج:......وہ شخص جو اپنے دادا کی طرف منسوب ہو، جیسے حضرتِ ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کہ ان کا پورا نام عامر بن عبداللہ بن جراح ہے۔ اور ''امام احمد بن حنبل'' کا ان کا پورا نام ''احمد بن محمد بن حنبل'' ہے۔

د:......وہ شخص جو کسی وجہ سے کسی اجنبی طرف منسوب ہو: جیسے "مقداد بن عمرو کِندی" کہ انھیں ''مقداد بن اسود'' کہا جاتا تھا، کیوں کہ یہ اسود بن عبد یغوث کی پرورش میں تھے اور اس نے انھیں اپنا متبنّٰی بنا لیا تھا۔

۴۔ مشہور تصانیف:

ہمیں خاص اس موضوع پر مشتمل کسی کتاب کا پتا نہیں چل سکا، لیکن کتبِ تراجم عموماً رواۃ میں سے ہر ایک کے نسب کو بیان کرتی ہیں خاص طور پر تراجم کی ضخیم کتب۔

۱۵......خلافِ ظاہر نسبتوں کی معرفت

ا۔ تمہید:

متعدد رواۃ ایسے ہیں جو کسی مکان، جگہ، غزوہ، قبیلہ یا پیشہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں لیکن ان نسبتوں سے جو ظاہر اور دماغوں میں متبادر ہوتا ہے، وہ مراد نہیں ہوتا اور واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ان رواۃ کی ان مذکورہ نسبتوں کی طرف نسبت کسی عارضہ کی وجہ سے ہوتی ہے مثلاً ان کا اس جگہ اترنا، یا اس پیشہ کے لوگوں کے ساتھ (تھوڑی دیر) ہم نشین ہونا وغیرہ۔ [1]

[1] یعنی عموماً ہوتا یہی ہے کہ نسبتیں کسی ظاہری مناسبت سے ہی ہوتی ہیں جیسے کسی نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تو بدری کہلایا، مکہ کا باشندہ ہوا تو مکی کہلایا، قریش کا چشم و چراغ ہوا تو قریشی کہلایا اور پارچہ فروش ہوا تو بزاز کہلایا مگر کبھی رواۃ کی نسبتیں تو ہوتیں ہیں مگر کسی مستقل مناسبت کی وجہ ⇐⇐⇐

۲۔ اس بحث کا فائدہ:

اس بحث کا فائدہ یہ ہے کہ اس بات کی معرفت حاصل کی جائے کہ (بعض رواۃ کی مذکورہ) یہ نسبتیں حقیقی نہیں بلکہ کسی عارضہ کی وجہ سے یہ نسبتیں ان افراد کی طرف منسوب ہیں دوسرے (اس بحث سے) اس عارضہ یا سبب کی معرفت حاصل ہوتی ہے جس کی بنا پر یہ راوی اس نسبت کی طرف منسوب ہوا ہے۔

۳۔ خلافِ ظاہر نسبتوں کی مثالیں:

الف: ......''ابومسعود بدری'' کہ یہ غزوۂ بدر میں شریک ہونے کی بنا پر بدری نہیں کہلاتے بلکہ (حسنِ اتفاق سے ایک موقع پر) مقامِ بدر پر اترے تھے۔ پس بدر کی طرف منسوب ہو کر بدری کہلانے لگے۔

ب:...... "یزید فقیر" دراصل یہ فقیر (یعنی فقر کی طرف منسوب ہو کر تنگ دست) نہیں تھے بلکہ ریڑھ کی ہڈی (فَقَار) میں چوٹ لگنے کی وجہ سے ''فقیر'' کہلاتے تھے (یعنی ان کی نسبت ''فقیر'' کا مادہ ''فقر'' (یعنی تنگ دستی) نہیں بلکہ ''فَقَار'' (ریڑھ کی ہڈی) ہے۔ چناں چہ فقیر لفظ سے ذہن متبادر جس معنی کی طرف جاتا ہے یہاں وہ مراد نہیں)۔

ج:...... خالد حذّا: یہ حذّاء (یعنی موچی اور جفت دوز) نہیں تھے بلکہ جفت دوزوں کی ہم نشینی اور مجالست کی بنا پر ''حذاء'' کہلانے لگے تھے۔

۴۔ خلافِ ظاہر انساب پر مشہور تصانیف:

علامہ سمعانی کی "الانساب" اس باب میں مرجعِ اوّل کا درجہ رکھتی ہے۔ علامہ ابن اثیر نے "اللباب فی تہذیب الانساب" نامی کتاب لکھ کر اس کی تلخیص کی۔ اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے "لُبُّ اللباب" لکھ کر اس تلخیص کی بھی تلخیص کر ڈالی۔

۱۶...... تواریخِ رواۃ کی معرفت
یعنی رواۃ کے حالاتِ زندگی کی معرفت

ا۔ تواریخ کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: لفظ "تواریخ" ''تاریخ'' کی جمع ہے جو "اَرَّخَ" ❶ فعل کا مصدر ہے۔ اور اس میں ھمزہ

⇦⇦⇦ سے نہیں، بلکہ عارضی سبب سے ہوتی ہیں، جیسے کبھی کوفہ جانا ہوا تو کوفی کہلانے لگے، کسی صاحبِ پیشہ کے پاس زیادہ اٹھے بیٹھے تو وہ بھی عطار، یا صابونی یا زجاج یا بزاز وغیرہ کہلانے لگے۔

غرض علوم الحدیث کی اس نوع کی معرفت کا مقصد یہ ہے کہ تلاش و تحقیق کے بعد حقیقی اور عارضی نسبتوں میں خطِ امتیاز کھینچ دیا جائے۔ ''نسیم''

❶ اور اس فعل کا معنی ہے تاریخ ڈالنا، تاریخ لکھنا اور متعلقہ تفصیلات لکھنا۔ اور ''تاریخ'' کا لغوی معنی ہے وہ احوال و واقعات جن سے کوئی قوم یا فرد گزرتا ہے (القاموس الوحید ص ۱۱۹ کالم نمبر ۳) نسیم

کی "تسہیل" [1] کی جاتی ہے۔

ب:......اصطلاحی معنیٰ: اور (محدثین کی اصطلاح میں) تاریخ یہ اس وقت کو بیان کرنا ہے جس میں ولادت، وفات اور دوسرے حالاتِ زندگی کو ضبط کیا جاتا ہے۔ [2]

۲۔ مذکورہ بحث میں تاریخ سے کیا مراد ہے؟:

یہاں تاریخ سے ہماری مراد رواۃ کی ولادت، مشائخ سے ان کے احادیث سننے، بعض بلا د وامصار میں ان کے جانے اور ان کے وفات پانے کے زمانہ کی معرفت حاصل کرنا ہے۔

۳۔تاریخ کی معرفت کی اہمیت و فائدہ:

معرفت تاریخ رواۃ بڑی اہمیت کا مالک فن ہے۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ (اس کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے) فرماتے ہیں، "جب رواۃ نے دروغ گوئی سے کام لینا شروع کر دیا تو ہم نے ان کے خلاف علم تاریخ کا ہتھیار استعمال کرنا شروع کیا۔"

علم تاریخ کی معرفت کا (سب سے اہم) فائدہ یہ ہے کہ سندِ متصل اور سندِ منقطع (میں امتیاز اور ان) کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔

چناں چہ جب کچھ لوگ اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے فلاں سے روایت کی ہے تو تاریخ پر نظر دوڑائی جاتی ہے جس سے یہ بات عیاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ وہ لوگ مروی عنہم کی وفات کے مدتوں بعد ان سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے ہیں۔"

۴۔اہم ترین چند تاریخی باتوں کا تذکرہ:

الف:......رسالت مآب ختمی المرتبت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جلیل القدر رفقاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بابت صحیح قول یہ ہے کہ ان تینوں حضرات نے تریسٹھ سال کی عمر پائی۔

(اب ذیل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی تاریخ ہائے وفات کی تفصیل ملاحظہ کیجیے!)

۱۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بروز پیر بارہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو بوقت چاشت اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔

۲۔ حضرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جمادی الاولی ۱۳ھ کو اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔

---

[1] "ہمزہ کی تسہیل" یہ ہے کہ "اگر ہمزہ متحرک حرفِ متحرک کے بعد ہو تو اس میں "بین بین قریب" اور "بین بین بعید" دونوں جائز ہیں۔ آگے ہمزہ کو اپنے مخرج اور اس کی حرکت کے موافق حرف علت کے مخرج کے درمیان پڑھنا "بین بین قریب" ہے اور ہمزہ کے مخرج اور اس کے ماقبل کی حرکت کے موافق حرفِ علت کے مخرج کے درمیان پڑھنا بین بین بعید ہے۔ "بین بین" کو "تسہیل" بھی کہتے ہیں۔ (علم الصیغہ اردو، ص:۵۴ مطبوعہ ادارۃ المعارف، کراچی) اور اس کی صحیح نوعیت اور صورت قراء ہی بتلا سکتے ہیں۔ نسیم

[2] دیکھیں "علوم الحدیث لابن الصلاح" ص ۳۸۰ (طحّان)

۳۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ذی الحجہ ۲۳ھ کو اس دنیائے دوں کو داغِ مفارقت دے گئے۔

۴۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے ذی الحجہ ۳۵ھ کو ۸۲ برس کی عمر پا کر جامِ شہادت نوش کیا۔ جب کہ ایک قول ۹۰ برس کی عمر پانے کا بھی ہے۔

۵۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تریسٹھ برس کی عمر میں ۴۰ھ کو منصبِ شہادت سے سرفراز ہوئے۔

ب: ......دو صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں جنھوں نے عہدِ جاہلیت میں بھی ساٹھ برس کا زمانہ پایا اور اسلام کا بھی ساٹھ برس کا زمانہ پایا اور دونوں حضرات نے ۵۴ھ میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا۔ یہ دونوں جلیل القدر صحابہ حضرت حکیم بن حزام اور شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہم ہیں۔

ج: ......اصحابِ مذاہب متبوعہ (یعنی آئمہ اربعہ کی ولادت و وفات کی تواریخ جن کے مذاہب کی پیروی کی جاتی ہے)۔

نام	ولادت	وفات
۱۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ	۸۰ھ	۱۵۰ھ
۲۔ امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ	۹۳ھ	۱۷۹ھ
۳۔ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ
۴۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ	۱۶۴ھ	۲۴۱ھ

د: کتب ستہ کے مؤلفین

نام	ولادت	وفات
۱۔ امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ
۲۔ امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمہ اللہ	۲۰۴ھ	۲۶۱ھ
۳۔ امام ابوداؤد سجستانی رحمہ اللہ	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
۴۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ [1]	۲۰۹ھ	۲۷۹ھ
۵۔ امام احمد بن شعیب نسائی رحمہ اللہ	۲۱۴ھ	۳۰۳ھ
۶۔ امام ابن ماجہ قزوینی رحمہ اللہ	۲۰۷ھ	۲۷۵ھ

[1] امام ترمذی کے سن ولادت میں اختلاف ہے۔ اکثر مورخین نے امام ترمذی کے سنِ ولادت کو متعین کر کے بیان نہیں کیا۔ بس اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ امام ترمذی تیسری صدی ہجری کے پہلے عشرے میں پیدا ہوئے۔ لیکن بعض مورخین نے صراحتہً ۲۰۹ھ تاریخ ولادت بیان کی ہے۔ ان مورخین میں سے ایک نام محمد بن قاسم جسوس کا ہے جنھوں نے شمائل ترمذی کی شرح بھی لکھی ہے۔ دیکھیں کتاب ہذا کی ج ۱ ص ۴۔ (طحان)

۵۔ معرفت تواریخ پر مشہور تصانیف:

الف:......"الـوفیات" : یہ محدثِ دمشق ابن زبر محمد بن عبید اللہ ربعی رحمہ اللہ متوفی ۳۷۹ھ کی تصنیف لطیف ہے جو سنین کے اعتبار سے مرتب ہے۔

ب:......بعض دیگر علماء نے مذکورہ کتاب کے تتمے لکھے ہیں جیسے امام کتانی نے، پھر امام اکفانی نے پھر امام عراقی نے اس کا تتمہ لکھا۔

۱۷......اختلاط کا شکار ہونے والے ثقہ رواۃ کی معرفت

ا۔ اختلاط کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: "اختلاط" کا لغوی معنی "عقل کا بگڑ جانا" ہے کہا جاتا ہے "اُخْتُلِطَ فُلَانٌ" فلاں کی عقل بگڑ گئی۔ جیسا کہ "القاموس المحیط" میں لکھا ہے۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں اختلاط) یہ راوی کی عقل کے بگڑ جانے یا سٹھیا جانے یا نابینا ہو جانے یا کتب جل جانے وغیرہ کے کسی سبب سے (احادیث و) اقوال کو ضبط نہ کر سکنا ہے۔ ❶

۲۔ مختلطین رواۃ کی اقسام:

الف:......وہ ثقہ رواۃ جنھیں سٹھیا جانے کی وجہ سے اختلاط لاحق ہو گیا ہو: جیسے عطاء بن سائب ثقفی کوفی۔

ب:......وہ ثقہ رواۃ جنھیں نابینا ہو جانے کی پر اختلاط عارض ہو گیا ہو: جیسے عبدالرزاق بن ہمام صنعانی کہ نابینا ہو جانے کے بعد انھیں "تلقین" ❷ کی جاتی تھی اور وہ تلقین قبول کرتے تھے۔

ج:......جسے دیگر کسی سبب سے اختلاط لاحق ہو گیا ہو: جیسے کتابوں کا جل جانا مثلاً عبداللہ بن لہیعہ مصری (کہ جن کی کتب جل گئی تھیں)۔

۳۔ راوئ مختلط کی روایت کا حکم:

الف:......اختلاط سے قبل کی روایات مقبول ہوں گی۔

ب:......اور اختلاط کے بعد کی روایات مقبول نہ ہوں گی اسی طرح وہ روایات بھی جن کے قبل از اختلاط یا بعد از اختلاط ہونے میں شک ہو، مردود ہوں گی۔

---

❶ دیکھیں علوم الحدیث لا بن الصلاح ص۳۹۱، اور التقریب مع التدریب ۲/ ۳۷۲ (طحّان)

❷ تلقین کی تعریف گزشتہ میں گزر چکی ہے، اختلاط کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیں بابِ اوّل کی فصلِ دوم کی بحث دوم کے مطلب دوم کے مقصد سوم "خبر مردود بسبب الطعن فی الراوی" میں "خبر مردود بسببِ سوء حفظ" کا بیان۔ م نسیم

۴۔ معرفت مختلطین کی اہمیت اور فائدہ:

(علوم الحدیث کا) یہ فن بھی بے حد اہم ہے۔ اس کا سب سے اہم فائدہ ثقہ رواۃ کی ان احادیث کی معرفت حاصل کرنا ہے جو انھوں نے اختلاط کے بعد بیان کی ہوتی ہیں تاکہ انھیں ردّ کیا جا سکے اور غیر مقبول ٹھہرایا جا سکے۔

۵۔ کیا شیخین نے صحیحین میں ایسے ثقہ رواۃ سے روایت لی ہے جنھیں بعد میں اختلاط لاحق ہو گیا تھا؟:

جی ہاں! (شیخین نے ایسے ثقہ رواۃ سے احادیث لی ہیں) البتہ وہ احادیث لی ہیں جن کی بابت یہ معروف ہے کہ ان رواۃ نے ان احادیث کو قبل از اختلاط بیان کیا ہے۔

۶۔ ثقہ مختلطین کی معرفت پر مشہور کتب:

علائی اور حازمی وغیرہ متعدد علماء نے اس موضوع پر کتب لکھی ہیں۔ ان میں حافظ ابراہیم بن محمد سبط ابن عجمی متوفی ۸۴۱ھ کی کتاب "الاغتباط بمن رُمِیَ بالاختلاط" کافی مشہور ہے۔

۱۸...... علماء اور رواۃ کے طبقات کی معرفت

۱۔ طبقہ کی تعریف:

الف:...... لغوی تعریف: طبقہ یہ ایک جیسے (ملتے جلتے، ایک حالت کے) لوگوں کو کہتے ہیں۔

ب:...... اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں طبقہ) یہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو عمر و اسناد میں یا صرف اسناد میں ایک دوسرے کے قریب ہوں۔ [1]

اور اسناد میں تقارب یعنی ایک دوسرے کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک راوی کے شیوخ دوسرے راوی کے بھی شیوخ اور اساتذہ ہوں، یا دونوں کے شیوخ قریب قریب ہوں۔

۲۔ معرفت طبقات کے فوائد:

(محدثین نے اس کے متعدد فوائد بیان کیے ہیں، مثلاً):

الف:...... (معرفت طبقات کا ایک فائدہ یہ ہے کہ نام یا کنیت میں متشابہ رواۃ میں تداخل سے محفوظ رہتے ہیں) کہ نام یا کنیت کے متشابہ ہونے کی وجہ سے ایک کو دوسرا نہ سمجھ لیا جائے، (اور ایک کو دوسرے کے طبقہ میں داخل نہ کر دیا جائے) کیوں کہ کبھی دو اسم تلفظ وغیرہ میں یکساں ہوتے ہیں اور ایک کو دوسرا شخص سمجھ لیا جاتا ہے، لیکن اگر طبقات کی معرفت حاصل ہو تو ان دونوں میں امتیاز اور فرق حاصل ہو جاتا ہے۔

ب:...... عنعنہ سے مرادِ حقیقی معلوم ہو جاتی ہے۔

---

[1] دیکھیں تدریب الراوی ج ۲، ص ۳۸۱ (طحّان)

۳۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دو راوی ایک اعتبار سے ایک طبقہ میں اور دوسرے اعتبار سے دو طبقوں میں (یعنی دونوں الگ الگ طبقوں میں) داخل ہوتے ہیں:

جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان جیسے دوسرے اصاغر صحابۂ کرام کہ یہ اس اعتبار سے کہ صحابہ میں داخل ہیں، عشرہ مبشرہ کے ساتھ ایک طبقہ کے لوگ ہیں اور اس اعتبار سے سب صحابہ ایک طبقہ کے لوگ ہیں۔لیکن اگر سبقتِ اسلام کا اعتبار کیا جائے تو حضراتِ صحابہ کے دس سے کچھ اوپر طبقات بنتے ہیں جیسا کہ ''معرفتِ صحابہ'' میں بیان کیا جاچکا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جیسے اصاغر صحابہ ''عشرہ مبشرہ'' کے طبقہ میں داخل نہ ہوں۔

۴۔طبقات میں غور وفکر کرنے والے کی کیا ذمہ داری ہے؟:

علم طبقات میں بحث وتحقیق کرنے والے کے ذمہ ہے کہ اسے رواۃ کی پیدائش ووفات کی تواریخ اور ان کے شیوخ اور ان کے تلامذہ کا علم ہو۔

۵۔طبقات پر مشہور کتب:

الف:......ابن سعد رحمہ اللہ کی ''طبقات الکبری''

ب:......ابوعمرو دانی کی ''طبقات القراء''

ج:......عبدالوہاب سبکی کی ''طبقات الشافعیۃ الکبری''

د:......علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی ''تذکرۃ الحفاظ''

۱۹......موالی علماء اور رواۃ کی معرفت

۱۔موالی کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: لفظ ''موالی'' یہ ''مولی'' کی جمع ہے۔اور لفظ ''مولی'' اضداد ❶ کی قبیل سے ہے۔ چناں چہ یہ لفظ مالک اور غلام، آزاد کرنے والے اور آزاد ہونے والے پر یکساں بولا جاتا ہے۔ ❷

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین اور علماء وفقہاء کی اصطلاح میں) مولی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی کے ساتھ (نصرت ومعاونت کا) معاہدہ کر رکھا ہو یا کسی نے اسے غلامی کی زنجیروں سے آزاد کر دیا ہو یا مولی وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی کے ہاتھ پر اسلام لے آیا ہو۔ ❸

۲۔موالی کی اقسام:

(مذکورہ بالا اصطلاحی تعریف کی بنا پر) موالی کی تین اقسام (بنتی) ہیں جو یہ ہیں:

---

❶ اضداد ان کلمات کو کہتے ہیں جو بیک وقت دو متضاد معانی پر مشتمل ہوں۔نسیم

❷ دیکھیں: القاموس المحیط ج ٤ ص ٤٠٤۔ (طحان)

❸ دیکھیں: التقریب مع التدریب ۲/ ۳۸۲ (طحان)

الف:......مولی حلف: جیسے امام مالک بن انس اصبحی تیمی۔ کہ نسب اور خاندان کے اعتبار سے امام صاحب اصبحی ہیں مگر ولائے حلف (نصرت و معاونت کے عہد) کے اعتبار سے تیمی ہیں۔ کیوں کہ امام صاحب کی قوم اور خاندان ''اصبح'' کا قریش کے قبیلہ ''تیم'' کے ساتھ حلیفانہ تعلق تھا۔

ب:......مولی عتاقہ: جیسے مشہور تابعی ''ابوالبختری طائی'' ہیں جن کا نام سعید بن فیروز ہے اور یہ طے قبیلہ کے آزاد کردہ غلام ہیں کیوں کہ ان کا آقا جس نے انھیں آزاد کیا تھا قبیلہ طے کا تھا۔

ج:......مولی اسلام: جیسے امام محمد بن اسماعیل بخاری جُعفی کہ ان کے دادا مغیرہ مجوسی تھے جو یمان بن اخنس جُعفی کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، چناں چہ یمان کی نسبت سے یہ بھی جُعفی کہلانے لگے۔

۳۔معرفت موالی کے فوائد:

(اس کے متعدد فوائد ہیں، مثلاً)

☆ التباس و اشتباہ سے محفوظ رہنا۔

☆ اس بات کی معرفت حاصل ہونا کہ آدمی کسی قبیلہ کی طرف نسب کے اعتبار سے منسوب ہے یا ولاء کے اعتبار سے۔

☆ یہیں سے ہمیں ایسے دو ہم نام اشخاص میں فرق و امتیاز حاصل ہو جاتا ہے جن میں سے ایک کسی قبیلہ کی طرف نسب کے اعتبار سے منسوب ہوتا ہے جب کہ دوسرا (اسی نام والا) اسی قبیلہ کی طرف ولاء کے اعتبار سے منسوب ہوتا ہے۔

۴۔معرفت موالی پر مشہور کتب:

اس باب میں ابوعمر کندی نے صرف مصر کی طرف منسوب موالی پر ایک نفیس کتاب لکھی ہے۔

۲۰......ثقہ اور ضعیف رواۃ کی معرفت

ا۔ثقہ اور ضعیف کی تعریف:

الف:......لغوی تعریف: ثقہ کا لغوی معنی ہے قابلِ اعتبار و اطمینان شخص اور ضعیف یہ قوی کی ضد ہے اور ضعف یعنی کمزوری حسی (اور جسمانی) بھی ہوتی ہے اور معنوی بھی۔

ب:......اصطلاحی تعریف: (محدثین کی اصطلاح میں) ثقہ اس شخص کو کہتے ہیں جو عادل (یعنی اس کی دینی و اخلاقی حالت قابل اعتبار) اور ضابط (یعنی قوی یادداشت والا) ہو۔ جب کہ ضعیف ایک عام نام ہے جو ہر اس شخص کو شامل ہے جس کے ضبط یا عدالت میں طعن کیا گیا ہو۔

۲۔ثقہ اور ضعیف کی معرفت کی اہمیت اور فائدہ:

علوم الحدیث کی یہ اہم ترین نوع ہے کیوں کہ ثقہ اور ضعیف رواۃ کی معرفت کے واسطے ہی تو ہم صحیح حدیث کو ضعیف حدیث سے پہچان لیتے ہیں۔ (اور یہی اس علم کا اساسی، بنیادی اور اہم ترین فائدہ ہے)۔

۳۔ثقات وضعفاء کی انواع اور اسی کے اعتبار سے اس موضوع کی مشہور تصنیفات:

الف:......صرف ثقات رواۃ پر لکھی گئی کتابیں: جیسے ابن حبان اور عجلی کی "الثقات" نامی کتابیں (کہ دونوں کی کتاب کا ایک ہی نام ہے)۔

ب:......صرف ضعفاء رواۃ پر لکھی جانے والی کتابیں: اس موضوع پر بے شمار کتابیں ہیں جیسے امام بخاری رحمہ اللہ، امام نسائی، عقیلی، اور دارقطنی کی "کتاب الضعفاء"، اور ابن عدی کی "الکامل فی الضعفاء" اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی "المغنی فی الضعفاء"۔

ج:......ثقات وضعفاء دونوں کے تذکروں پر مشتمل کتابیں: ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے جیسے "تاریخ البخاری الکبیر" ابن ابی حاتم کی "الجرح والتعدیل" کہ ان میں عام رواۃ کا تذکرہ ہے (جن میں ثقہ بھی ہیں اور ضعیف بھی) اور کچھ کتابیں صرف کسی خاص کتابِ حدیث کے رواۃ کے تذکروں پر مشتمل ہیں، جیسے عبدالغنی مقدسی کی "الکمال فی اسماء الرجال" پھر متعدد علماء نے اس کی تہذیبات لکھی ہیں جن میں علامہ مزی، علامہ ذہبی حافظ ابن حجر اور علامہ خزرجی کے نام آتے ہیں۔

۲۱......رواۃ کے اوطان اور بلاد وامصار کی معرفت

ا۔اس بحث سے کیا مراد ہے؟:

"اوطان": یہ "وَطَن" ❶ کی جمع ہے، یہ اس خطۂ زمین (علاقہ) یا جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان پیدا ہوا ہو یا وہیں بس گیا ہو۔

بُلدان: یہ "بَلَد" کی جمع ہے۔ اور بلد اسی شہر یا بستی کو کہتے ہیں جہاں آدمی کی ولادت ہوئی ہو یا وہیں رہائش اختیار کر لی ہو۔

اور (اس وضاحت کے بعد) اس بحث سے مراد رواۃ کے ان علاقوں، شہروں اور بستیوں کی معرفت حاصل کرنا ہے جہاں ان کی ولادت ہوئی ہو یا وہاں انھوں نے سکونت اختیار کر لی ہو (اور وہیں کے باسی بن گئے ہوں)۔

۲۔معرفت اوطانِ رواۃ کا فائدہ:

(اس نوع کی معرفت کے متعدد فوائد ہیں جن میں سے) ایک فائدہ: ایسے دو اشخاص کے درمیان فرق و امتیاز کا حاصل کرنا ہے جن کے نام تو تلفظ میں یکساں ہوں مگر دونوں الگ الگ دیسوں میں بستے ہوں۔ علوم الحدیث کی یہ وہ نوع ہے جس کی حفاظِ حدیث کو اپنی تصنیفات اور علمی مشاغل میں ازحد احتیاج و ضرورت رہتی ہے۔

❶ وطن: انسان کی مستقل رہائش گاہ جس کی طرف اس کا انتساب ہو خواہ وہ وہاں پیدا ہوا ہو یا نہیں۔ (القاموس الوحید، ص: ۱۸۶۸ کالم نمبر: ۳) نسیم

۳۔ راوی عربی ہو یا عجمی وہ کس بات کی طرف منسوب ہوتا ہے؟:

(دوسرے لفظوں میں ہم اسے مدارِ نسبت کہہ سکتے ہیں چوں کہ عرب وعجم کی تہذیبی اقدار میں نمایاں فرق رہا ہے اس لیے دونوں میں نسبت کا معیار اور مدار بھی الگ الگ ہے، جس کی تفصیل ذیل مین درج کی جاتی ہے):

الف:...... قدیم زمانہ میں عرب اپنے قبائل کی طرف منسوب ہوا کرتے تھے کیوں کہ اکثر عرب بدوی اور خانہ بدوش ہوتے تھے اوزان کا اپنا قبیلہ کے ساتھ ربط وتعلق بہ نسبت وطن اور بلاد وامصار کے ساتھ تعلق کے بے حد مضبوط ہوتا تھا، لیکن جب اسلام آیا اور (اس کی برکت سے) شہروں اور بستیوں میں آباد ہونے کی عادت ان پر غالب آنے لگی (کہ اب دربدر خانہ بدوشانہ زندگی گزارنے کی بجائے، ان لوگوں نے ایک جگہ جم کر رہنا شروع کیا) تو اب یہ لوگ بھی (قبائل اور قوموں کی بجائے) شہروں اور بستیوں کی طرف منسوب ہونے لگے۔

ب:...... رہ گئے عجمی تو یہ لوگ زمانۂ قدیم سے شہروں اور بستیوں کی طرف ہی منسوب چلے آتے ہیں۔

۴۔ جس شخص نے اپنا وطن بدل لیا ہو وہ اپنا انتساب کیوں کر بیان کرے؟

الف:...... جو (شخص پہلے ایک وطن میں رہتا تھا، پھر اس نے ایک دوسرے شہر کو اپنا مستقل وطن بنالیا اور اب وہ) یہ چاہتا ہو کہ اپنے کو دونوں شہروں کی طرف منسوب کرے تو اسے چاہیے کہ پہلے ہوا اپنا پہلا وطن ذکر کرے پھر دوسرا جس کی طرف وہ منتقل ہوگیا ہے اور مناسب یہ ہے کہ دونوں وطنوں کے ناموں کے درمیان لفظ "ثُمَّ" لکھے۔ چناں چہ (مثلاً) جو پیدا تو حلب میں ہوا، پھر مدینہ منورہ منتقل ہوگیا وہ اپنی نسبت یوں بیان کرے، "فلان الحلبیّ ثم المدنی" اکثر لوگ اسی پر عامل ہیں۔

ب:......اور جو ایسا نہ کرنا چاہے وہ جس شہر کی طرف مرضی چاہے خود کو منسوب کرے، مگر ایسا کم ہوتا ہے۔

۵۔ جو شخص کسی شہر کے تابع بستی میں رہتا ہو وہ اپنا انتساب کیوں کر بیان کرے؟

(کہ بستی کا نام لے یا شہر کا) (دوسرے لفظوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص کسی ذیلی اور ماتحت مقام میں رہتا ہو وہ اپنی نسبت کیسے بیان کرے؟ اسے اس باب میں تین اختیار ہیں جن کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے):

الف:...... چاہے تو خود کو اسی (ذیلی اور ماتحت) بستی کی طرف منسوب کرے۔

ب:...... چاہے تو اس شہر کی طرف خود کو منسوب کرلے جس کے زیرِ ولایت یہ بستی ہے۔

ج:......اور چاہے تو خود کو اس اقلیم اور ملک کی طرف کرلے جس کا یہ شہر ہے۔ اس تفصیل کو ایک مثال سے سمجھئے!

مثلاً ایک شخص "باب" نامی بستی کا باشندہ ہو جو "حلب" شہر کے ماتحت ہو اور حلب "ملکِ شام" کا شہر ہے۔ اب یہ شخص اپنی نسبت بیان کرتے ہوئے خود کو "بابی" بھی کہہ سکتا ہے اور "حلبی" اور "شامی" بھی۔

۶۔ ایک شخص کسی مقام پر کتنی مدت رہے کہ وہاں کا باشندہ کہلانے لگے؟:

(اس کا جواب ہے) چار سال اور یہ عبداللہ بن مبارک کا قول ہے۔

۷۔ معرفت اوطان و بلدانِ رواۃ پر مشہور تصانیف:

الف:......ہم علامہ سمعانی کی کتاب "الانساب" کو جس کا تعارف گزشتہ میں گزر چکا ہے، اس نوع کی تصنیفات میں شمار کر سکتے ہیں کیوں کہ اس کتاب میں علامہ موصوف نے رواۃ کی اوطان وغیرہ کی طرف نسبتوں کو بھی بیان کیا ہے۔

ب:......ابن سعد کی "الطبقات الکبری" کو بھی ہم اس باب میں مآخذ کی مدّ میں لا سکتے ہیں کہ اس میں رواۃ کے اوطان و بلدان کا (کافی حد تک) ذکر ہے۔

یہ وہ آخری مضمون تھا جس کا لکھنا رب تعالیٰ نے اپنی توفیق سے میسّر اور آسان فرمایا و صلی اللّٰه علیه سیدنا و نبینا محمد، وعلی آله وصحبه وسلم والحمد للّٰه رب العالمین۔ ❶

---

❶ رب تعالیٰ بندہ عاجز کے اس ترجمہ، مذکورہ فوائد، حواشی، توضیحات، تشریحات، مصطلحات اور لغوی صرفی، نحوی، منطقی اور بلاغتی تعریفات کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرما کر ہر خاص و عام کو اس سے فائدہ دے اور اس سیہ کار کے ذخیرہ آخرت اور والد مرحوم اور جواں مرگ بھائی کی قبروں کو منور کرنے کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین وآخر دعوانا ان الحمد للّٰه رب العالمین۔ نسیم

نوٹ: رب تعالیٰ بندہ مترجم کی والدہ اور ہمشیر کو بھی اپنی جوار رحمت میں جگہ دے جواب یعنی کتاب کے چھپنے کے وقت اس دنیا میں نہیں رہیں۔ آمین یا رب العالمین!

آج بتاریخ دس نومبر ۲۰۱۶ء کو اس کتاب کی نظر ثانی کا کام مکمل ہوا۔ نسیم

مآخذ ومصادر

(از مترجم)

۱۔ تحفة الطلبة المعروف به مارب الطلبة۔ مولانا شبیر احمد رانگا بالوی ارکانی بیت العلم ٹرسٹ کراچی۔

۲۔ ترجمہ قرآنِ پاک مولانا فتح محمد جالندھری، بیت القرآن کراچی

۳۔ التسهيل السامى فى حل شرح الجامى ج ۱ ۔ قاری صدیق احمد صاحب۔ قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۔ التعريفات للسيد الشريف الجرجانى ، دارالمنار

۵۔ تيسر المنطق ، مولانا عبداللہ گنگوہی

۶۔ دروس البلاغة مع شرحه شموس البراعة "از لجنة العلماء" قدیمی کتب خانہ۔ کراچی

۷۔ علم الصيغه ۔ مولانا عنایت اللہ کاکڑوی

۸۔ علوم الحدیث ۔ مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی۔ مجلس نشریاتِ اسلام کراچی

۹۔ فیروز اللغات اردو، فیروز سنز لاہور

۱۰۔ "القاموس الوحید" علامہ وحید الزمان کیرانوی رحمہ اللہ ۔ ادارۂ اسلامیات لاہور

۱۱۔ معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی۔ دارالاشاعت کراچی

۱۲۔ معدن الحقائق شرح كنز الدقائق، مولانا محمد حنیف گنگوہی، دارالاشاعت کراچی

۱۳۔ المنجد العربى فى الاعلام دارالمشرق بیروت لبنان

۱۴۔ نسيم البيان شرح التبيان فى علوم القرآن۔ محمد آصف نسیم۔ المیزان لاہور

۱۵۔ نور الانوار ۔ ملا جیون انبیٹھوی رحمہ اللہ ، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۱۶۔ هداية النحو

۱۷۔ English To English And Urdu Dictionary فیروز سنز لاہور

مآخذ ومصادر

(از مولف طحان)

- ❀ القرآن الكريم
- ❀ تاريخ بغداد، للخطيب البغدادي- نشر دارالكتاب العربي- بيروت.
- ❀ تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي، للسيوطي، تحقيق الشيخ عبدالوهاب عبداللطيف- الطبعة الثانية سنة ١٣٨٥هـ.
- ❀ التقريب، للنووي مع شرحه التدريب، تحقيق الشيخ عبدالوهاب عبداللطيف- الطبعة الثانية سنة ١٣٨٥هـ.
- ❀ الرسالة، للأمام الشافعي، تحقيق الشيخ أحمد محمد شاكر.
- ❀ الرسالة المستطرفة لبيان مشهور كتب السنة المشرفة، للكتاني . . . تحقيق الشيخ محمد المنتصر الكتاني- نشر دارالفكر.
- ❀ سنن الترمذي (جامع الترمذي) مع شرحه تحفة الأحوذي- الطبعة المصرية- نشر محمد عبدالمحسن الكتبي.
- ❀ سنن أبي داود - تحقيق الشيخ محيي الدين عبدالحميد.
- ❀ سنن ابن ماجه، تحقيق محمد فؤاد عبدالباقي- طبع عيسى البابي الحلبى وشركاه سنة ١٣٧٢هـ.
- ❀ سنن الدار قطنى، تصحيح وتحقيق نشر السيد عبدالله هاشم اليماني المدني.
- ❀ شرح العراقي على ألفيته - طبع المغرب.
- ❀ صحيح البخاري مع شرحه فتح الباري- تحقيق الشيخ عبدالعزيز بن باز- المطبعة السلفية بالقاهرة سنة ١٣٨٠هـ.
- ❀ صحيح البخاري، المتن فقط ...... طبعة بولاق سنة ١٢٩٦هـ.
- ❀ صحيح مسلم مع شرح النووى- الطبعة الأولى- الطبعة المصرية بالأزهر سنة ١٣٤٧هـ.
- ❀ صحيح مسلم- تحقيق محمد فؤاد عبدالباقي- مطبعة عيسى البابي الحلبي- القاهرة.

❀ علوم الحديث، لابن الصلاح- تحقيق الدكتور نور الدين عتر- نشر المكتبة العلمية بالمدينة المنورة سنة ١٣٨٦هـ.

❀ فتح المغيث شرح ألفية الحديث، للسخاوي- تحقيق عبدالرحمن محمد عثمان، نشر المكتبة السلفية بالمدينة المنورة.

❀ القاموس المحيط للفيروز آبادي- طبع المطبعة الميمنية بمصر.

❀ الكفاية في علم الرواية، للخطيب البغدادي- طبعة دائرة المعارف العثمانية بالهند سنة ١٣٥٧هـ.

❀ المتفق والمفترق، للخطيب البغدادي- تحقيق د- محمد صادق أيدن.

❀ المستدرَك على الصحيحين، للحاكم النيسابوري- نشر مكتبة النصر الحديثة بالرياض- مصورة عن الطبعة الهندية.

❀ معرفة علوم الحديث، للحاكم النيسابوري- نشر الدكتور السيد معظم حسين- طبع دائرة المعارف العثمانية.

❀ معالم السنن، للخطابي- تحقيق الشيخ أحمد محمد شاكر و محمد حامد الفقي- مطبعة أنصار السنة المحمدية سنة ١٣٦٧هـ.

❀ ميزان الاعتدال في نقد الرجال، للذهبي- تحقيق على محمد البجاوي- طبع عيسى البابي الحلبي سنة ١٣٨٢هـ.

❀ موطأ مالك، تصحيح و تعليق محمد فؤاد عبدالباقي - طبع عيسى البابي الحلبي وشركاه سنة ١٣٧٠هـ.

❀ نزهة النظر شرح نخبة الفكر، للحافظ ابن حجر- نشر المكتبة العلمية بالمدينة المنورة.

❀ نخبة الفكر مع شرحها نزهة النظر، للحافظ ابن حجر- نشر المكتبة العلمية بالمدينة المنورة.

کتاب ھذا کے متعلق چند باتیں قارئین کی نذر کرتے ہیں تاکہ کتاب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکے۔ فاضل مترجم نے اس کتاب میں جن امور کو ملحوظ رکھا ہے، وہ یہ ہیں:

- بے حد آسان اور عام فہم لفظی و با محاورہ ترجمہ
- بریکٹوں کی صورت میں عبارت میں تسلسل پیدا کرنے کے لیے وضاحت
- مختلف جگہوں پر نقشوں کی صورت میں توضیح
- مغلق اور قابلِ وضاحت عبارتوں کی حواشی کی صورت میں تشریح
- لغوی، صرفی، نحوی، منطقی اور بلاغتی توضیحات کا اہتمام
- موضوع سے متعلق دیگر کتب سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ دیگر کتب کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے
- جبکہ مولانا محمد شکیل عاصم نے طلباء کے لیے بے حد مفید مشقی و معروضی سوالات کا التزام کیا ہے
- ہر مسلک کے لیے یکساں مفید

362148658744

دار الحمد

+92 42 373 61 505, +92 372 44 404
+92 333 43 34 804, +92 324 43 36 123

غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

dk.salafiyyah@gmail.com